ماہنامہ
عصمت
نسائی شعور کی نمائندہ آواز
(۱۹۴۸ء تا ۲۰۰۸ء)
ڈاکٹر نعیمہ بی بی
ابو
Abu
Musa

CamScanner

ماہنامہ "عصمت" : نسائی شعور کی نمائندہ آواز

(۱۹۴۸ء تا ۲۰۰۸ء)

ڈاکٹر نعیمہ بی بی

CamScanner

انتساب

امی اور ابو کے نام

جن کے وجود سے میرے وجود کی نمود ہوئی

CamScanner

فہرست

CamScanner

پیش لفظ

ماہنامہ "عصمت" کا اجرا ایسے وقت میں کیا گیا جب برعظیم کے مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا ہو چکی تھی۔ ایسے میں کچھ درد دل رکھنے والے اور صاحب شعور لوگوں نے خواتین کی تعلیم و تربیت کی بات کی۔ انہی صاحبان میں سے ایک علامہ راشد الخیری تھے۔ جو ایک دور بین و دور اندیش مصلح تھے۔ انھوں نے اپنی چشم تصور سے دیکھا کہ اگر ہندوستانی عورت کو تعلیم دلا کر معاشرے میں آگے نہ لایا گیا اور اسے اس کے بنیادی حقوق نہ دیے گئے تو معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ ان کے سامنے ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ ہندوستان کی خواتین کو تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے ماہنامہ "عصمت" جون ۱۹۰۸ء میں مخزن پریس دہلی سے شائع کیا گیا۔ اس ماہنامے کی اشاعت آج بھی جاری ہے۔ اس ماہنامے کو تحریک اصلاح نسواں کی بنیاد کہا جاتا ہے۔ مگر افسوس آج کا طالب علم اس کے نام سے بھی ناآشنا نظر آتا ہے۔

میری اس کتاب کا اصل مقصد ماہنامہ "عصمت" کے مشمولات کو سامنے لانا ہے تاکہ ایک ایسی سماجی و معاشرتی تحریک کے کردار کا مطالعہ کیا جائے جس نے ادب کو معاشرے کی تبدیلی کے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرتے ہوئے خواتین کے حقوق کے لیے آواز بلند کی۔ یہ ماہنامہ سو سال سے باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ مگر اسے ادب کی بدقسمتی یا نقادوں کی بے اعتنائی کہیے کہ اس ماہنامے پر باقاعدہ کوئی تحقیقی کام نہیں کیا گیا۔ بالواسطہ طور پر دیکھا جائے تو کچھ لوگوں نے اس کے منتخب مضامین شائع کر دیے یا علامہ راشد الخیری پر تحقیق کرتے ہوئے اس کا سرسری ذکر بھی کر دیا مگر اس کے مشمولات پر کوئی جامع تحقیقی کام نہیں نظر آتا۔

میری اس کتاب کے چار ابواب ہیں۔ پہلے باب میں ماہنامہ "عصمت" کی پاکستان منتقلی سے پہلے دور کا مختصر مطالعہ شامل ہے اور پاکستانی پچاس سالوں کا اجمالی جائزہ بھی اس حصے میں موجود

ہے۔ دوسرے باب میں پاکستانی دور کے مشمولات میں سے غیر افسانوی نثر کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں افسانوی نثر اور چوتھے باب میں ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والی شاعری پر بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ جس میں ایک جدول کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ ماہنامہ "عصمت" کا کس سال کا کون سا شمارہ کس جگہ دستیاب ہے۔ یہ کتاب میری ایک طالب علمانہ کوشش ہے۔ اس کوشش میں مجھے کتنی کامیابی حاصل ہوئی اس کا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں۔

میں اپنی مشفق و مہربان اور قابل صد احترام استاد محترمہ ڈاکٹر نجیبہ عارف کی بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی اور یہ کتاب مکمل کرنے کے لیے میرا حوصلہ بڑھایا۔ محترمہ ڈاکٹر تنظیم الفردوس صاحبہ (شعبہ اُردو کراچی یونیورسٹی) اور ان کے خاندان کے لیے بہت سی دعائیں اور نیک تمنائیں کہ انھوں نے کراچی میں میری ہر مشکل کو آسان بنایا۔ ڈاکٹر محترم داؤد عثمانی کا خصوصی شکریہ کہ انھوں نے اپنی ذاتی لائبریری سے نہ صرف عصمت کا پہلا شمارہ مہیا کیا۔ بلکہ عصمت بکڈپو تک رہنمائی بھی کی۔ اور اپنے تعاون کی بدولت ماہنامہ "عصمت" کے شماروں تک رسائی میں مدد فراہم کی۔

اپنے بھائی کی بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے صرف مجھے اس مقام تک لایا کہ میں یہ تحقیق کر سکوں بلکہ مواد تک رسائی کے لیے کراچی اور ہر اس جگہ پہنچنے میں میری مدد کی جہاں شاید میری پہنچ نہ ہوتی۔ انھی کی خصوصی توجہ سے میری یہ تحقیق کتاب کی صورت میں سامنے آئی۔ ایک بار پھر ان کا بہت شکریہ۔

ڈاکٹر نعیمہ بی بی

باب اوّل

ماہنامہ "عصمت": پہلا دور - آغاز تا قیام پاکستان

۱-ماہنامہ "عصمت" کا اجرا۔

ماہنامہ "عصمت" جون ۱۹۰۸ء میں مخزن پریس دہلی سے شائع ہونا شروع ہوا-ماہنامہ "عصمت" کے اجرا سے قبل دہلی میں شیخ محمد اکرام کی سربراہی میں "مخزن" نکل رہا تھا-رازق الخیری کے مطابق "مخزن" کی اشاعت کے دوران خیال آیا کہ ایک رسالہ ایسا بھی نکالا جائے جو عورتوں کے حق میں آواز اٹھائے اور اس میں علامہ راشد الخیری ایسے مضامین لکھیں جو خاص طور سے خواتین کے لیے موزوں ہوں-عورتیں ان مضامین کو دلچسپی سے پڑھیں اور عورتوں کو ان کے حقوق سے آگاہی ہو سکے-چنانچہ ماہنامہ "عصمت" کا اجرا کیا گیا-اس ماہنامے کا نام "عصمت" علامہ راشد الخیری نے تجویز کیا تھا-[۱]

رازق الخیری "عصمت کی کہانی" میں اس بات پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آخر "مخزن" کے ہوتے ہوئے ماہنامہ "عصمت" کے اجرا کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ان کے نزدیک مخزن میں علامہ راشد الخیری کے جو مضامین شائع ہو رہے تھے، وہ مستورات کی حمایت کرنے کی وجہ سے خاصے مقبول ہو چکے تھے لہٰذا چند پڑھی لکھی اور باشعور خواتین نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر "مخزن" کی طرح کا ایک رسالہ خواتین کی ترجمانی کے لیے بھی نکالا جائے تو وہ خواتین کے مسائل اور افکار و خیالات کی بہتر ترجمانی کر سکے گا-ان دنوں شیخ عبد القادر بیرسٹری میں مصروف تھے اور علامہ راشد الخیری سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے یہ ماہنامہ خود نہیں نکال سکتے تھے-اس لیے یہ ذمہ داری بھی شیخ محمد اکرام نے اپنے سر لے لی اور ان کی سربراہی میں پہلا شمارہ اس شان سے نکلا کہ تعلیم یافتہ مستورات اس کو دیکھ کے دنگ رہ گئیں-[۲] ماہنامہ "عصمت" کا آغاز ہی خواتین کے لیے کیا گیا-

۲:-اغراض و مقاصد-

ماہنامہ "عصمت" کے اجرا کا بنیادی مقصد خواتین میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنا تھا-
مارچ ۱۹۰۸ء میں "مخزن" کے شمارے میں "عصمت" کے مندرجات شائع ہوئے تھے اس میں ترتیب
مضامین اور اس رسالے کو شائع کرنے کے مقاصد بیان کیے گئے تھے-یہ مقاصد حسب ذیل تھے-

۱-حرم کی حرمت قائم رکھنا-

۲-عالم نسواں کی ترقی-

۳-تعلیم نسواں کی حمایت-

۴-معلومات عامہ یعنی پردہ نشین خواتین کے لیے کبھی کبھی مشہور مقامات کے مختصر حالات مع تصاویر-

۵-معلومات خاصہ یعنی ایسے مضامین جو مستورات کے لیے مفید ہیں-خواتین کو ان کے حقوق کی آگاہی دینا-

۶-مضامین علمی ،ادبی ، تاریخی، معاشرتی،سوشل مضامین، سلیس معنی خیز نظمیں، مستورات سے مخصوص خبروں کا خلاصہ اور دیگر ضروری مضامین کا اقتباس اور ترجمہ-

۷-زنانہ لٹریچر کو وسعت دینا-

۸-غیر مسلم بیبیوں سے بھی مضامین حاصل کرنا-

۹-جواب طلب استفسارات کا بشرط گنجائش اندراج-

اس مضمون میں یہ بھی کہا گیا کہ جو صاحبان اس کی قلمی اعانت کرنا چاہیں انھیں اپنے مضامین میں زبان کی سادگی اور سلاست کو ملحوظ رکھنا ہوگا—خواہ وہ نظم ہو یا نثر-اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ یہ پرچہ شریف بیبیوں اور کنواری لڑکیوں کے لیے شائع کیا جائے گا-[۳]

ماہنامہ "عصمت" نے ابتدا ہی سے حقوق نسواں اور آزادیٔ نسواں کے لیے آواز بلند کی-اس دور میں پڑھی لکھی خواتین کم تھیں مگر آہستہ آہستہ ان میں ترقی کا شعور بیدار ہو رہا تھا-ماہنامہ "عصمت

"کا مقصد ان خواتین کی ترقی کی خواہش کو عملی طور پر پورا کرنا تھا۔ اس زمانے میں لکھنے والی خواتین گنتی کی تھیں اس کے باوجود ماہنامہ "عصمت" نے اپنے مقاصد کو پانے کے لیے شدید جدوجہد اور کوشش کی چوں کہ زیادہ تر خواتین ابھی پڑھنا لکھنا نہیں جانتی تھیں اس لیے ماہنامہ "عصمت" کے ابتدائی دور میں علامہ راشد الخیری فرضی ناموں سے مضمون لکھتے رہے - یہ مضامین زنانہ ناموں سے شائع ہوتے رہے ۔ رازق الخیری مختلف ناموں سے ان مضامین کی اشاعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مضامین فرضی ناموں سے شائع کرنے کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ ایک ہی شخص کے نام سے چھ چھ سات سات مضامین کچھ بھلے نہ لگتے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ علامہ راشد الخیری نے کسی مضمون کو "ج بیگم" کسی کو "ص بیگم" اور کسی کو "احمد النساء" وغیرہ کے فرضی ناموں سے اس لیے شائع کیا کہ عورتوں کو ایسے ایسے سیدھے سادے مضامین پڑھ کر خود بھی کچھ لکھنے کی ہمت ہو - مثلاً برتنوں کی صفائی پر دو صفحے کا ایک مضمون اس طرح تحریر کیا کہ ایک لڑکی دوسری لڑکی کو بتارہی ہے کہ برتنوں کی صفائی کیسے بہتر کی جاسکتی ہے؟ اس صفائی سے کیا کیا فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں؟ اور مختلف گھروں میں صفائی کے کون کون سے طریقے مروج ہیں؟ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد کئی لڑکیوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسا مضمون ہم بھی لکھ سکتے ہیں - اس طرح بہت سے عنوانات پر خواتین کو مضامین لکھنے کی تحریک ملی اور خود ان کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ وہ بھی ایسے ہی مضامین تحریر کریں -"[۴]

اس طرح ماہنامہ "عصمت" کا اصلاح نسواں کا مقصد کسی نہ کسی طرح پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ اس ماہنامے کو تحریک اصلاح نسواں کی بنیاد کہا جانے لگا - اس ماہنامے نے ایک بڑی تعداد ایسی خواتین کی پیدا کی جنھوں نے آگے چل کر علم و ادب میں اپنے نام کے جھنڈے گاڑے۔

۳:- مرد مصنفین:-

ماہنامہ "عصمت" کی اشاعت کا مقصد خواتین کی فلاح و بہبود تھا۔ لیکن چوں کہ یہ ماہنامہ ایسے وقت میں شائع ہوا جب بر عظیم میں اہل قلم خواتین انتہائی قلیل تعداد میں تھیں اس لیے ابتدائی دور کے

CamScanner

مصنفین میں ایک بڑی تعداد مرد حضرات کی تھی۔ ان میں علامہ راشد الخیری، سر عبد القادر، حکیم ناصر، نذیر فراق دہلوی، مولوی سید احمد، منشی ذکاء اللہ مرحوم، سید راحت حسین، پروفیسر ستار خیری، ڈاکٹر نصیر الدین احمد، مولوی محمد ظفر صاحب، لالہ تلوک چند محروم، سید راحت حسین، ڈاکٹر سعید احمد بریلوی، مولوی عبد الغفار الخیری، منشی پریم چند، مرزا فرحت اللہ بیگ، پروفیسر علی عباس حسینی، حضرت آغا قزلباش دہلوی، مولانا صدیقی، ڈاکٹر اعظم کریوی، حضرت امداد عظیم آبادی، حضرت عشرت لکھنوی، مولوی نصیر الدین ہاشمی، ضیاء الدین احمد برنی، مولانا اسد اشرفی عرشی دہلوی، مولوی عبد الغفور خان صاحب، حضرت امام اکبر آبادی، جے آر رائے صاحب، پروفیسر طاہر رضوی، حضرت محمود اسرائیلی، مرزا عظیم بیگ چغتائی، پروفیسر طاہر جمیل، مرزا عثمان اشرف گورگانی، قاری محمد عباس، سید ابو تمیم صاحب فرید آبادی، صاحبزادہ ولی خان، سید محمود الحسن صدیقی، مولوی عبد الحئ صاحب، مولوی عبد الرحمان کاکوروی، سید رضا احمد جعفری، مولوی عشرت صاحب جمالی، تقی علی، سید مغنی الدین شمسی، مصباح الدین، سید ابو طاہر داؤد، ڈاکٹر ممتاز حسین، مولوی اقبال احمد، ماسٹر نعمت اللہ، خواجہ عشرت لکھنوی، پیرزادہ عبد الرشید، سجاد حیدر یلدرم، منشی ہدایت اللہ خان، رشید امرتسری، سید علی حیدر زیدی، کنور عنایت علی خاں، پیارے لال شاکر، پروفیسر مشتاق احمد زاہدی، سید خورشید علی، سید علی بلگرامی یہ وہ مرد حضرات تھے جنھوں نے ابتدائی دور کے ماہناموں میں تسلسل کے ساتھ مضامین تحریر کیے۔ ان مضامین نگاروں کے علاوہ بہت سے شعرا کا کلام بھی ماہنامہ "عصمت" کی زینت بنا۔ ان شعرا میں سرور جہاں آبادی، بالک رام شاد، مولوی محمد اسماعیل میرٹھی، مولوی احمد علی شوق قدوائی، مولوی علی حیدر طباطبائی، مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی، ڈاکٹر اقبال، اکبر الہ آبادی، سید علمدار حسین واسطی، خواجہ دل محمد، مولوی بدر الدین سیوہاری، عشرت لکھنوی، منشی تلوک چند محروم، مولوی احتشام الدین، مولوی خان شیروانی، امداد عظیم آبادی، حامد حسن قادری، شاد عظیم آبادی، حافظ اسد حسین عرشی، ارشد تھانوی، منشی عبد الخالق خلیق دہلوی، قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی، منشی سورج

نرائن مل، مہاراج بہادر برق، اثر میرٹھی، محمد یعقوب اوج گیاوی، بلالی شاہ، جگر مراد آبادی، عبدالخالق نہال، امجد حیدر آبادی، عبداللہ خان، تپش خورجوی، منشی دوار کا پرشاد افق، فراق دہلوی، آغا شاعر قزلباش دہلوی، چودھری خوشی محمد ناظر، تمکین کاظمی، محشر عابدی، احسن مارہروی، نواب سائل دہلوی، جوش ملیح آبادی، پنڈت ساحر دہلوی، خان احمد حسین، نواب فصاحت جنگ جلیل، اختر شیرانی، پنڈت اندرجیت شرما، بصیر صدیقی بدایونی، ثاقب کان پوری، ماہر القادری، شفیق جونپوری، سیماب اکبر آبادی، حسین جام نوائی، مولوی احتشام الدین، عبدالمجید بھٹی، شجاعت سندیلوی، منظر صدیقی، عبدالعزیز فطرت، وقار واثقی، طرفہ قریشی، ضمیر جعفری، جبریل، کوکب شادانی، نازش پرتاب گڑھی، یکتا امروہوی، روشن لکھنوی، مرغوب صدیقی شامل ہیں۔ ان میں سے بیشتر شعرا اپنے وقت کے اہم اور معروف شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں پیش کردہ افکار و خیالات نے نہ صرف معاشرے کو متاثر کیا بلکہ ان کی شاعری نے بیداریٔ نسواں میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان شعرا نے اپنی نظموں کے ذریعے خواتین کو تحریک دلائی کہ وہ تعلیم حاصل کریں اور معاشرے میں مرد کے دوش بدوش اپنا کردار بھی ادا کریں۔ ان کی تمام نظمیں اصلاحی اور مقصدی نظر آتی ہیں۔ ماہنامہ "عصمت" کے یہ پہلے دور کی شاعری خالصتاً مقصدی ادب کی ترجمان نظر آتی ہے۔

۴:۔ خواتین مصنفین:۔

ماہنامہ "عصمت" کے پہلے شمارے جون ۱۹۰۸ء پر نظر دوڑائیں تو صرف ایک خاتون کا مضمون نظر آتا ہے۔ لیکن اس کے بعد کے شماروں پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ خواتین اہل قلم کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں لکھنے والی معروف اور غیر معروف خواتین میں سیدہ امجہر یہ ٹونک، بنت نذر الباقر (نظر سجاد حیدر)، محترمہ سلطان بیگم، سیدہ پٹنہ، خجستہ اختر بانو سہروردیہ بیگم، ڈاکٹر شائستہ سہروردی، برج کماری، بیگم خدیو جنگ، زہرہ فیضی، عطیہ فیضی، حامدہ بیگم الخیری، بنت حفیظ اللہ بیگم، مسز مجیب الرحمن، رابعہ بیگم، محترمہ آبرو بیگم (ہمشیرہ مولانا ابوالکلام آزاد)، محترمہ زہرا

مرادآبادی، مسز عبداللہ، فیروزہ سراج الدین، ہزہائنس بیگم، مسز امیر الدین طیب، بیگم ممتاز اللہ، بلقیس جہاں، رابعہ سلطان بیگم، بیگم شیخ علی، صغرا ہمایوں مرزا، مسز آغا یاور علی، مسز زماں مہدی، مسز احمد سعید، بنت محبوب عالم، بنت رمضان علی، مسز زاہدی، احمد النساء بیگم، تراب النساء، بیگم قادریہ، رقیہ بیگم، فاطمہ عالیہ بیگم، ہمشیرہ یوسف الزماں، مس عبا سیٹھ، م ف بیگم، مسز محمد عبدالحفیظ، خواہر قطب الدین، شاہ بانو بیگم آف بھوپال، مسز خواجہ علی احمد، مسز علی اکبر، عباسی بیگم، رضیہ مسعود الحسن، دروپدی دیوی، محترمہ سہیل النساء خاتون، جہاں بانو بیگم، مس ابو رضا، لطیف بیگم، مس محمد یونس، قیصری بیگم، مسز عبدالرافع، اہلیہ محمد کاظم بلگرامی، ام الحلیمہ مریم، نجمہ امتیاز، قراۃ العین، زہرہ سلطانہ، امتہ الوہاب، امتہ الحمید خانم، صالحہ عابد حسین، آمنہ نازلی، ب۔ن ابراہیم، ام عاصمہ، شرافت بیگم، نزہت بیگم، کستوری بیگم، شمسہ خانم، شمع عطیہ سعید، اسما سعید، کنیز فاطمہ، محترمہ ظفر جہاں، سعیدہ ضمیرالدین، امت الوحی، رابعہ پنہاں، نوشابہ خاتون، محمدی بیگم، نشاط افزا، تہذیب النساء، رضیہ سلطانہ، سکینہ عبید، مسز برلاس، ارجمند بانو، گوہر اقبال، زبیدہ زریں، نصرت نشاط، صفیہ شمیم ملیح آبادی، زہرہ ہاشمی، قیصر جہاں بدایونی، زیب عثمانیہ، وحیدہ عزیز، نرملا دیوی، جمیلہ پروین، حمیرا ثاقب، صفیہ نقوی، بلقیس عصمت شفیع، نصیرہ سلطان نرگس، سلمٰی فیاض علی، قیصر جہاں نظامی، معتصمہ الرحمٰن، فاطمہ بلقیس بانو، شفیق بانو، بیگم یاسین قریشی، آصفہ مجیب، سیدہ قانتہ بیگم، کنیز فاطمہ، ثریا سلیم، عابدہ معین، بیگم کشور جہاں حمیدی، ہرمزی جمیل، مشیر فاطمہ، مسز آغا صابر، رئیس طاعت، عطیہ نازلی، نسیم نصرت اور بہت سی دوسری اہل قلم خواتین اس میں شامل ہیں۔ انھوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے خواتین میں فکرو شعور بیدار کرنے میں مدد دی۔ نثر نگار خواتین کے علاوہ ماہنامہ "عصمت" نے خواتین شاعرات کی ایک بڑی جماعت پیدا کی۔ ان خواتین میں ز۔خ۔ش (زاہدہ خاتون شیر وانیہ)، منجھو بیگم لکھنوی، محترمہ زہرہ اختر، انوری بیگم، بلقیس بیگم، ایس اصغری بیگم، نواب قمر جہاں، بغدادی بیگم، صفیہ بیگم، قمر حیدرآباد، ممتاز رفیع بیگم، رئیسہ خاتون، بشیر النساء، خورشید اقبال، زیب لدھیانوی، سکینہ محمود، نجمہ

تصدق ، نور جہاں نور، سیدہ انیس زہرہ، حیا لکھنوی، کنیز فاطمہ ، نیئر جہاں، شعاع دہلوی، ح۔خ۔ مخفی، سیدہ اختر، تیمور جہاں حجاب دہلوی، جلیلہ خاتون، انور جہاں، افسر النساء، رقیہ خاتون لکھنوی، آمنہ عفت، نوشابہ مسولی، سعیدہ ثریا، ساجدہ منشی فاضل، عفت بانو عباسی، ظفر محمودہ دانش، بیگم رفعت صدیقی، حمیرا خاتون شامل ہیں۔ ان خواتین میں سے بیشتر کا تعلق طبقہ اشرافیہ سے تھا اور اپنے اعلیٰ خاندانی پس منظر کے باعث انھیں رسمی یا غیر رسمی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع میسر تھے۔ ان خواتین نے بہت قلیل وقت میں عمدہ اور معیاری نظمیں تخلیق کیں۔ انھوں نے ہر صنف میں طبع آزمائی کرتے ہوئے خواتین کی بہترین نمائندگی کی۔

۵:- نمایاں موضوعات ورجحانات:-

ماہنامہ "عصمت" ایک معاشرتی اور اصلاحی رسالہ تھا اور اس کے اجرا کا مقصد خواتین میں بیداری پیدا کرنا تھا۔ لہٰذا اس میں شائع ہونے والے مضامین کی زبان اتنی سادہ، سلیس اور عام فہم تھی کہ نیم خواندہ خواتین بھی ان کا مطلب آسانی سے سمجھ لیتی تھیں۔ حتیٰ کہ ان پڑھ خواتین بھی سن کر ان کا مطلب سمجھ سکتی تھیں۔ جن موضوعات کا انتخاب مضمون کے لیے کیا جاتا ان میں بہت تنوع تھا۔ ہر طرح کے دینی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی، اور سماجی موضوعات پر مضامین تحریر کیے گئے۔ ان موضوعات پر معلومات پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ جن موضوعات پر ماہنامہ "عصمت" (۱۹۰۸ء سے ۱۹۴۷ء تک) میں سب سے زیادہ مضامین لکھے گئے ، ان میں عورتوں کی تعلیم و تربیت، خانہ داری، الوان نعمت، سیر یورپ، عورتوں کے من گھڑت مسئلے، بچوں کا رکھ رکھاؤ، بیماری اور تیمارداری، سوکن کا جلاپا، آفرینش الٰہی کی حکایات، زنانہ دستکاری، مہذب گھر، شمرو کی بیگم، بچوں کی پرورش، سلائی کٹائی، بچپن کی شادی، شادی کی عمر، بیوہ کی شادی، نارضامندی کی شادی، شادی پر شادی، سول میرج، پسند کی شادی، شوہر کا انتخاب، داماد کا انتخاب، رشتوں کا انتخاب، جہیز، طلاق، مہر، خلع، جہیز کی رونمائی، پردہ اور شادی، شادی کی ناکامی کی وجوہات، رشتوں کی کمی، رشتہ کرتے وقت سسرالیوں کی

تحقیق، تنسیخ نکاح، تباہ کن رشتے، ساس بہو کے جھگڑے، مال و دولت اور زر و ہوس، شادی کی رسمیں، مخلوط شادی، شرعی شادی، اسلام اور معاشرہ، اخلاقیات، رسومات، علم، ادب ، فن، سیاست، سیاسی پارٹیاں اور معاشرے پر اثرات مثلاً کانگرس اور مسلم لیگ، پاکستان، سیاست ہند، عورتیں اور سیاست، مخلوط یا جداگانہ ریاست، سیاسی تحریکیں اور خواتین کا کردار، زنانہ انجمنیں، ہوائی حملے، ہوائی حملوں سے بچاؤ کی تدابیر، جنگ کا خاتمہ، ایٹم بم، جنگ کے بعد جاپان اور جرمنی، روس اور جرمنی، نسوانی نصاب تعلیم، ہاسٹل میں رہنا، فیشن اور بال کتروانا، آج کل کی سوسائٹی، اُردو کی تبلیغ، رسمی پردہ، طریقہ تعلیم، ذریعہ تعلیم، مشنریوں کی صحبت، گداگری، قومی لباس، عورتیں اور ادب، اہل قلم خواتین، منگیتر سے خط و کتابت اور بہت سے دوسرے موضوعات پر خامہ فرسائی کی گئی جن کا تعلق ہر شعبۂ زندگی سے تھا۔ موضوعات پر نظر ڈالیں تو اس دور کے مجموعی رجحانات میں سب سے اہم رجحان عورتوں کی تعلیم و تربیت اور عورت سے متعلق مضامین تحریر کرنا تھا۔ خود ماہنامہ "عصمت" کو شائع کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ خواتین میں بیداری اور ان کی صنف کے حوالے سے شعور پیدا کیا جائے۔ اس کو پڑھنے والی خواتین باحیا مسلمان بیویاں بنیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ماہنامہ "عصمت" نے پوری کوشش کی اور اس طرح کے مضامین شائع کیے جن کے ذریعے وہ نہ صرف تعلیم کے فوائد سے آگاہ ہوئیں بلکہ انھیں ان کے حقوق سے بھی آشنا کیا گیا۔

ماہنامہ "عصمت" میں ایسی خواتین کی زندگیوں کے حالات و واقعات درج کیے گئے جن کی پیروی اچھی اور مثالی خاتون بننے میں مدو معاون ہو سکتی ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں یہ رجحان واضح نظر آیا کہ تمام مضامین اسلامی شعار اور رسم ورواج کے مطابق لکھے گئے۔ جو اسلامی معاشرے کی نمائندگی کر سکیں۔

مسلمان عورت اور مرد کی طرز زندگی اور اسلامی معاشرے اوراسلامی قانون پر مضامین لکھے گئے۔ ان مضامین میں عورت کو بتایا گیا کہ وہ کون سے امور ہیں جن پر عمل کر کے، کن باتوں سے اجتناب کر کے خواتین اچھی مسلمان خاتون کی سی زندگی بسر کر سکتی ہیں۔

ماہنامہ "عصمت" میں جہاں اسلامی موضوعات پر لکھنے کا رجحان عام رہا وہیں اسلام اور سائنس سے متعلق بہت سے مضامین شائع کر کے خواتین اور عام افراد کو سائنسی اور فنی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی۔ متنوع مضامین کے ذریعے یہ بتایا گیا کہ اسلام سائنس سے متصادم اور متضاد نہیں ہے۔ بلکہ عملی و فکری اعتبار سے آگے بڑھنے کا پیغام دیتا ہے۔ مختلف مضامین میں اس بات کے حق میں دلائل دیے گئے اور کہا گیا کہ مذہب اسلام سائنس کی ترقی سے کمزور نہیں ہوتا۔ بلکہ اسلامی اصول اس سے اور مضبوط اور پائیدار بنتے ہیں۔ اسلام ترقی کے منافی نہیں ہے۔ البتہ اسلام یورپ کی رنگین اور حیا سوز تہذیب کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام سائنس کو رد نہیں کرتا۔ اسلام حیا کو عورت کے لیے لازمی قرار دیتا ہے۔

ماہنامہ "عصمت" کے پہلے دور میں وقت اور حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ موضوعات میں نہ صرف تنوع آگیا بلکہ رجحانات بھی بدلتے چلے گئے۔ پہلے عورتوں اور عورتوں کی تعلیم، معاشرتی موضوعات، خانگی زندگی کے بارے میں مضامین، شادی اور اس کے متعلقہ تمام امور پر مضامین لکھے گئے۔ شادی کے بعد معاشرے میں عورت کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس پر بھی بہت کچھ تحریر کیا گیا۔

ابتدائی دور کے شماروں کو دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ ماہنامہ "عصمت" خواتین کو خانہ داری اور گھریلو امور سکھانے کے ساتھ ساتھ اور بہت سی معلومات فراہم کر رہا تھا۔ یہ ماہنامہ محض اصلاح معاشرت اور تمدن کی غرض سے نہیں نکالا گیا تھا بلکہ اس کا مقصد قوم کی فلاح و بہبود تھا۔ اور وہ صرف فلاح و بہبود کا کام ہی نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ اس بات کی آگاہی بھی دے رہا تھا کہ عالم اسلام اور ہندوستان میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔

۱۹۱۱ء میں جب دلی میں جارج شاہ پنجم کا دربار ہوا تو ماہنامہ "عصمت" نے اس کے متعلق باتصاویر مضامین شائع کر کے پردہ نشین خواتین کو دہلی کی سیر کروائی۔ وائسرائے پر بم پھینکا گیا تو اس کے بارے میں مضامین شائع کر کے اس کی مذمت کی۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سلسلے میں مرحومہ بیگم بھوپال اور دوسرے ذمہ دار افراد کی تقریریں اور مختلف مقامات کی لیڈیز کلب کی تصاویر شائع ہوئیں۔ مسلم یونیورسٹی کے قیام کے لیے بہت سے مضامین لکھے گئے۔ ہندوستان میں سیاسی ہلچل کے ساتھ ساتھ ۱۹۰۹ء میں ترکی میں انقلاب آیا اور سلطان المعظم عبدالحمید خاں کو خلافت سے معزول کیا گیا تو ماہنامہ "عصمت" نے اس موقع پر انتہائی درد انگیز مضامین شائع کیے گئے۔ ۱۹۱۱ء میں جب اطالیہ نے طرابلس کے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا تو اس پر بھی بہت پر اثر مضامین تحریر کیے گئے۔ ۱۹۱۲ء میں جب جنگ بلقان شروع ہوئی اور عیسائیوں نے سلطنت عثمانیہ پر حملہ کیا تو ماہنامہ "عصمت" نے اپنے مضامین میں نہ صرف اس کی مذمت کی بلکہ مسلمان خواتین کو یہ تجاویز بھی پیش کیں کہ وہ دل کھول کے ان کے لیے زکوۃ، خیرات، اور چندے دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ملکی سیاحت اور تحریک پاکستان کو بہت نمایاں کیا گیا۔ قائداعظم اور مسلم لیگ کی حمایت اور طرز حکومت کے بارے میں مضامین تحریر کیے گئے۔ غرض لمحہ لمحہ بدلتی سیاسی و معاشرتی صورت حال پر ہر طرح کے مضامین لکھے گئے۔ ماہنامہ "عصمت" نہ صرف اپنے وقت کا بلکہ بعد کے زمانے کا بھی پسندیدہ اور مقبول ماہنامہ تھا۔ قراۃ العین حیدر لکھتی ہیں۔

> "عصمت" ہمارے ملک کی سماجی تاریخ میں ایک بے حد اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ زمانہ صحافت کا موثر اور زبر دست انسٹولیشن "عصمت" اور "تہذیب نسواں" جیسے رسالوں کا ہی مرہون منت ہے۔ ۵

ماہنامہ "عصمت" کی اشاعت سے ہندوستانی معاشرے میں تبدیلی کا رجحان پیدا ہوا۔ اس کو پڑھنے والوں کے گھروں میں ذہنی انقلاب آنا شروع ہوا۔ عورتوں کو ان کے فرائض کا احساس ہونا شروع

ہوا۔ عورتوں کی مصیبت اور تکالیف پر مردوں کا دل پسیجنے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ماہنامے نے تعلیم نسواں کی حمایت کی اور ان کے اندر ایک سلیقہ اور ہنر پیدا کر دیا۔

٦۔ ماہنامہ "عصمت" کا پہلا شمارہ: منشور کا اعلامیہ:۔

ماہنامہ "عصمت" کا پہلا شمارہ جون ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ جس کے سر ورق پر تاج محل کی خوبصورت تصویر شائع کی گئی۔ جو گھر بیٹھی خواتین کے لیے بہت دلکش اور جاذب نظر تھی۔ اس شمارے کے مندرجات کی فہرست درج ذیل ہے۔" عصمت"، "ہمارا تعلیمی نصاب"، "ہماری موجودہ تعلیم"، "تعلیم وتربیت"، "گھر کی صفائی"، " شہرت کی خواہش"، "اخبار ورسائل"، "عصمت کا خیر مقدم"، " ایک دلچسپ مکالمہ"، "بچوں کا رکھ رکھاؤ"، "نند کا خط بھاوج کے نام"، "روضۂ تاج محل"، "عصمت میں نظمیں کیسی ہوں گی؟"، "شمع اور پروانہ"، "پیاری بہنوں"، "کیڑا"، "بزم عصمت"، "عصمت کا پراسپیکٹس"۔

اس شمارے کا سب سے پہلا مضمون "عصمت" کے عنوان سے لکھا گیا جس میں اس ماہنامے کے عنوان کے متعلق وضاحت کی گئی ہے۔ اڈیٹر ماہنامہ "عصمت" کہتے ہیں کہ اس ماہنامے کا نام "عصمت" اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ شریف بیبیوں کے لیے عصمت بہت بڑا زیور ہے۔ عورت کے لیے کوئی چیز اس سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتی۔ عورت کے پاس حسن سیرت اور زیور عصمت دونوں کا ہونا از حد ضروری ہے۔ ایسی عورت جس کے پاس عزت و عصمت ہو وہ ماں باپ کے لیے سرمایہ، شوہر کے لیے باعث عزت اور بچوں کے لیے باعث فخر ہوتی ہے۔ اس لیے اس ماہنامے کا نام، جو ہندوستان کی عورتوں کی ترقی اور فلاح کے لیے نکالا گیا ہے اور جس کا مقصد شریف بیٹیوں کی ترقی اور ان کی فلاح و بہبود ہے، "عصمت" ہی موزوں اور مناسب تھا۔ یہ نام عورتوں کو ان کی بہترین صفت عصمت سے ہمیشہ واقف رکھے گا اور وہ خواتین جو اس ماہنامے کا مطالعہ کریں گی۔ اس ماہنامے کی صورت میں ہمیشہ اپنی عفت کا پاس رکھیں گی۔[٦]

پہلے شمارے میں علامہ راشد الخیری کے نام سے صرف ایک مضمون "نند کا خط بھاوج کے نام" سے شائع ہوا۔ جس میں علامہ راشد الخیری صاحب نے نند کی زبانی بھاوج کے لیے نصیحت کی ہے کہ اس کو اپنی ساس کا خیال رکھنا چاہیے۔ نند کہتی ہے کہ کیا ساس اس دن کے لیے بیٹے کو پال پوس کر جوان کرتی ہے کہ بہو آئے اور آکر کتے کے ٹھیکرے میں اس کو پانی پلائے۔ خود کو دیکھو دو دو بیٹوں کی ماں ہو۔ ایک دن تم کو بھی ساس بننا ہے۔ لہٰذا خدا سے ڈرنا چاہیے۔ اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔ جیسی تم نے ساس کی مٹی پلید کی ہے خدا دشمن کی بھی نہ کرے۔ اس مضمون میں ساس بہو کے جھگڑے اور ساس بہو کے تعلقات کے متعلق بہت موئثر انداز میں بحث کی گئی ہے۔ ۷

سیدہ المجھریہ ٹونک کا مضمون "ہمارا تعلیمی نصاب" کافی مدلل ہے اس مضمون کے شروع میں یہ نوٹ لکھا ہے کہ یہ مضمون ٹونک کے ایک شریف خاندان کی خاتون نے عنایت کیا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب سے پہلا مضمون ہے جو عصمت کے اعلان کے شائع ہونے کے ساتھ ہی موصول ہو گیا تھا اور اس کو لکھنے والی وہ پہلی خاتون ہیں جس نے اس ماہنامہ "عصمت" کی ضرورت پر زور دیا۔ اپنے مضمون میں انھوں نے نصاب کی تشکیل پر زور دیتے ہوئے کہا کہ نصاب ہر شعبۂ زندگی پر محیط ہونا چاہیے۔ اس نصاب میں مذہبی تعلیم کی گنجائش ہو۔ زبانی و انشاء پردازی، ضروری حساب کتاب، مختصر دلچسپ معلومات، تاریخی اصول، ترقی و حفظان صحت، اصول تربیت اولاد، اصول خانہ داری، دستکاری و سوزن کاری، اصول معاشرت ان تمام مضامین کو کسی نہ کسی صورت میں نصاب لازمی شامل ہونا چاہیے۔ ۸

پہلے شمارے میں "اخبار و رسائل" کے عنوان سے ایک مضمون خواتین کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے شائع ہوا۔ سکندر جہاں بیگم نے اس مضمون میں کہا کہ عورتوں کے ۔لیے تعلیم انتہائی ضروری ہے۔ اس تعلیم سے عورتوں میں شعور بڑھے گا۔ ان کی اخلاقی حالت درست ہو گی۔ عورتوں کے خیالات اعلیٰ و ارفع ہوں گے۔ تعلیم عورتوں کو مہذب بنانے میں اہم کردار ادا کرے گی۔ عورتوں کے لیے تعلیم

انتہائی ضروری ہے۔ مردوں کے لیے تو تعلیم و تہذیب کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں۔ مثلاً وہ انگریزی جانتے ہیں۔ انگریزی زبان میں بہت سی اخلاقی کتابیں، بہت سے مہذب اخبارات ورسائل ہیں مگر عورتوں کے لیے ان کی شدید کمی ہے۔ اس طرح خواتین کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے اس شمارے میں کافی مدلل مضامین شائع کیے گئے اور عورتوں کی تعلیم پر زور دیا گیا۔۹

اس شمارے میں صرف خواتین کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بات نہیں کی گئی بلکہ مردوں کے لیے اور عام عورتوں کے لیے اخلاقی مضامین بھی پیش کیے گئے۔ انہی میں سے ایک مضمون "شہرت" کے نام سے مسز عبد اللہ نے لکھا اور کہا کہ شہرت نام ونمود کے لیے نہیں ہوتی۔ ایک شہرت سچی ہوتی ہے اور ایک جھوٹی۔ جو لوگ خالص نیت سے بے غرض ہو کر اچھے کام کرتے ہیں۔ دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں ان کی شہرت ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہے۔ جو لوگ صرف نمود کے لیے کام کرتے ہیں ان کو پہلے تو بہت شہرت حاصل ہوتی ہے لیکن چند روز میں اس شہرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے جو لوگ شہرت کا خیال دل میں لائے بغیر کام کرتے ہیں وہی اصل شہرت حاصل کرتے ہیں۔۱۰

ان تمام مضامین کی زبان سادہ، سلیس اور رواں تھی۔ مشکل اور ادق الفاظ کی جگہ آسان اور عام فہم الفاظ کا استعمال کیا گیا۔ تشبیہات واستعارات اور محاورات کی جگہ سادگی کو اپنایا گیا۔ اور اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا گیا کہ مضامین کی زبان گھر بیٹھی خواتین کی سمجھ میں آسانی سے آسکے۔ اور وہ اس کے مطالب آسانی سے سمجھ سکیں۔ نثر کے بعد نظم کی جانب نظر دوڑائیں تو اس پہلے شمارے میں ہی ایک مضمون "عصمت میں نظمیں کیسی ہوں گی" کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ مضمون اڈیٹر کی جانب سے شائع کیا گیا۔ اس میں کہا گیا کہ نظمیں ایسی ہوں جن کو بچے اور نو عمر لڑکیاں آسانی سے پڑھ سکیں۔ انھیں یہ نظمیں پڑھنے کی آزادی ہو۔ یہ نظمیں سادہ، سلیس اور عام فہم زبان میں لکھی جائیں۔ اس میں گل و بلبل، زلف و سنبل، ساغر و دل جیسے استعارے نہ ہوں۔ طبقہ نسواں کے لیے چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھی جائیں۔ ان سب باتوں کی وجہ اڈیٹر نے یہ بتائی۔

CamScanner

اس احتیاط کی وجہ سے ایک ایسا ذخیرہ ادبیات کا ہماری زبان
میں موجود ہو جائے گا۔ جو ہمارے ہاں کم یاب ہے اور جہاں
کہیں ہے زیادہ رنگین کلام میں ملا ہوا ہے۔ ۱۱

اس میں یہ بھی کہا گیا کہ بیس سے زیادہ اشعار پر نظمیں نہ کہی جائیں۔ مقرر عنوان سے باہر نہ نکلا جائے۔ فطری موضوعات پر نظمیں کہی جائیں۔ ایسی نظموں کو شائع کیا جائے گا جو لڑکیوں اور عورتوں کے لیے مناسب اور موزوں ہو گا۔ اسی مناسبت سے دو نظمیں جون ۱۹۰۸ء کے شمارے میں شائع کی گئیں۔ ان میں سے ایک نظم منشی درگا سہائے کی نظم "پیاری بہنوں" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ جو عورت کی صلاحیت اور قابلیت کے متعلق ہے۔ انھوں نے اس نظم میں عورت کی خدمات کا اعتراف کر کے عورت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس نظم پر حالی کی معروف نظم "چپ کی داد" کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

ہر اک درد دکھ کا مداوا تمہیں ہو ، تمہیں چارہ گر ہو، مسیحا تمہیں ہو
مصیبت میں بپتا میں کام آنے والی شریک رنج و غم دنیا تمہیں ہو
نہ ہو تم تو تاریک ہے بزم ہستی اندھیرے گھروں کا اجالا تمہیں ہو
مجسم ہو تو تصویر تم نیکیوں کی حیا اور عصمت کا گہنا تمہیں ہو
تپش بھی ہے نور محبت بھی دل میں تمہیں شمع ہو اور پتنگا تمہیں ہو
مصیبت کی کٹتی ہیں گھڑیاں تمہیں سے کہ جینے کا دکھ میں سہارا
تمہیں ہو
جو غمخوار ہو تم تو غم بھی ہے شادی شب غم میں صبح تمنا تمہیں ہو ۱۲

دوسری نظم بالک رام شاد کی "کیڑا" تھی جو انگریزی سے ترجمہ کی گئی تھی۔ اس نظم میں انھوں نے کیڑے کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ

یہ غریب ننھا سا کیڑا ہے ذرا سا جس کا جیوڑا

تجھے جس نے ہے بنایا ہے اسی کی یہ بھی خالقت
نہ کچل سمجھ کے بے بس اے جلد چلنے والے
یہ روش نہیں ہے اچھی ہے خلاف آدمیت
یہ لہکنے والا سبزہ نہیں تیرا ہی ہنڈولا
انھیں رینگنے دے خوش خوش کہ ہے عمران کی تھوڑی
نہ مٹا توان کی ہستی کہ جو دم ہے غنیمت
کبھی بھول کر بھی ناداں نہ ہو ایسی جاں کا خواہاں
کہ نہ کر سکے اعادہ کبھی جس کا تیری طاقت [۱۳]

۷: پہلے دور کے مشمولات کا مجموعی مطالعہ:-

(حصہ نثر)

ماہنامہ "عصمت" ۱۹۰۸ء میں شروع ہوا۔ ۱۹۴۷ء تک شائع ہونے والے شماروں کے مشمولات پر مجموعی نظر ڈالی جائے تو سب سے زیادہ مضامین حتیٰ کہ نظمیں بھی عورت اور اس کے متعلقات (بچوں کی تعلیم و تربیت، گھریلو امور، عورتوں کی تعلیم و تربیت) پر تھیں جولائی ۱۹۰۸ء کے شمارے پر نظر دوڑائیں تو خجستہ اختر سہروردیہ کا مضمون ''مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس پورے مضمون میں انھوں نے حضور اکرم ﷺ کے بعد مسلمان عورتوں کی تعلیم و تربیت کا جائزہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے بڑے محققانہ انداز میں بیان کیا کہ خلفائے راشدین اور مابعد خلفائے راشدین عورت کی تعلیم کی طرف بھرپور توجہ کی گئی تھی۔ وہ بتاتی ہیں کہ جب لوگوں کا رجحان عورتوں کی تعلیم کی طرف منتقل ہوا تو بڑے بڑے مدارس قائم کیے گئے۔ صلاح الدین کی بہن خدیجہ یا زمرد خاتون نے ایک اعلیٰ زنانہ مدرسہ "المدرسہ الست الشام" یازمردیہ دمشق میں قائم کیا تھا۔ اس زمانے میں ایسا مدرسہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس نوعیت کا کوئی دوسرا زنانہ مدرسہ قائم نہیں کیا گیا تھا۔ اور

اس مدرسے کی خوش انتظامی ایسی تھی کہ اس کی مثال ملنا مشکل تھی۔ اس کے علاوہ دمشق میں بھی دو زنانہ مدارس کام کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک خلیفہ ناصر الدین اور دوسرا اصلاح الدین کی بھتیجی عذرا کا قائم کیا ہوا تھا۔ زینبیہ، علیہ، نوریہ، عزیہ جیسے مدارس بھی تھے۔ جن میں عورتوں کو تعلیم دی جا رہی تھی۔ نیز چھوٹے چھوٹے مقامات پر بھی مختلف مدارس قائم کیے گئے تھے۔ ۱۴؎

ماہنامہ "عصمت" عورتوں کی اصلاح وترقی کے لیے جاری کیا گیا اور اس کا اولین مقصد عورتوں کی تعلیم وتربیت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کی تعلیم وتربیت پر بہت کچھ لکھا گیا تا کہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ چل سکیں اور معاشرے کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ بہت سے مضامین میں یہ بات بھی دہرائی گئی کہ عورتوں کو ناقص العقل کہا جاتا ہے اور ان کو کم ذہن سمجھ کر تعلیم سے دور رکھا جاتا ہے۔ بعض گھرانے ایسے بھی ہیں جو پڑھے لکھے ہیں لیکن وہ بھی عورت کو گھر میں بیٹھنے کی چیز تصور کرتے ہیں اور ان کے لیے صرف مذہبی تعلیم کو کافی سمجھتے ہیں۔ مرد خود تو بی۔اے، ایم۔اے تک ڈگریاں لے لیتے ہیں لیکن خواتین کو بنیادی تعلیم بھی نہیں دی جاتی۔ پھر مردوں اور عورتوں کی عقل برابر کیسے ہو سکتی ہے؟ لہٰذا عورت کی تعلیم کی طرف توجہ دینے کے لیے نظام الدین صاحب اپنے مضمون "لڑکیوں کی تعلیم" میں لکھتے ہیں کہ لڑکیوں کو دنیا کے بارے میں خبر رکھنی چاہیے۔ اخبارات کا مطالعہ کرنا چاہیے تا کہ حالات سے باخبر رہا جائے۔ مسلمان دنیا میں کتنے ذلیل اور خوار ہو کر رہ گئے ہیں۔ اخبارات ان واقعات کی شاندار عکاسی کرتے ہیں۔ مسلمان دنیا میں کمتر اور ذلیل ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں جاہل ہیں ان کو تعلیم نہیں دلوائی جاتی۔ یہی تعلیمی پسماندگی ان کے بچوں کی اچھی پرورش میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اس طرح ان کے بچوں میں اعلیٰ اخلاق کی کمی رہ جاتی ہے۔ ۱۵؎

یہی وہ اسباب و محرکات تھے جن کو بنیاد بنا کر عورت کی تعلیم پر زور دیا گیا کیوں کہ ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کی شدید کمی ہے۔ بالخصوص مسلمانوں میں جنھوں نے پردہ کی نام نہاد پابندیاں لگا کر عورت کو گھر کی چار دیواری میں قید کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ عورت چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے بھی مرد

کی محتاج ہو کر رہ گئی ہے۔اس کے لیے تعلیم انتہائی ضروری ہے اور ایسا نصاب مرتب کیا جانا چاہیے جو لڑکیوں کو اچھی بیویاں اور اچھی مائیں بنا سکے۔ مسز یوسف الزماں لکھنؤ سے یہ نقطۂ نظر پیش کرتی ہیں کہ عورتوں کے لیے بنیادی تعلیم وہی ہو جو ان کو اچھی خانہ دار عورتیں بنا سکے کیوں کہ ابھی وہ زمانہ بہت دور ہے جب عورتیں اعلیٰ عہدوں کے لیے تعلیم حاصل کریں گی۔ابھی عورتوں کو امور خانہ داری، اصول حفظان صحت اور دیگر اسی قسم کی ضروری باتوں سے واقفیت ہو گی تو وہ اپنا بہت سا وقت بچا سکیں گی۔مرد بھی اپنا بہت سا وقت جو عورتوں کو سمجھانے میں صرف کرتے ہیں وہ بچا سکیں گے۔اس لیے عورتوں کے لیے تعلیم از حد ضروری ہے۔۱۶

اسی طرح ڈاکٹر نصیر الدین احمد نے ہندوستانی خواتین کے لیے درج ذیل نصاب تجویز کیا اور کہا کہ امور خانہ داری اور مذہبی تعلیم تو گھر میں بھی رہ کر حاصل کی جا سکتی ہے اور خانہ داری کا عملی تجربہ بھی گھر میں حاصل ہو سکتا ہے۔لہٰذا لڑکیوں کے لیے ابتدائی تعلیم میں اپنی زبان کی نوشت و خواند، معمولی حساب، حفظان صحت کے اصولوں کا علم،ووٹ اور اس کے بر وقت صحیح استعمال کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ ابتدائی تعلیم میں خانہ داری کا شامل کیا جانا ضروری نہیں کیوں کہ یہ تعلیم خواتین گھر میں بچیوں کو خود بھی دے سکتی ہیں۔۱۷

ماہنامہ "عصمت" میں جہاں خواتین کی تعلیم کے حوالے سے بات کی گئی وہیں خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ہنر بھی سیکھنے کی ترغیب دی گئی۔چوں کہ برعظیم پاک و ہند میں انگریزوں کی حکومت تھی اس لیے ان کی تہذیب کو سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ماہنامہ "عصمت" میں یہ رجحان واضح نظر آیا کہ ایسے مضامین کے ذریعے عورتوں کو انگریزوں سے میل جول اور مراسم بڑھانے کی تلقین کی گئی تا کہ وہ ان سے بہت کچھ سیکھ سکیں اور اپنی زندگی بہتر بنا سکیں۔ انگریز عورت کی زندگی کو مثالی عورت کی زندگی بنا کر پیش کیا گیا۔ بیگم ممتاز اللہ خان لکھتی ہیں کہ ہندوستانی عورتوں کو انگریز عورتوں سے مل کے دستکاری سیکھنی چاہیے۔ خانہ داری سے متعلق مفید معلومات انگریز عورتوں سے

حاصل کرنی چاہیے۔ انگریزوں کے بچوں کا رکھ رکھاؤ، ان کے گھر کی صفائی اور انتظام و انصرام، ان کے مکانوں کی آرائش، ہر چیز کے مناسب استعمال کا طریقہ کار یہ سب باتیں ہندوستانی عورت کے لیے اشد ضروری ہیں۔۱۸

اس قسم کے مضامین پر نو آبادیاتی حکومت کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ ماہنامہ "عصمت" میں صرف عورتوں کی دنیاوی تعلیم کے لیے ہی مدلل مضامین شائع نہیں کیے گئے بلکہ ایسے معلوماتی مضامین بھی تحریر کیے گئے جن کی اس وقت شدید ضرورت تھی۔ بنت عبدالحکیم لکھتی ہیں کہ ہندوستانی عورتوں کو صفائی کرنا بھی سیکھنا چاہیے۔ ہندوستانی لوگوں میں آنکھوں کا مرض اس لیے زیادہ ہوتا ہے کہ بعض کاہل الوجود بہنیں جو اپنی سستی کی وجہ سے اپنے بچوں کے منہ صاف نہیں رکھتیں اور کئی کئی روز بعد بچوں کو نہلاتی ہیں تو ایسے بچوں میں آنکھوں کا مرض بہت پیدا ہوتا ہے۔۱۹ اس کے علاوہ گھروں میں بھی صفائی کی از حد ضرورت ہے۔ جس عورت کا گھر صاف ستھرا ہو وہ خود بھی تندرست ہو گی۔ معاشرہ بھی ایسی عورت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے مضامین بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے شائع ہوئے جن میں خواتین کو بچوں کے حوالے سے مناسب آگاہی دی گئی۔ "بزم عصمت" کے نام سے ایک مستقل سلسلہ ماہنامہ "عصمت" میں شروع کیا گیا تھا۔ جس میں متنوع موضوعات کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ اس میں بچوں کی تربیت کے حوالے سے متعدد دفعہ یہ بات کہی گئی کہ ہندوستانی عورتیں بچوں کو سلانے کے لیے افیم کا استعمال کرتی ہیں جو کہ بری اور خراب عادت ہے۔ عورتیں افیم کا استعمال کم سے کم کریں۔ افیم وقتی طور پر بچوں کو سلا دیتی ہے۔ لیکن یہ ان کی آنے والی زندگی کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ افیم بچوں کے دماغ میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفقود کر دیتی ہے۔ ہندوستان میں چوں کہ عورتیں پڑھی لکھی نہیں ہیں اس لیے وہ افیم کے فوائد اور نقصانات سے آگاہ نہیں ہو سکتی ہیں اور وہ اپنے بچوں کے مستقبل کو تباہ کر

دیتی ہیں۔ بعض اوقات ان عورتوں کے بچے زیادہ افیم کھا جانے کی صورت میں موت کے منہ میں بھی چلے جاتے ہیں۔ ۲۰؎

ماہنامہ "عصمت" کے اجرا کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد پردے میں بیٹھی عورت کی تعلیم و تربیت تھا اس کے موضوعات میں تنوع کے ساتھ جدت بھی تھی۔ اگرچہ ایسے مضامین کی تعداد بھی بہت تھی جو ساس بہو کے روایتی لڑائی جھگڑوں پر مشتمل تھے جن میں دو جانب کے فریقین کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی تھی کہ ساس بہو کو بیٹی اور بہو ساس کو ماں تصور کرے تو گھر جنت کا ٹکڑا بن جاتا ہے۔ مگر ان سب پر عمل بہت مشکل تھا لیکن عورت باشعور ضرور ہو رہی تھی۔ ان مضامین کا عورت کی زندگی پر براہ راست اثر نظر آتا ہے۔ ماہنامہ "عصمت" کی یہ کامیاب کوشش تھی کہ خواتین کے لیے متنوع موضوعات پر مضامین لکھے جائیں تاکہ وہ ان سے کچھ سیکھ سکیں۔ اس لیے مضمون نگاروں نے بعض مضامین خواتین کے قصوں کی صورت میں تحریر کیے اور گھر بیٹھی عورتوں کو مختلف خواتین کی مثالیں، طرز رہن سہن، ان کی بہادری اور مشکل حالات کا جوانمردی سے سامنا کرتا ہوا دکھایا۔ دختر صاحبزادہ عبدالمجید خاں نے بادشاہ عالمگیر کی بیٹی بدرالنساء کے بارے میں ایک مفصل مضمون تحریر کیا وہ بتاتی ہیں کہ بدرالنساء بیگم بادشاہ عالمگیر کی پانچویں بیٹی تھیں ان کی پیدائش ۱۰۵۷ء میں ہوئی تھی۔ بدرالنساء بیگم کی والدہ کا نام نواب بائی بیگم تھا۔ یہ شہزادی شروع ہی سے نہایت ذہین واقع ہوئی تھیں۔ حتیٰ کہ دو سال کے قلیل عرصے میں اس نے قرآن حفظ کر لیا۔ جبکہ اس کی عمر تب صرف دس سال تھی۔ ایک معلمہ سے اس نے عربی کی تعلیم لی اس نے بہت جلد عربی پر بھی عبور حاصل کر لیا۔ یہ شہزادی قرآن کی عالم ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن کی عامل بھی تھی اور حدیث کا علم بھی رکھتی تھی۔ اس طرح کے قصے بیان کرنے کا مقصد خواتین میں دینی علم کا جذبہ بیدار کرنا تھا۔ ۲۱؎

ترکی خواتین کے بارے میں کہا گیا کہ ترکی عورت کی زندگی یورپ اور ایشیائی تہذیب کے مجموعہ کا مرقع ہے۔ ترکی عورت کی زندگی میں یورپ کی تقلید کا واضح عکس ملتا ہے۔ اور کچھ باتیں جو ان

کے ہاں خود ترکی کی پرانی تہذیب و ثقافت سے متعلق ہیں وہ ترکی عورتوں نے اس لیے اپنا رکھی ہیں کہ وہ ان کو اچھا خیال کرتی ہیں۔ بعض رسم ورواج انھوں نے اس لیے اپنا رکھے ہیں کہ وہ ان کو ایک دم ترک نہیں کر سکتی ہیں۔ ۲۲ اس مضمون میں بھی انگریزی تہذیب و تمدن کو سب سے بہترین دکھایا گیا ہے اور ہندوستانی عورت کو اس تہذیب کی تقلید کی جانب متوجہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اس طرح کے مضامین پر نو آبادیاتی نظام کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔

یورپ کی عورت کو مثالی خاتون کے روپ میں پیش کر کے سمجھایا گیا کہ اب عورتوں کو خود اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا پڑے گی۔ صغرا ہمایوں مرزا کہتی ہیں کہ جب روس نے ایران پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے شروع کیے اس وقت وہاں عورتوں نے وہ کام کیے ہیں وہ مرد بھی سرانجام نہیں دے سکتے ہیں۔ مختلف یورپی اور ایشیائی عورتیں ایسی ہیں جو مردوں پر سبقت لے گئی ہیں۔ مذہبی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی ہر لحاظ سے عورت مرد کے برابر تھی۔ ان میں واضح مثال جون آرک کی ہے جس نے فرانس کو آزادی دلانے کے لیے بہت مدد کی۔ ۲۳

شیخ عبد القادر مس میری کوریلی کی مثال ہندوستانی خواتین کے لیے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ انگلستان کی بلند پایہ ناول نویس خاتون ہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں غریب لوگوں کی حمایت کی ہے اور اہل دولت کی خامیوں اور بے اعتدالی وبدمذہبی کی شکایت کی ہے۔ وہ نیکی کی تاکید کرتی ہیں۔ انصاف اور ایمانداری کی بات کرتی ہیں۔ اس طرح انھوں نے مس کوریلی کی مثال ہندوستانی خواتین کے لیے پیش کی تاکہ ہندوستانی خواتین بھی نیکی، سچائی اور ایمانداری کے وصف اپنے اندر پیدا کر سکیں۔ ۲۴

یورپ کی عورت کے ساتھ جاپان، چین اور ہندوستان کے مختلف علاقوں کی عورتوں کی مثالیں بھی پیش کی گئیں۔ مسز برلاس ماہنامہ "عصمت" کے مستقل لکھنے والوں میں شامل تھیں اور کسی نہ کسی موضوع پر مضمون تحریر کرتی رہیں۔ ان کے سامنے ہندوستان کی مظلوم عورت کا چہرہ تھا۔ جب کبھی وہ

کسی دوسرے ملک جاتیں واپسی پر ماہنامہ "عصمت" میں اس ملک کی عورتوں کا احوال ضرور تحریر کرتیں۔ ایک مضمون میں وہ جاپانی عورتوں کے متعلق اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ جاپان میں جب کبھی کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ یہ کام بڑی سادگی سے سر انجام پاتا ہے۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلتا کہ کسی گھر میں بچہ پیدا ہوا ہے۔ نہ مہمانوں کا رش ہوتا ہے نہ گانے بجانے والوں کا اور نہ ہی کبھی کسی گھر سے ڈھول بجانے کی آواز آتی ہے۔ یہ لوگ ایسے مواقع پر کچھ نہیں بانٹتے۔ حاملہ عورتیں ہمیشہ چلتی پھرتی اور کام کرتی نظر آتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہاں لوگ مفلس اور قلاش ہیں۔ کھاتے پیتے گھرانوں کی عورتیں بھی کام کرتی نظر آتی ہیں۔ ہندوستانی عورت کی طرح بستر پر پڑی ہائے ہائے نہیں کرتیں۔ وہ ہاتھ پیر ہلانا اپنی ورزش سمجھتی ہیں اور خیال کرتی ہیں کہ وہ جتنا چلیں پھریں گی اتنی ہی بچے کی ولادت میں آسانی رہے گی۔ چوں کہ وہ عورتیں پڑھی لکھی ہیں اس لیے سمجھ بوجھ سے کام لیتی ہیں۔ ۲۵

کشمیری عورتوں کے بارے میں کنیز محمد بیگم لکھتی ہیں کہ کشمیری عورتیں بہت ملنسار اور ہنس مکھ ہوتی ہیں۔ لیکن وہ بچوں کی پرورش کرنے میں دنیا کی تمام عورتوں سے پیچھے ہیں۔ وہ بچوں کو نہلانا تو دور کی بات مہینوں میں ایک آدھ دفعہ کسی تہوار یا کسی کے گھر جاتے ہوئے بچوں کے منہ دھوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے بچوں میں آنکھوں اور جلد کی بیماریاں بہت ہوتی ہیں۔ دس فیصد بھی ایسی کشمیری عورتیں نہیں جو اپنا اور اپنے بچوں کا منہ روز دھوتی ہیں۔ ۲٦ ایسے مضامین معلومات مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ مفید بھی تھے۔

ماہنامہ "عصمت" میں ایک طرف تو عورت کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بات ہو رہی تھی تو دوسری طرف ایسی خواتین بھی موجود تھیں جو پرانے زمانے کی عورت کو نئے زمانے کی عورت سے بدرجہا بہتر سمجھتی تھیں۔ وہ نئے زمانے کی عورت کو پرانے زمانے کی عورت سے مستفید ہونے کا درس دیتی ہیں۔ انیس فاطمہ لکھتی ہیں کہ ہندوستان کی سرزمین سے ایسی باحیا اور پاک دامن عورتیں پیدا ہوئی ہیں

CS CamScanner

کہ اگر ان کے ایک ہاتھ پر کسی نامحرم کی نظر پڑ جاتی تھی تو وہ اپنا ہاتھ کٹوا ڈالتی تھیں اور اف بھی نہ کرتی تھیں۔ اگر ان کے شوہر ان پر دو دو سوکنیں لا کر بٹھا دیتے تو یہ شکایت تک نہیں کرتی تھیں۔ اور جب ایسی عورتیں قریب المرگ ہوتیں اور ان کے شوہر ان کے پاس آتے تو یہ گڑگڑا کر ان سے معافی مانگتی ہیں کہ ہم آپ کی خدمت نہ کر سکیں۔ لیکن نئے زمانے کی عورت نہ مردوں کے سامنے آنا برا سمجھتی ہے اور نہ ان سے میل ملاپ کو۔ شوہروں کے ساتھ ان کے جھگڑے آئے دن جاری رہتے ہیں اور اس سب فتور کی وجہ نئی عورت کی تعلیم ہے۔ ۲۷ ایسے مضامین شدید معاشرتی اثرات کو ظاہر کرتے ہیں۔ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے مرد نے جو بتا دیا وہ حرف آخر کن ہو کر رہ گیا حالانکہ اسلام ایسی کسی سختی کا حکم نہیں دیتا کہ اپنا ہاتھ محض اس لیے کٹوا دیا جائے کہ اس پر نامحرم کی نظر پڑ گئی تھی۔ مسلمانوں میں اس قسم کے تصورات کی ایک بنیادی وجہ ہندوؤں سے میل ملاپ بھی تھا۔ مسلمان اور ہندو کئی سالوں سے ساتھ رہ رہے ہیں اور اس میل ملاپ کے نتیجے میں ایک دوسرے کے رسم ورواج کو اپنایا گیا۔ اسلام میں عورت کی دوسری شادی کی ممانعت نہیں مگر ہندو بیوہ عورت کی دوسری شادی کو برا سمجھتے ہیں۔ ہندوؤں کے ساتھ رہتے ہوئے مسلمان بھی بیوہ عورت کی دوسری شادی کو معیوب سمجھتے ہیں۔ ہندوستانی عورتیں اس بات میں اپنی وفاداری سمجھتی ہیں کہ شوہر کی وفات کے بعد تمام عمر اس کے در پر گزارنا ہی اصل وفا داری ہے۔ دوسرا نکاح کرنا اپنے شوہر کے ساتھ بے وفائی ہے۔ اسلام نے خلع کا جو حق عورت کو دیا ہے۔ اس پر بھی عورت کو خلع کی اجازت نہیں ملتی۔ عورتوں کا حق سلب کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اس کو گھر کی چار دیواری میں مقید کر کے رکھ دیا گیا۔ عورت کو تعلیم دی گئی کہ اس کے لیے آخرت میں ذریعہ نجات شوہر کی اطاعت ہے چاہے شوہر اس عورت کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیوں نہ کرے۔ لیکن مسلمان عورت اپنے حق میں آواز نہیں اٹھا سکتی۔

ماہنامہ "عصمت" نے اس سلسلے میں مضامین شائع کر کے عورت کی ہمت بڑھائی کہ وہ اپنے حق میں آواز اٹھا سکے۔ اہلیہ سعد الدین حیدر لکھتی ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں بہت سی ظالمانہ اور خلاف شرع

CS CamScanner

رسوم رائج ہو چکی ہیں۔ ان ہی رسموں میں سے ایک رسم یہ ہے کہ جس وقت کسی عورت کے شوہر پر نزع کا عالم طاری ہوتا ہے۔ اس وقت لالچی، خود غرض رشتہ دار اور وارث جو کہنے کو بہت رحمدل اور ہمدرد ہوتے ہیں۔ وہ مہر بخشوانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ ترکہ کا خیال ان کے دل میں دوڑنے لگتا ہے۔ عورت بیچاری غم اور مصیبت میں مبتلا اور صدمہ کی وجہ سے بدحواس ہوتی ہے۔ یہ لوگ اس موقع کو غنیمت جان کر اور محبت کا دم بھر کر فوراً اس کو مشورہ دیتے ہیں کہ اپنے شوہر کو مہر بخش دو تاکہ آخرت میں اس کی بخشش ہو سکے۔ اسی طرح دوسری طرف عورت اگر بستر مرگ پر ہوتی ہے اور اس کی جان آخری چند سانسوں میں اٹکی ہوتی ہے اس وقت بھی مہر بخشوانے کا سوال درپیش ہوتا ہے۔ ادھر عورت موت وزیست کی کشمکش سے الجھتی ہے ملک الموت سر پر کھڑے ہوتے ہیں۔ سفر آخرت کی تیاری جاری ہوتی ہے۔ گناہوں کی صورت بار بار آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ دل ہراساں، پریشان صورت، جدائی کی گھڑی قریب، لیکن سسرال والوں کا یہ حال کہ نہ تو اس کی موت کا رنج ہے اور نہ اس کی حسرت بھری جدائی کا صدمہ ہے۔ وہ لوگ بس اس فکر میں ہیں کہ کہیں موت کا فرشتہ ہم سے پہلے اس کی جان نہ نکال لے۔ اس سے پہلے پہلے وہ عورت سے مہر بخشوا لیتے ہیں۔ اس طرح ہندوستان کی مسلمان عورت اپنے جائز حق سے بھی محروم رہ جاتی ہے۔[۲۸]

بہت سی ہندوستانی عورتیں جو گھر گرہستی کی تکلیفوں میں الجھ کر پریشانی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ ان کے لیے ماہنامہ "عصمت" میں ایسے ایسے مضامین لکھے گئے۔ جن کو پڑھ کر ہندوستانی عورتیں اپنے اندر قوت محسوس کریں۔ ان کو تقویت کا احساس ہو کہ ان کی یہ مشکلات ہمیشہ نہیں رہیں گی۔ خاتون اکرم لکھتی ہیں کہ شادی کے بعد خواتین کے گھریلو حالات میں مختلف تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ وہ ایک مانوس ماحول سے نامانوس ماحول میں آتی ہے یہ زمانہ لڑکی کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اگر لڑکی صبر وضبط اور تحمل کا مظاہرہ کرے تو یہ مشکل ہمیشہ نہیں رہے گی۔ یہ کٹھن وقت بھی گزر ہی جائے گا۔ کیونکہ ساس سسر نے ہمیشہ نہیں رہنا ہوتا۔ نندیں اپنے اپنے گھر چلی جاتی ہیں۔ دیور، جیٹھ علیحدہ

علیحدہ اپنے گھر بسا لیتے ہیں۔ پھر یہی عورت گھر کی مالکن بن جاتی ہے۔ لیکن یہ سب پانے کے لیے عورت کو مشکل مرحلوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ ۲۹؎ ان مضامین کے ذریعے عورت کی تربیت کی گئی کہ انھیں اپنی زندگی کو پرسکون بنانے کے لیے خود ہمت اور حوصلے سے کام لینا ہوگا۔

ماہنامہ "عصمت" میں معاشرتی و مذہبی موضوعات پر مضامین تحریر کیے گئے۔ اسلام میں پردے کا جو حکم دیا گیا ہے اس موضوع پر بہت مضامین تحریر کیے گئے اور خواتین کو پردہ کی بہت تلقین کی گئی۔ مسلمان عورت، اس کے لباس اور متعلقات کو مضامین کا موضوع بنایا گیا۔ زاہدہ مرادآبادی لکھتی ہیں کہ پردہ عورت کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ چادر اور برقع کا اصل مقصد عورت کی زیب و زیبائش چھپانا ہے۔ لیکن یہ پردہ صرف عورت پر فرض نہیں کیا گیا بلکہ مرد پر بھی فرض ہے۔ عورت اور مرد دونوں کو نگاہ نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی کہ وہ اپنی عزت و ناموس کا خیال رکھیں۔ اس حکم پر ہندوستان کے مردوں کو کچھ زیادہ ہی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ جو عورت کو گھر میں مقید کر کے سمجھتے ہیں کہ ان کا پردے سے بس اتنا سا ہی تعلق ہے۔ اس طرح انھوں نے نصف اشرف المخلوقات کو بالکل ناکارہ بنا دیا ہے۔ اور اس کو مفلوج و ناکارہ بنا کر سمجھتے ہیں کہ اب ان کا پردہ مکمل ہے۔ اس کی آزادی بھی سلب کر لی گئی ہے۔ ہندوستانی عورت کو بے بس اور مجبور کر دیا گیا ہے اور وہ بالکل بے بس ہو کر رہ گئی ہے۔ ۳۰؎

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے معلوماتی مضامین بھی تحریر کیے گئے۔ ہندوستانی مسلمانوں کو ترکی کے مسلمانوں کے متعلق بتایا گیا۔ سلطان اپنے مضمون "ہندوستانی اور ترکی" میں کہتے ہیں کہ آسٹریا نے ترکی والوں کے ساتھ برا سلوک کیا ہے اس پر ترکوں نے ان کی بنائی ہوئی اشیا ترک کر کے انگریزی اور ترکی کا مال خریدنا شروع کر دیا۔ تاکہ آسٹریا کو نقصان اٹھانا پڑے۔ نہ صرف اس طرح کے معلوماتی مضامین تحریر کیے گئے۔ بلکہ مسلمان عورتوں کو ترغیب بھی دی گئی کہ ہندوستانی عورتیں بھی آسٹریا کا مال خریدنا بند کر دیں۔ اور دیسی اشیاء خرید کر ترکوں کا ساتھ دیں۔ ۳۱؎ یہ وہ زمانہ تھا جب ہر طرف مسلمان

زوال کا شکار ہو رہے تھے اور خلافت کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ماہنامہ "عصمت" ارد گرد رونما ہونے والی تبدیلیوں کو نہ صرف واضح کر رہا تھا بلکہ ان کے حل کے لیے تجاویز بھی پیش کر رہا تھا۔

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے مضامین مسلمانوں کی خراب مذہبی حالات کے بارے میں تحریر کیے گئے۔ برعظیم میں مسلمان ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بہت سے عقائد میں گمراہ ہو چکے تھے۔ ان کے مذہبی عقائد کی تصحیح کے لیے بہت سے دینی مضامین تحریر کیے گئے۔ منصورہ لکھتی ہیں کہ مسلمانوں کو کلمہ طیبہ کا مطلب بھی پورا نہیں معلوم ہوتا۔ وہ منہ سے ہر وقت لاالہٰ الا اللہ کا ورد کرتے رہتے ہیں مگر لام الف کے سوا مطلب خاک نہیں سمجھتے۔ مسلمان کعبہ کا حج کر آتے ہیں مگر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ بعض مسلمان حج بھی صرف نمود و نمائش کے لیے کرتے ہیں اور حاج الحرمین الشرقین کہلاتے ہیں۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ وہ مکے مدینے سے پھر کے آ گئے ہیں مگر ان کے اندر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ یہ سب اس لیے ہے کہ مسلمان حرکت و عمل میں بہت سست ہو گئے ہیں۔ ۳۲

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے مضامین صحت کے متعلق بھی تحریر کیے گئے۔ ان مضامین میں ورزش کرنے کے طریقے اور خوراک کے بارے میں تفصیلات بھی مہیا کی جاتیں۔ زہرہ فیضی لکھتی ہیں کہ ورزش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سانس گہری لینی چاہیے۔ بانھیں، ٹانگیں لٹکانے اور گھمانے سے اعضا چست اور نرم رہتے ہیں۔ آہستہ آہستہ چل کر چہل قدمی کرنی چاہیے۔ بانھوں کو دائرے میں گھمانا، اٹھک بیٹھک کرنا بھی بہترین ورزش ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عورت بیمار ہو تو اپنے اندر مدافعت پیدا کر کے بیماریوں سے چھٹکارا پا سکتی ہے۔ اپنی قوت کو بڑھانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے دل میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ میں کبھی بیمار نہیں ہوں گی۔ یا مجھے کبھی بیمار نہیں پڑنا۔ بلکہ میں تندرستی کی زندگی بسر کروں گی۔ اس طرح ایک عورت اپنی قوت ارادی کی بدولت اپنے اندر قوت مدافعت پیدا کر سکتی ہے۔ ۳۳ کچھ مضامین میں خوراک کی تفصیلات بھی بتائی گئیں کہ کون کون سی غذاؤں کا استعمال

CS CamScanner

انسان کے لیے فائدہ مند ہے؟ کس غذا کی کتنی مقدار استعمال کرنی چاہیے؟ ایسی غذائیں زیادہ سے زیادہ کھانی چاہیے جن سے انسان چاق وچوبند رہ سکتا ہے۔

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے مضامین ایسے تحریر کیے گئے جو اپنے زمانے کے حالات وواقعات کی تفصیلات بتانے کے ساتھ ساتھ ان حالات کا تجزیہ بھی کرتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم نے معاشرے پر جو اثرات مرتب کیے۔ اس کے بارے میں وسیم فاطمہ کہتی ہیں کہ اسپین کی لڑائی سے اور جنرل فرانکو کے طاقت پا لینے سے جیرالٹر جو بحیرہ روم کی کنجی کہلاتا ہے محفوظ نہیں رہتا۔ اس سے ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک کا راستہ خطرے میں ہے۔ کیونکہ جیرالٹر پر قبضے سے یہ سب ممالک متاثر ہوتے ہیں۔ ادھر جاپان کی طاقت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اگر جاپان کا قبضہ چین پر ہو جاتا ہے تو سنگاپور کی بندرگاہ خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس طرح ہندوستان کے لیے خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ ۳۴

ماہنامہ "عصمت" میں معاشرتی کے علاوہ ادبی مضامین بھی تحریر کیے گئے۔ ان میں تنقیدی مضامین بھی شامل تھے۔ طیبہ بیگم اپنے مضمون "فن ناول نگاری" میں مشرق و مغرب کا موازنہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ مشرق کی نسبت مغرب کے لوگوں نے اس فن کو عروج پر پہنچایا۔ انگریزی ناول ایک بے بہا خزانہ ہیں۔ ان کے اندر بے تحاشا معلومات جمع ہیں۔ ان کے پڑھنے سے بے شمار علمی اور اخلاقی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ ناول بے حد دلچسپ ہیں۔ لہٰذا ان کا پڑھنا بار نہیں گزرتا اور قاری سہولت سے یہ ناول پڑھ لیتا ہے۔ ۳۵

حجاب امتیاز علی کی نثری تخلیقات بھی ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہو کر پسندیدگی کی خلعت پاتی رہیں۔ ان کا خوبصورت اسلوب تحریر ان نثر پاروں کو ممتاز و منفرد بناتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس دنیا میں کتنی ہی لاتعداد خوبصورت اور حسین صورتیں ہیں۔ دنیا کے لامحدود سمندر میں بہت کچھ پوشیدہ ہوتا ہے اور کسی کو معلوم نہیں کہ وہ پوشیدہ موتی جو سمندر کی تہہ میں ہیں کتنے خوبصورت ہوں گے۔ ہاں جب کوئی ان موتیوں کا قدردان پیدا ہو جاتا ہے تو وہ ان کو نہاں سے عیاں میں لے آتا ہے اور

CamScanner

جب یہ موتی مرمریں گردنوں میں سجائے جاتے ہیں۔ تو یہ موتی دگنے حسین لگتے ہیں۔ بس زندگی ایسی ہی ہے۔ مگر کچھ لوگ اس نقاب کو الٹنا پسند نہیں کرتے۔ حجاب امتیاز علی کہتی ہیں کہ

"اے میرے رفیق میں پوشید گی پسند ہوں"۳۶؎

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے مضامین شادی اور اس کی رسومات کے متعلق شائع ہوتے رہے۔ یہ مضامین مختلف علاقوں کی شادی کی رسومات کے بارے میں تھے۔ شہر بانو تبت میں شادی کی رسموں کے بارے میں بتاتی ہیں اور ان رسومات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ تبت میں شادی کی شروعات دلھن اور دلہا کے گھر والوں کے بجائے ان کے ماموں کرتے ہیں۔ دلہا کے ماموں دلھن کے ماموؤں کے گھر رشتہ لے کر جاتے ہیں۔ اور نسبت پکی کرنے کے ساتھ ساتھ دلہن کے ماموؤں سے شادی کی تاریخ بھی لے لیتے ہیں۔ پھر جب شادی شروع ہوتی ہے تو یہ بھی ماموؤں کے توسط سے ہوتی ہے۔ تبت میں دلہا خود دلھن کو لینے نہیں جاتا۔ یہ کام بھی اس کے ماموں اور عزیز و اقربا ہی سرانجام دیتے ہیں۔ مقررہ تاریخ پر باراتی لڑکے کی طرف سے لڑکی کے گھر جاتے ہیں۔ لڑکی والے حسب حیثیت خاطر تواضع کرتے ہیں۔ یہ دعوت تین روز تک جاری رہتی ہے۔ بارات آنے کے دوسرے روز سمدھی کے سامنے ایک کشتی میں تھوڑا ساجو کا آٹا، لال آلو، بسکٹ، جوش کیا ہوا آڑو اور کچا گوشت رکھا جاتا ہے۔ تیسرے دن جہیز کی فہرست تیار کی جاتی ہے۔ جہیز کا کل اسباب فہرست کے ساتھ معمر آدمی کو دیا جاتا ہے۔ ان تمام واقعات کے درمیان لڑکی والوں کا ایک آدمی جہیز کی چیزوں میں سے ایک چیز چرا لیتا ہے۔ جس طرح ہمارے ہندوستان میں جوتا چھپائی کی رسم ہے۔ جہیز کا سلسلہ ختم ہونے پر لڑکے والے لڑکی کی ماں کو پانچ یا نو اقسام کی چیزیں نذر کرتے ہیں۔ انھیں نورن کہتے ہیں لڑکی کی ماں ان چیزوں کو مادر حق سمجھ کر قبول کر لیتی ہے۔ ۳۷؎

ماہنامہ "عصمت" کی نثری تصنیفات میں بہت سے افسانے تحریر کیے گئے۔ ان میں بھی زیادہ تر افسانوں کا موضوع عورت اور اس کی آزادی ہی تھا۔ انیس فاطمہ کا افسانہ "آزادی کا شکار" ایک ایسا افسانہ

ہے۔ جو اس نئی عورت کی داستان ہے جو آزاد تو ہو گئی ہے۔ لیکن معاشرہ اس کی آزادی کو قبول نہیں کر پارہا۔ اور نہ ہی معاشرہ اس عورت کی ترقی اور آزادی کو برداشت کر پا رہا ہے۔ وہ عورت جو شاعرہ اور مصورہ ہے اس عورت کی خوبصورتی اور رعنائی اس کے لیے وبال جان بن کر رہ گئی ہے۔ اور اب وہ بھری دنیا میں تنہا رہ گئی ہے۔ وہ کہتی پھرتی ہے کہ اس نے خوار ہو کر یہ عزت اور شہرت حاصل کی ہے۔ وہ خوبصورت ہے مگر کریہہ المنظر بن کر، تعلیم یافتہ ہے مگر جاہلوں کی طرح۔ اس نے تعلیم اور آزادی سے سب کچھ کھو دیا۔ اس کے حوصلے پست ہو گئے ہیں۔ شاعرانہ خیالات اس نئی عورت کی تباہی کا سبب ہیں اور وہ بار بار یہی کہتی ہے کہ کاش اس میں نئی عورت کی کوئی صفت نہ ہوتی۔ نہ وہ شاعر بنتی نہ مصور اور نہ خوبصورت ہوتی، نہ ہی آزادی اور بے باکی کی تعلیم پاتی۔ پھر اس طرح معاشرے میں ذلیل و خوار ہو کر رہتی۔ وہ حسرت کرتی ہے کہ کاش وہ پرانے زمانے کی ایک عورت ہوتی۔ اور اتنی آزاد نہ ہوتی تو معاشرے میں اس کی بھی کوئی قدر ہوتی۔ ۳۸ یہ افسانہ نئی اقدار وروایات کا عمدہ ترجمان ہے۔

معاشرے نے عورت کی تعلیم کو ایک طعنہ بنا دیا ہے۔ مسزح کا افسانہ "آزادی" وقت کے دھارے میں بہتی عورت اور اس کے رویے پر گہرا طنز ہے۔ یہ افسانہ معاشرے کے نظریات پر گہری چوٹ ہے۔ انسان تمام عمر سماجی رویوں سے جنگ کرتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ فطرت کے خلاف نہیں جا سکتا۔ معاشرہ تغیر پذیر ہے۔ ہر آن ہر لمحہ نئے حادثے رونما ہو رہے ہیں۔ اس طرح جب ایک انسان کو شہرت ملتی ہے تو وہ خود کو معاشرے میں ممتاز و منفرد سمجھنے لگتا ہے۔ اس افسانے کی ہیروئن صفیہ، مصنفہ بننے کے بعد جب شہرت حاصل کرتی ہے تو خود کو دوسروں سے ممتاز سمجھنے لگتی ہے۔ وہ انقلاب پسند طبقے کی نمائندہ عورت ہے۔ اس لیے خود کو بہت طاقتور سمجھتی ہے۔ انقلاب پسند طبقہ اپنی بھرپور توجہ اس پر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نوجوان بھی اس کے ارد گرد منڈلانے لگے جو اس کو پہلے جانتے بھی نہیں تھے۔ ہر نوجوان خود کو انقلاب پسند کہتا اور قدیم رسم ورواج کو ختم کر کے مذہب کا مذاق اڑاتے۔ لیکن ایک وقت وہ بھی آیا کہ یہ آزادی اس کے لیے وبال جان بن کر رہ گئی تھی۔ اور معاشرے کی نظر میں اس

کی عزت ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ نام نہاد آزادی ہونے کے باوجود دوسروں کی محتاج بن کے رہ گئی تھی۔ ۳۹؎
ان افسانوں میں ترقی پسند تحریک کی ناپسندیدگی واضح نظر آتی ہے۔ اور ترقی پسند تحریک کی مخالفت اور اس کے اثرات کی شدید مخالفت نظر آتی ہے۔

منشی پریم چند کا افسانہ "اکسیر" ایسی عورت کی کہانی جو بیوہ ہونے پر اپنے بچوں کی پرورش تن تنہا کرتی ہے۔ وہ اپنی جوانی نظر انداز کر کے بچوں کی پرورش کرتی ہے۔ جب اس کے شوہر کی وفات ہوتی ہے تو وہ محض اکیس سال کی ہوتی ہے۔ عین عالم شباب میں وہ اپنے بارے میں سوچنے کے بجائے اپنے بچوں کا سوچتی ہے۔ وہ ان کو پالنے کے لیے ہر وقت کام کرتی ہے۔ بوٹی نامی یہ عورت افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ افسانے کی تمام کہانی اس عورت کے ارد گرد گھومتی ہے۔ بوٹی اپنی جسمانی خواہشات کو توتج دیتی ہے۔ لیکن جب وہ اپنے ارد گرد اپنی عمر سے بڑی عورتوں کو زیور پہنے خوش باش دیکھتی ہے تو اسے بہت جلن محسوس ہوتی۔ وہ بہت حسد محسوس کرتی۔ پریم چند نے بڑی خوبصورتی سے عورت کی نفسیات بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب کوئی عورت بیوہ ہو جاتی تو بوٹی کو بڑی خوشی محسوس ہوتی۔ وہ دنیا کی ہر عورت کو اپنی طرح بیوہ دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر جب اس کا بڑا بیٹا موہن سترہ برس کا ہوا تو اس کو گاؤں کی ایک حسین لڑکی روپا سے عشق ہو گیا۔ بوٹی اس عشق کو ایک لمحہ برداشت نہ کر سکی۔ اس نے موہن کو بہت برا بھلا کہا اور اس کو روپا سے دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مگر موہن اور روپا نے اپنے پیار سے بوٹی کا دل جیت لیا۔ بلکہ اس کے اندر کے اس جذبے اور حسد کو بھی ختم کر دیا کہ ہر عورت بیوہ ہی ہو۔ کیونکہ روپا کا شوہر اس کا بیٹا موہن تھا۔ وہ اپنی بہو کو ہمیشہ سہاگن دیکھنا چاہتی تھی۔ محبت بوٹی کے لیے اکسیر ثابت ہوئی تھی۔ ۴۰؎

ماہنامہ "عصمت" میں جہاں علامہ راشد الخیری کے مضامین شائع ہوئے وہیں ان کے ناول بھی ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہوئے۔ ان میں "صبح زندگی"، "شام زندگی"، "سوکن کا جلاپا" اور "تفسیر عصمت" جیسے ناول شامل ہیں۔ ان تمام ناولوں کا موضوع عورت اور اس کی مظلومیت ہے۔ "تفسیر

عصمت" میں حشمت نامی ایک لڑکی کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ حشمت ایک باغی کردار کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ حشمت دراصل ہندوستانی معاشرے میں مردوں کے ہاتھوں پسی ہوئی اس عورت کی کہانی ہے جو اپنے حق کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔ مگر جب اس کو اس کا حق نہیں ملتا تو وہ مرتد ہو کر یہودی مذہب اختیار کر لیتی ہے اور ایک یہودی شخص سے شادی کر لیتی ہے۔ وہ اپنے اس طرز عمل سے بہت سے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیتی ہے۔ وہ مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ عورتوں کو ان کا حق ادا کریں۔ بیواؤں کے دوسرے نکاح کو معیوب تصور نہ کریں اور نہ ہی انھیں گھر کی چار دیواری میں مقید رکھیں۔ یہودی مذہب میں جا کر حشمت کو سکون نہیں ملتا۔ وہ پھر سے مسلمان ہو جاتی ہے۔ مگر اپنے اس طرز عمل سے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیتی ہے۔[۱۴] ان تمام ناولوں کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ اور یہ ناول اپنے دور کے مسلمانوں کے طرز زندگی کے عمدہ عکاس ہیں۔ اور عورت کی زندگی کی عمدہ ترجمانی کرتے ہیں۔

ماہنامہ "عصمت" میں مختلف نثری تخلیقات شائع ہوئیں۔ ان اصناف میں سے ایک صنف سفر نامہ ہے۔ ماہنامہ "عصمت" کے اجرا کو ایک مہینہ ہی گزرا تھا کہ جولائی ۱۹۰۸ء کے شمارے سے ہز ہائنس بیگم کا سفر نامہ "سیر یورپ" شائع ہونا شروع ہوا۔ اس سفر نامے کی زبان اور بیان بہت سادہ اور سلیس ہے۔ گھر بیٹھی خواتین کے لیے نہایت معلوماتی اور دلچسپی کا حامل ہے۔ اس سفر نامے میں وہ آگبوٹ کے متعلق لکھتی ہیں کہ

> آگبوٹ کی زندگی نرالی ہے۔ یہاں دن بھر کام ہی کیا ہے۔ کھانا کھا کر ٹہلنے لگے۔ ٹہلتے ٹہلتے تھک گئے تو آرام کرسی پر بیٹھ کے خوش گپیاں اڑائیں۔ اسے بھی تھکے تو سو گئے۔ کتنا ہی بڑا آگبوٹ ہو مگر پھر بھی میدان مختصر ہے۔ اس بات سے جی ذرا دق ہوتا ہے۔ اوپر آسمان نیچے سمندر، اور ہم گویا تنکوں کی طرح بہہ

رہے ہیں۔ ساحل نظر نہیں آتا۔ بس خدا سے لو لگائے بیٹھے

ہیں۔[۴۲]

بیرون ملک کے بارے میں بہت سے معلوماتی سفرنامے تحریر کیے گئے۔ اس طرح کچھ سفرنامے اندرون ملک کی سیر و تفریح اور مشاہدات و تجربات کے بارے میں تحریر کیے گئے۔ ان کو تحریر کرنے کا مقصد خواتین کو آگاہی دینا تھا تاکہ وہ گھر میں بیٹھے بیٹھے ایسی معلومات سے مستفید ہو سکیں۔ مسز سراج الدین کھیوڑہ کی کان اور نمک، نمک کی اقسام کے بارے میں اپنے سفرنامے میں تفصیل سے لکھتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ نمک کی کان میں ہر طرف شفاف نمک ہی نمک تھا۔ حتیٰ کہ وہاں جو پانی تھا وہ بھی نمک تھا۔[۴۳]

ماہنامہ "عصمت" کے اندر متنوع نثری اصناف پر لکھا گیا۔ اور ان کو بہت مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔

(ب) حصہ نظم:۔

ماہنامہ "عصمت" کے اندر ایسی نظمیں شائع ہوئیں تھیں۔ جن کو خواتین اور بچے آسانی سے پڑھ کے سمجھ سکیں اس لیے متنوع موضوعات پر نظمیں لکھی گئیں۔ ان میں حمدیہ، نعتیہ، معاشرتی اور عورت کے موضوعات پر نظمیں شامل تھیں۔ حضور ﷺ کی مدح میں بہت سی نظمیں لکھی گئیں۔ نظام المشائخ اپنی نعت میں حضورؐ کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

کروں کیا مدحت شان محمدؐ

خدا ہے خود ثناخوان محمدؐ

زہے غرور زہے شان محمدؐ

ہے عرش و فرش ایوان محمدؐ[۴۴]

فراق دہلوی اپنی نظم میں حضورؐ کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہیں۔اس نظم میں حضورؐ کے اعلیٰ درجات کا ذکر ملتا ہے۔وہ حضورؐ کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

یہ شوق مدینہ ہے یہ ہی شوق زیارت
میں چوکڑی بھرتا ہوں زیادہ جو ہرن سے
شیشہ سے گزر جاتی ہیں جس طرح نگاہیں
سورج کے عوض دیکھیں گے دیدار محمدؐ
محشر میں جو منہ کھولیں گے ہم اپنا کفن سے ۴۵؎

ان نظموں کے علاوہ دوسری قسم کی نظموں میں کچھ نظمیں عورت اور اس کی آزادی کے متعلق لکھی گئی ہیں۔سید غلام مصطفیٰ اپنی نظم "نیک وبد" میں نیک خصلت اور بد خصلت عورتوں کا موازنہ کرنے کے بعد نیک خصلت عورت کو مرد کے دل کا چین قرار دیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ

نیک سیرت ہو اگر عورت تو وہ ہے حور عین
اس کے شوہر کے لیے دنیا ہے فردوس بریں
نیک خو عورت، نہ بد خو مرد کی زوجہ بنے
ہو زن بد خو، نہ خوش خو مرد کی پہلو نشیں
نیک کا بد سے نہ دنیا میں ہو سابقہ یارب
یہ دعا ہے تجھ سے میری یا الٰہ اللعالمین ۴۶؎

نصیر حسن آبادی اپنی نظم "سچی بیوی" میں بیوی کو موجب راحت و باعث سکون قرار دیتے ہیں اور تمام کائنات کی رنگارنگی اور بوقلمونی کو عورت سے ہی تعبیر کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں۔

تو نے جنے دارا و سکندر
تو نے بنائے کرشن مہشیر
تیرے نمونے پیر و پیغمبر

تیرے کرشمے گھر گھر، در در،
حق نے کیا دنیا کو پیدا
آدم کو حوا کو پیدا
پس ہوئی بیوی موجب راحت
درد و الم میں باعث فرحت ۴۷

صفیہ شمیم ملیح آبادی کی نظم "شاعرہ کو دنیا میں بھیجتے ہوئے "معاشرے کی تنزلی کا استعارہ ہے۔ رب کائنات شاعرہ کو دنیا میں اس لیے بھیج رہا ہے۔ تاکہ یہاں کی مفقود انسانیت کو دوبارہ زندہ کر سکے۔ وہ کہتی ہیں کہ رب تعالیٰ شاعرہ کو دنیا میں بھیجتے ہوئے اسے نصیحت کرتے ہیں کہ وہ دنیا میں آ کر انسانوں میں محبت و ہمدردی پیدا کرے۔

اے شعلہ موسیقی، اے عرش کی زیبائی
اے شعر کی شہزادی، اے خلد کی رعنائی
جا اور غلاموں کو نغموں سے جگاتی آ
سینوں میں شجاعت کی اک لہر اٹھاتی آ
انسانیت انساں سے مدت ہوئی غائب ہے
سجدوں سے تڑپ غائب ویسی نہ عبادت ہے
جھوٹی ہیں نمازیں، سب بے ربط تلاوت ہے ۴۸

ماہنامہ "عصمت" میں چھوٹے چھوٹے عام موضوعات پر بھی نظمیں تحریر کی گئیں جن کا بنیادی مقصد عورتوں میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرنا تھا۔ ہزہائنس بیگم کی نظم "موٹر گاڑی" ہے۔ جو ایسی خواتین کے لیے معلومات کا ذریعہ تھا جن کا گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنا منع تھا۔ پوری نظم میں انھوں نے گاڑی کی تعریف بیان کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ

کس قدر تیزی سے چلتی دیکھو موٹر کار ہے

نام سے رکنے اٹکنے کے سدا بیزار ہے

کھینچتا گھوڑا ہے اس کو اور نہ کوئی آدمی

بے پروں کے یہ ہزاروں میل جاتی ہے دوڑی

اس کو آسائش سے مطلب ہے نہ کچھ آرام سے

رکھتی ہے ہر وقت یہ کام بس اپنے کام سے

سائیکل رہتی ہے تنہا، ریل پر قابو نہیں

اور گھوڑے پر بھی آسائش کسی پہلو نہیں

بات لیکن موٹر کار کی یہ دیکھی بیٹھ کر

سیر کا لطف اور تیزی سے کرلو سفر ۴۹؎

قدرتی موضوعات پر لکھی گئی نظموں میں نظم "سکوت شام" میں شاعر نے رات کے حسین وقت کی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ الفاظ کا چناؤ بہترین کیا گیا ہے۔ اور نظم فنی ہیئت کے لحاظ سے بھی عمدہ اور اعلیٰ ہے۔ شاعر شام کی عمدہ منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

حکومت صبح ختم ہوتی ہے لشکر شام آرہا ہے

شفق کے پردوں میں ضرور آفتاب چہرہ چھپا رہا ہے

نظام عالم یہ ہے اداسی، زمین ہیئت بدل رہی ہے

خموشیوں کا متین پرچم ہواؤں میں لہلہا رہا ہے

رباب لطف و بیاں کی موسیقیت میں کمزوریاں عیاں ہیں

سکوت ساز خموش اپنا مچل مچل کر بجا رہا ہے ۵۰؎

اس طرح موسمی تہوار "ساون" پر بھی نظمیں تحریر کی گئیں۔ ساون کی گھٹاؤں کے امڈ آنے کے دلکش منظر کو شاعرہ یوں بیان کرتی ہیں۔

آؤ مل جل کے سکھی آج منائیں ساون

CamScanner

آج کل باغ پر عالم ہے گھٹا پر جو بن
ہائے کیا باغ ہے کیا ابر ہے کیا سبزہ ہے
بوندیاں پڑتی ہیں چلتی ہیں ہوائیں سن سن
مینہ برسنے کی ہے آواز، ہوا کا غل ہے
شور ہے سر پہ اٹھاتے ہیں چمن، مرغ چمن
اس قدر چار طرف ابر ہے ماشاء اللہ
چشم بد دور نہیں دیکھا ہے ایسا ساون ۵۱؎

ز۔خ۔ش (زاہدہ خاتون شیرانی) کا شمار اُردو کی اولین خاتون شاعرات میں ہوتا ہے۔ ماہنامہ "عصمت" ستمبر ۱۹۱۱ء میں ان کی ایک نظم "مخمس" کے نام سے شائع ہوئی۔ یہ نظم مخمس کی ہیئت میں لکھی گئی اور مسلمانوں کی بے عملی پر بہت بڑی چوٹ ہے۔ اس نظم میں انھوں نے مسلمان عورتوں کو ہر میدان میں آگے بڑھنے کی دعوت دی ہے اور باعمل مسلمان بننے کی تلقین کی ہے وہ مسلمانوں پر طنزیہ چوٹ لگاتے ہوئے کہتی ہیں کہ

تعلیم پا کے نکلے کالج سے سب مسلماں
اک اک نکالے دل سے فیشن کے جو تھے ارماں
چھوڑی نماز، رکھا بالائے طاق قرآں
سب خوبیاں چھنیں جب بھولے وہ دین و ایماں
پڑھوا کے قومی لیڈر رہتے تھے شرمسار بہنو
اس کار نا مکمل کو ہم تمام کر دیں
زندہ دلی کو اپنی مشہور عام کر دیں
دنیا کی ہسٹری میں ہم اپنا نام کر دیں
مردوں کی پختہ مغزی کو آ ؤ خام کر دیں

آفاق میں رہیں گے ہم یاد گار بہنو

اے انس و جاں کے مالک ارض و سما کے والی

ز۔ رخ تیرے حضور اقدس میں ہے سوالی

ہے کار ساز مطلق تیری ہی ذات عالی

اسلامیوں کی کوشش جائے نہ یوں خالی

لیجیے سلام رخصت ہے خاکسار بہنو ۵۲

ماہنامہ "عصمت" میں کچھ نظمیں نئے اور اچھوتے عنوانات پر بھی تحریر کی گئیں۔ یہ نظمیں مروجہ عنوانات سے ہٹ کر کہی گئیں۔ انہی نظموں میں منجھو بیگم کی نظم "خون دل کی تقسیم" شامل ہے۔ اس نظم میں انھوں نے انسانی جسم میں خون کی تقسیم نئے طریقے سے بیان کی ہے۔ اس نظم کے اندر مزاح کا پہلو بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ایسی نظمیں دوسری خواتین کے لیے تحریک تھیں کہ وہ بھی ایسی نظمیں لکھ سکتی ہیں اور اپنے جذبات کا بہتر اظہار کر سکتی ہیں۔ منجھو بیگم لکھتی ہیں کہ

خون کی اول تو دل میں پہلے ہی سے تھی کمی

اور جو کچھ تھا بھی وہ یوں صرف بے جا ہو گیا

لے لیا فکروں نے کچھ، کچھ ہو گیا غصے کی نظر

بچ رہا اس پر بھی جو وہ غم کا حصہ ہو گیا

کم ہوا امراض سے کچھ، سوز دل سے کچھ جلا

کچھ ہوا پانی، تو کچھ غم سے پسینا ہو گیا

مختصر یہ ہے کہ اک قطرہ بھی اب باقی نہیں

دل ہمارا کیا ہوا گویا تماشا ہو گیا ۵۳

ہندوستانی معاشرے میں دوسری شادی کا رواج بہت عام ہے۔ بالخصوص مسلمان چار چار شادیاں کرنا اپنا شرعی حق سمجھتے ہیں۔ ماہنامہ "عصمت" میں اس موضوع کے حوالے سے نہ صرف

مضامین تحریر کیے گئے بلکہ اس موضوع پر بہت سی نظمیں بھی تحریر کی گئیں۔ان نظموں کا مطمع نظر ایسے لوگوں پر چوٹ تھا جو آئے روز نت نئی شادیاں رچا کر اسے مذہب کا حکم بتاتے ہیں۔ڈاکٹر سعید احمد بریلوی اپنی نظم "لعنت ایسی شادی پر" میں کہتے ہیں۔

وہ بیٹی دیتے ہیں یہ زر لٹاتے ہیں بہ آزادی
اور اس بیع و شرا کا نام ہے اب مذہبی آزادی
روپے کے زور پر وہ خوب گل چھرے اڑاتے ہیں
مزے سے تیسرے سال ایک نئی شادی رچاتے ہیں
کہاں تک اب لکھے جاؤں بہن ان سے خدا سمجھے
سکھایا تھا انھیں مذہب نے کیا، کمبخت کیا سمجھے
چڑھی ہوں میں بھی یونہی بھینٹ اک دولت کی دیوی پر
اسی کا نام شادی ہے تو لعنت ایسی شادی پر
وہ کل پھر تیسری کر لائیں گے ان کا ٹھکانہ کیا
دغا کر چکا ہے ایک سے اس کا بھروسا کیا [۵۴]

زوجین کی باہمی لڑائیاں اور دلچسپ قصوں کو بھی ماہنامہ "عصمت" میں موضوع سخن بنایا گیا۔ علامہ اقبال کی مشہور نظمیں "شکوہ" اور "جواب شکوہ" کو مد نظر رکھتے ہوئے فرحت اللہ بیگ نے نظم "شکوہ" (شوہر کا شکوہ) اور "جواب شکوہ" (بیوی کا جواب شکوہ) لکھیں۔انھوں نے ایک ہی نظم میں بڑی خوبصورتی سے زوجین کے باہمی تعلقات اور لڑائیوں کو منظوم صورت میں بیان کیا ہے۔شوہر بیوی سے شکوے شکایات کرتا ہے۔بیوی ان شکوؤں کا جواب پرجوش انداز میں دیتی ہے۔ نظم میں وہ کہتے ہیں۔

"شکوہ" (شوہر کا شکوہ)

کبھی کا میں دنیا سے ہو جاتا رخصت

مگر ہر دفعہ روک دیتے ہیں فرحت

وہ کہتے ہیں بھائی یہ ہے رنگ دنیا

تمہارے ہی گھر کا نہیں کچھ یہ نقشا

پیمبر کی سنت ہے سب کے گلے میں

نہیں فرق کچھ بھی برے اور بھلے میں

ذرا صبر کو کام میں کچھ تو لاؤ

نہ بیوی کو ہر وقت یوں کھائے جاؤ

یہ مانا پھوہڑ ہے بے کار ہے وہ

مگر کچھ نہ کچھ پھر بھی خوددار ہے وہ

غرض ہر طرف سے ہے مجھ پر ہی آفت

کہ تو ہے ادھر اور ادھر بھائی فرحت

"جواب شکوہ" (بیوی)

پھرا دیتی گھر بھر کو میں چھائیں مائیں

مگر بی حمیدہ سدا آڑے آئیں

وہ کہتی ہیں دیکھ بہن یہ نہ کرنا

تمہیں تو اسی گھر میں ہے جینا مرنا

نہ حکم پیمبر کہیں بھول جانا

خدا کو ہے اک دن تمہیں منہ دکھانا

بوا صبر کا پھل صبر ملے گا

زمانہ کبھی تو جگہ سے ہلے گا
میں کس کشمکش میں ہوں آفت رسیدہ
ادھر آپ ہیں اور ادھر بی حمیدہ ۵۵

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سی نظمیں علامہ راشد الخیری اور ان کے کارناموں کے متعلق کہی گئیں۔ علامہ راشد الخیری کی وفات کو عظیم سانحہ قرار دیا گیا۔ جوش ملیح آبادی نے علامہ راشد الخیری کی وفات کے سانحے کو یوں بیان کیا ہے۔

مقصد علم وادب ہی ہو گیا افسوس فوت
کس بلا کا سانحہ ہے راشد الخیری کی موت
وہ کہ جس کے دل کے اندر بے کسوں کا درد تھا
وہ کہ علم و فن میں بے ہمت ادب میں فرد تھا
وہ کہ تھا پردے میں رونے والیوں کا ترجماں
صنف نازک کا مفسر، بے زبانوں کی زباں
سوگوار کا اس غم میں تیرے صنف نازک ہی نہیں
ہے پریشاں علم وانشا کی بھی زلف عنبریں
شمع راتوں کو بہاتی تھی جو آنسو اٹھ گئی
دہر سے وہ کیا اٹھا۔ دہلی سے اُردو اٹھ گئی ۵۶

اور واقعی ہندوستان سے اُردو تقسیم پاکستان کے بعد باہر نکال دی گئی۔

۸:۔ پہلے دور کا اختتام: اکتوبر ۱۹۴۷ء

ماہنامہ "عصمت" کے اجرا کو ۳۹ سال گزر گئے تو پاکستان معرض وجود میں آگیا بر عظیم کی یہ تقسیم بڑے پیمانے پر تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ہزاروں لاکھوں جانیں نہ صرف ضائع ہوئیں بلکہ

CamScanner

املاک کو بھی وسیع پیمانے پر نقصان پہنچایا گیا۔ اس کے نتیجے میں بہت سی قیمتی دستاویز اور ثقافتی ورثہ مسخ ہو کر رہ گیا۔ ہندو مسلم فسادات اس قدر بڑھ گئے کہ بھارت میں مسلمانوں پر زندگی تنگ ہو کر رہ گئی اور وہ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ماہنامہ "عصمت" بھی چوں کہ مسلمانوں کی ادبی کاوش تھی اس لیے ان مسلمانوں پر بھی زندگی اجیرن کر دی گئی۔ اس لیے ماہنامہ "عصمت" کو محدود سرمائے کے ساتھ دہلی سے کراچی منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اکتوبر ۱۹۴۷ء میں ماہنامہ "عصمت" کو دہلی سے کراچی منتقل کر دیا گیا۔

حوالہ جات

۱۔ رازق الخیری، عصمت، (کراچی، عصمت بک ڈپو، جوبلی نمبر 1958) ص:۱۹۔

۲۔ رازق الخیری، عصمت کی کہانی (دہلی، عصمت بک ڈپو، ۱۹۴۶) ص:۰۴۔

۳۔ رازق الخیری، عصمت، ص:۱۹۔

۴۔ رازق الخیری، عصمت کی کہانی، (دہلی، عصمت بک ڈپو، ۱۹۴۶ء)، ص:۰۵۔

۵۔ قراۃ العین حیدر، ادب اور خواتین، مشمولہ، ماہنامہ عصمت، (ایضاً، جوبلی نمبر ۱۹۵۸ء) ص:۲۰۷۔

۶۔ اڈیٹر، عصمت جون ۱۹۰۸ء، شمارہ ۱، جلد ۱، دہلی، مخزن پریس، ص:۔۰۲

۷۔ راشد الخیری، "نند کا خط بھاوج کے نام"، ایضاً، ص:۴۳۔

۸۔ سیدہ امجہریہ، "ہمارا تعلیمی نصاب"، ایضاً، ص:۴۳۔

۹۔ سکندر جہاں بیگم، "اخبار ور سائل"، ایضاً ص:۲۵۔

۱۰۔ مسز عبد اللہ از علی گڑھ، "شہرت" ایضاً، ص:۲۲۔

۱۱۔ اڈیٹر، "عصمت میں نظمیں کیسی ہوں گی"، ایضاً، ص:۵۲۔

۱۲۔ منشی درگا سہائے، "پیاری بہنو"، ایضاً، ص:۵۴۔

۱۳۔ بالک رام شاد، "کیڑا"، ایضاً، ص:۵۵۔

۱۴۔ خجستہ اختر سہروردیہ بیگم، "مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم"، عصمت، (دہلی، مخزن پریس جولائی ۱۹۰۸)، ص:۰۸۔

۱۵۔ محمد نظام الدین خان، "لڑکیوں کی تعلیم"، عصمت، اگست 1915، ص:۱۱۔

۱۶۔ مسز یوسف الزماں، "ہماری تعلیم کس زبان میں ہونی چاہیے"، عصمت، جولائی ۱۹۲۷، ص:۴۰۔

۱۷۔ ڈاکٹر نصیر الدین احمد، "نسوانی نصاب تعلیم"، عصمت، جون ۱۹۳۶ء، ص:۴۸۷۔

۱۸۔ بیگم ممتاز اللہ، "یورپین اور ہندوستانی لیڈیوں کے میل جول"، عصمت، ستمبر ۱۹۰۸، ص:۰۴۔

CamScanner

۱۹۔ بنت عبدالحکیم، "آنکھوں کا مرض"، عصمت، فروری ۱۹۱۵ء، ص:۴۱۔

۲۰۔ اڈیٹر، "بزم عصمت"، عصمت، ستمبر ۱۹۰۸ء، ص:۴۴۔

۲۱۔ دختر صاحبزادہ عبدالمجید، "بدرالنساء بیگم" عصمت، ستمبر ۱۹۰۸ء، ص:۲۰۔

۲۲۔ م۔ب۔ صاحبہ، "ترکی جدید کی عورت"، عصمت، جولائی ۱۹۲۷ء، ص:۹۰۔

۲۳۔ صغرا ہمایوں مرزا، "تقریر حقوق نسواں"، عصمت، جون ۱۹۰۸ء، ص:۴۳۔

۲۴۔ شیخ عبدالقادر، "مس میری کوریلی"، عصمت، جون ۱۹۱۵، ص:۰۲۔

۲۵۔ مسز برلاس، "جاپانی زچہ خانہ"، عصمت، جون ۱۹۳۶ء، ص:۴۷۔

۲۶۔ کنیز محمد بیگم، "کشمیری عورتیں"، عصمت، جون ۱۹۲۸ء، ص:۴۷۔

۲۷۔ انیس فاطمہ، "نئی عورت"، عصمت، جون ۱۹۳۶ء، ص:۴۹۵۔

۲۸۔ اہلیہ سعدالدین حیدر، "مہر بخشوانا"، عصمت، مئی جون ۱۹۲۵ء، ص:۱۲۵۔

۲۹۔ خاتون اکرم، "تغیرات زندگی"، عصمت،، جنوری ۱۹۲۴ء، ص:۰۹۔

۳۰۔ زاہدہ مرادآبادی، "پردہ"، عصمت، ستمبر ۱۹۱۵ء، ص:۱۱۔

۳۱۔ سلطان، "مسلمان ہندوستانی اور ترکی"، عصمت، نومبر ۱۹۰۸ء، ص:۳۵۔

۳۲۔ منصورہ، "پیارے محبوب کا پیارا گھر"، عصمت، فروری ۱۹۱۵، ص:۰۴۔

۳۴۔ زہرہ فیضی، "صحت اور قوت ارادی"، عصمت، جولائی ۱۹۲۷ء، ص:۴۳۔

۳۵۔ وسیم فاطمہ، "جنگ عظیم کا اثر موجودہ دنیا پر"، عصمت، جون ۱۹۳۸ء، ص:۲۴۵۔

۳۶۔ حجاب امتیاز علی، "پوشیدگی"، عصمت،، فروری ۱۹۳۰ء، ص:۳۹۔

۳۷۔ شہربانو، "تبت میں شادی کی رسمیں"، عصمت، جون ۱۹۳۹ء، ص:۱۹۔

۳۸۔ انیس فاطمہ، "آزادی کا شکار"، عصمت، اکتوبر ۱۹۳۱ء، ص:۲۹۔

۳۹۔ مسز۔ ح۔ مسلم، "آزادی"، عصمت، جولائی ۱۹۳۹ء، ص:۲۰۔

۴۰۔ منشی پریم چند، "اکسیر"، عصمت، فروری ۱۹۳۳ء، ص:۳۹۔

۴۱۔ علامہ راشد الخیری، "تفسیر عصمت"، عصمت، جون ۱۹۲۸ء، ص:۷۳۔

۴۲۔ ہزہائنس بیگم صاحبہ، "سیر یورپ"، عصمت، جولائی ۱۹۰۸ء، ص:۱۴۔

۴۳۔ مسز سراج الدین، "کان نمک"، عصمت، نومبر ۱۹۰۸ء، ص:۰۵۔

۴۴۔ نظام المشائخ، "نعت"، عصمت، جنوری، ۱۹۱۵ء، ص:۴۴۔

۴۵۔ فراق دہلوی، "غزل"، عصمت، فروری ۱۹۵۹ء، ص:۰۶۔

۴۶۔ سید غلام مصطفٰی، "نیک وبد"، عصمت، نومبر ۱۹۰۸ء، ص:۰۵۔

۴۷۔ نصیر حسن آبادی، "سچی بیوی"، عصمت، جنوری ۱۹۱۵ء، ص:۴۶۔

۴۸۔ صفیہ شمیم ملیح آبادی، "شاعرہ کو دنیا میں بھیجتے ہوئے"، عصمت، جولائی ۱۹۴۱ء، ص:۳۱۔

۴۹۔ ہزہائنس بیگم، "موٹر گاڑی"، عصمت، اگست ۱۹۰۸ء، ص:۱۹۔

۵۰۔ خورشید اقبال حیامیر ٹھی، "سکوت شام"، عصمت، فروری ۱۹۲۷ء، ص:۲۷۔

۵۱۔ سیدہ، "ساون"، عصمت، اگست ۱۹۰۸ء، ص:۲۳۔

۵۲۔ ز۔خ۔ش، "مخمس"، عصمت، ستمبر ۱۹۱۱ء، ص:۱۹۔

۵۳۔ منجھو بیگم، "خون دل کی تقسیم"، عصمت، جنوری ۱۹۲۰ء، ص:۱۴۔

۵۴۔ ڈاکٹر سعید احمد بریلوی، "لعنت ایسی شادی پر"، عصمت، جولائی ۱۹۲۹ء، ص:۲۳۔

۵۵۔ فرحت اللہ بیگ، "میاں بیوی کا شکوہ"، عصمت، ۱۹۳۵ء، ص:۲۵۔

۵۶۔ جوش ملیح آبادی، "بے زبانوں کی زبان"، عصمت، جولائی ۱۹۳۶ء، ص:۰۳۔

CS CamScanner

باب دوم

ماہنامہ "عصمت" (۲۰۰۸ء تا ۱۹۴۷ء) غیر افسانوی نثر کا تنقیدی مطالعہ

(الف) ۱۔ ماہنامہ "عصمت" کی پاکستان منتقلی:

ماہنامہ "عصمت" کے اجرا کو ۳۹ سال گزر گئے تو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ بر عظیم کی تقسیم بہت بڑے پیمانے پر تباہی کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوئی۔ ہزاروں لاکھوں جانیں نہ صرف ضائع ہوئیں بلکہ املاک کو بھی بہت بڑی تعداد میں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں تہذیبی و ثقافتی ورثہ مسخ ہو کر رہ گیا۔ ہندو مسلم فسادات اس قدر بڑھ گئے کہ بھارت میں مسلمانوں کا جینا اجیرن ہو گیا۔ ان ہی حالات کے پیش نظر ماہنامہ "عصمت" کو دہلی سے کراچی منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور بہت مشکل حالات میں ماہنامہ "عصمت" کے ایڈیٹر نے اپنے ساز و سامان کے ساتھ کراچی نقل مکانی کی۔ اس طرح کراچی منتقل ہونے کے بعد ماہنامہ "عصمت" حسب روایت مشکل حالات کے باوجود شائع کیا گیا اور ۳۰ نومبر ۱۹۴۷ء کو عصمت بک ڈپو کراچی سے ماہنامہ "عصمت" کا پہلا پاکستانی شمارہ نکالا گیا۔

۲۔ غیر افسانوی نثری مشمولات:

ماہنامہ "عصمت" کے مشمولات میں تمام اصناف سخن شامل ہیں۔ غیر افسانوی نثر میں مضامین، خطوط، آپ بیتی، تراجم، تبصرے وغیرہ شامل ہیں۔ یہ ماہنامہ ایک عرصے سے خواتین کی تعلیم و ترقی میں اپنا کردار ادا کرتا رہا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد اس نے یہ ذمہ داری بڑی خوبی سے نبھائی۔ اس میں شائع ہونے والے زیادہ تر مضامین تھے بالخصوص ایسے مضامین جن کا تعلق خواتین کی تعلیم و تربیت اور معاشی ترقی سے تھا۔ خطوط اور کتابوں کے تبصرے بھی اس دور میں وقتاً فوقتاً شامل ہوتے رہے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد بھی ان اصناف میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔

ا۔۲:۔ مضامین:۔

ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والی نثری تخلیقات میں سب سے اہم مضامین ہیں۔ یہ ماہنامہ عورتوں کی اصلاح اور بہتری کے لیے شروع کیا گیا تھا۔ مگر وقت اور رجحان بدلنے کے ساتھ ساتھ اس میں شائع ہونے والے مضامین کی نوعیت میں بھی بتدریج تبدیلی واقع ہونے لگی۔ اور قیام پاکستان کے بعد ان مضامین میں بدلے رجحانات کا واضح عکس دکھائی دیتا ہے۔ یہ مضامین اپنے عنوانات کے لحاظ سے زمانے کی بدلتی ہوئی اقدار کا ساتھ دے رہے ہیں اور ہر شعبۂ زندگی سے متعلق مضامین لکھے جاتے رہے ہیں۔ ان مضمون نگاروں میں مرد اور خواتین دونوں شامل ہیں۔ مرد حضرات جو ماہنامہ "عصمت" میں مضامین لکھتے رہے ہیں۔ ان میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، حفیظ جالندھری، مولانا عبدالماجد دریاآبادی، اختر حسین، ملا واحدی، مسرور حسن خان، مولانا حامد علی خان، میاں بشیر احمد، پروفیسر رشید احمد صدیقی، محمد احمد سبزواری، کرنل محمد خان، ڈاکٹر سید آل مرتضیٰ بلگرامی، پرنسپل علاء الدین، آغا صادق، ایم اے مغنی، سید محمد جعفری، سید ابو تمیم فرید آبادی، پروفیسر محمد عبدالستار خیری، ڈاکٹر اعظم کریوی، مرزا عظیم بیگ چغتائی، ڈاکٹر مولدی عبدالحق، مشتاق احمد زاہدی، نصیر الدین صاحب، قدرت اللہ شہاب، سید رضا احمد جعفری، اقبال احمد، قیصر سراج نظامی، شبیر الدین، مظفر حسین اظہر، ظفر الاسلام منہاس، مولوی محمد ظفر جیسے اہم اور معروف لکھنے والے شامل تھے۔ اسی طرح بہت سی خواتین بھی متنوع موضوعات پر خامہ فرسائی کر رہی تھیں۔ ان میں آنسہ باصرہ صدیقی، شائستہ اختر سہروردی، بلقیس عصمت شفیع، قیصر سراج نظامی، قطورہ مرغوب صاحبہ، جمیلہ بیگم عقیلہ برلاس، ب۔ن۔ ابراہیم، بنی فاطمہ، ام سلمیٰ فیاض، صدیقہ بانو، بیگم نصیر الدین ہاشمی، و۔ا۔ صاحبہ، امتہ الواحی، جہاں بانو، نفیس فاطمہ، رئیس طلعت، شائستہ اکرام اللہ، حلیمہ خاتون، زہرہ جمال، نذر سجاد حیدر، مس ثریا جبین، زینب گلشن، ش۔ہ۔ انصاری، نزہت آرا بیگم، سلمیٰ عباسی، حمیدہ بیگم، بلقیس درانی، مہر آرا بیگم، آمنہ نازلی، مسرت ادریس، عائشہ صدیق، آنسہ، ایم، ایس جے، مہر النساء خلیل، مسز الطاف حسین، عقیلہ سلطانہ،

CamScanner

فاطمہ بیگم، عابدہ معین، صغرا عبد السبحان، سیدہ قانتہ بیگم، بدرالنساء رحمٰن، ح بیگم، بیگم برلاس، رخشندہ ناہید، بیگم پاشا صوفی، محمودہ حق، زبیدہ زریں، عفت الٰہی، ثریا جبین، ماہ منیر، رخشندہ ناہید، سیمار حمٰن، عامرہ خاتون، قراۃ العین حیدر، اور بہت سی دوسری معروف و غیر معروف خواتین بھی شامل تھیں۔ ان لکھاری خواتین اور حضرات نے ہر شعبہ زندگی سے متعلق مضامین لکھے اور اپنے خیالات کو معاشرے کے عام قاری تک پہنچایا۔

مضامین لکھنے کے لیے ماہنامہ "عصمت" کے مدیر کی جانب سے چند قواعد پر عمل کرنا ضروری قرار دیا۔ یہ قواعد تقریباً ہر شمارے کے صفحہ اول پر درج کیے جاتے تھے۔ یہ قواعد مندرجہ ذیل ہیں۔ جو اب تک مروج ہیں اور ہر رسالے میں باقاعدگی سے شائع کیے جاتے ہیں۔

۱۔ مضامین کاغذ کے ایک رُخ پر نظر ثانی مناسب ترمیم اور اضافہ کے لیے ایک ایک سطر چھوڑ کر روشنائی سے خوش خط لکھے جائیں۔

۲۔ ایڈیٹر کے نام خط میں مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا اشد ضروری ہے۔

۳۔ طویل مضمون کے لیے تین تین چار چار ماہ کے بعد بھی ممکن ہے جگہ نہ نکل سکے لیکن چھوٹے چھوٹے مضامین جلد شائع ہو سکتے ہیں۔ اس لیے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھیں اور کم سے کم الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

۴۔ مضمون کسی کتاب یا رسالہ سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو مصنف کا نام اور کتاب یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیا جائے۔

۵۔ عصمت کے لیے وہ مضامین بھیجے جائیں جو صرف ماہنامہ "عصمت" کے لیے ہی لکھے جائیں۔ وہ مضمون ہرگز نہ بھیجیے جو کسی اُردو پرچہ کو بھیجا جا چکا ہو۔

۶۔ مضامین کے لیے پرانے پامال عنوانات جن پر بارہا عصمت میں مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ منتخب نہ کرنے چاہییں۔ نئے نئے موضوعات پر چھوٹے مضامین جو اسلوب بیان، ندرتِ خیال وغیرہ کے اعتبار سے دلچسپ سمجھے جاسکتے ہیں۔ شائع کیے جاتے ہیں۔

۷۔ مضامین میں تہذیب و سنجیدگی کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ جو مضامین ذاتیات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی فرقہ یا کسی شخص کی دل آزاری ہو سکتی ہے۔ ردی کر دیے جاتے ہیں۔ "عصمت" مذہبی جھگڑوں کا اکھاڑہ نہیں ہے۔ "عصمت" کے لیے ایسے مضامین بھیجنے چاہییں جو سب کے لیے باعث دلچسپی ہوں۔

۸۔ مضامین کی زبان سلیس اور عام فہم ہونی چاہیے۔ رنگین بے معنی عبارت لکھنے سے اور فارسی، عربی، انگریزی، ہندی الفاظ ٹھونسنے سے مضمون بھدا ہو جاتا ہے اور ایسا مضمون "عصمت" میں شائع نہیں کیا جاسکتا۔

۹۔ جو مضامین "عصمت" میں شائع ہوتے ہیں۔ ان کے حقوق اشاعت بحق "عصمت" محفوظ ہیں۔

۱۰۔ "عصمت" سال کے بہترین مضامین پر جولائی میں تین چار سو روپے کے انعامات مضمون نگار خواتین میں تقسیم کرتا ہے۔

۱۱۔ غیر مسلموں کے مضامین خوشی سے شائع کیے جاتے ہیں۔

آخر میں ایڈیٹر کی جانب سے یہ جملہ درج ہوتا ہے کہ جو خواتین و حضرات ان قواعد کی پابندی نہیں کرتے ان کے مضامین ناقابل اشاعت ہوتے ہیں۔[۱]

۱۔۱۔۲۔ مقبول ترین موضوع عورت:

ماہنامہ "عصمت" میں مذہبی، اخلاقی، ادبی، قومی، معاشرتی اور اصلاحی ہر طرح کے مضامین شائع ہوئے۔ لیکن مقبول ترین موضوع "عورت" ہی تھا۔ تمام مضامین کا تعلق کسی نہ کسی طرح خواتین کے حقوق اور تربیت سے تھا۔ ان مختلف النوع مضامین کا تعارف و تجزیہ درج ذیل ہے۔

CamScanner

۲۔۱۔۲ تعلیم و تربیت اور اصلاح نسواں:۔

ماہنامہ "عصمت" کے اجرا کا مقصد ہی حقوق نسواں اور تعلیم نسواں تھا اور پاکستان بننے کے بعد بھی اس ماہنامے نے خواتین کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کے حوالے سے مسلسل مضامین شائع کیے۔ جنوری ۱۹۴۸ء کے شمارے میں آنسہ باصرہ صدیقی کا مضمون "معمار" کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس میں واضح طور پر کہا گیا کہ عورت ہی قوم کی معمار ہے۔ یہ اپنے ہاتھوں سے قوم کی بنیاد ڈالتی ہے۔ اور اپنے ہاتھوں سے ننھے بچوں کی تعلیم و تربیت کرتی ہے۔ اگر عورت تربیت یافتہ، تعلیم یافتہ اور بچوں کی پرورش کے فن کی ماہر ہو گی تو قوم بھی مضبوط ہو گی۔[۲]

اس لیے کہ عورتوں کو معاشرے میں کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں ہے۔ علامہ راشد الخیری نے بہت پہلے اپنے مضمون میں کہہ دیا تھا کہ مسلمان اس سے بآسانی انکار نہیں کر سکتے کہ باوجود ترقی تعلیم اور احساس حقوق نسواں کے اب تک مسلمان عورت دور حاضرہ کے مسلمانوں میں اصلی وقعت حاصل نہیں کر سکی۔ انھوں نے اپنے مضامین میں اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی تھی کہ موجودہ دور میں عورت کو معاشرے میں کوئی مقام حاصل نہیں۔[۳]

یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے کی بار بار تلقین کی گئی۔ اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ خواتین کو ایسی تعلیم حاصل کرنی چاہیے کہ وہ گھر گرہستی سے دور نہ ہو جائیں۔ اس سلسلے میں مغرب کے حوالے سے بتایا گیا کہ وہاں بھی خواتین تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ امور خانہ داری پر بھی بھرپور توجہ دیتی ہیں۔ مکمل اور جامع عورت کی ماہنامہ "عصمت" میں یہ تعریف کی گئی کہ عورت کو ہر کام میں تربیت یافتہ ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ اس کا دوسری ڈگریوں کے علاوہ خانہ داری اور مذہبی امور میں بھی ماہر ہونا ضروری ہے۔ تب ہی وہ ایک مکمل عورت کہلائے گی۔[۴]

ماہنامہ "عصمت" کے اندر بار بار خواتین کی تعلیم و تربیت پر زور دیا گیا۔ عقیلہ سلطانہ نے اپنے مضمون "نسوانی تعلیم و تربیت" میں اسی جانب اشارہ کیا ہے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کم سے کم اتنی

CS CamScanner

ضرور ہونی چاہیے کہ وہ مردوں سے اپنے حقوق حاصل کر سکے۔ دفاتر کا کام سنبھال سکے۔ تیمارداری کر سکے۔ زخمیوں کو سنبھال سکے۔ محاذ پر ہمت بندھا سکے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خود ہمت ہار کر بیٹھ جائے۔ بلکہ عملی زندگی میں مردوں کے شانہ بشانہ چل سکے۔۵

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ جب یہ خواتین تعلیم یافتہ ہو جائیں تو پھر خود کو ہر پابندی سے آزاد نہ سمجھیں۔ ماہنامہ "عصمت" میں اگر خواتین کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بات کی گئی تو وہیں اس موضوع پر بھی بہت بحث کی گئی کہ خواتین کی جائز معاشرتی آزادی کی حد کہاں سے کہاں تک ہے؟ عورتیں پڑھ لکھ کر خود کو ہر پابندی سے آزاد سمجھتی ہیں۔ حمیدہ بیگم نے خواتین کے اسی رجحان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اپنے مضمون میں لکھا ہے۔ کہ آج کل کی پڑھی لکھی اور ترقی یافتہ عورتیں یہی سمجھتی ہیں کہ وہ قوم کی خدمت اسی صورت میں کر سکتی ہیں جب وہ گھر سے باہر نکل جائیں اور وہ گھر کی چاردیواری سے آزاد ہوں۔ ان کے نزدیک استانی، نرس، ڈاکٹر یا کسی بھی شعبے کے فرائض سرانجام دینا قومی خدمت ہے۔ لیکن بچے جننا، ان کی پرورش کرنا اور شوہروں کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا سرا سر جہالت اور حماقت ہے۔ بلکہ بعض تعلیم یافتہ عورتیں اپنے سامنے شادی اور بچوں کا ذکر بھی نہیں سن سکتیں۔ ان میں ننانوے فی صد ایسی ہیں جو گھر اور بچوں کو قید تصور کرتی ہیں۔ اور ان کو اپنے پاؤں کی بیڑی سمجھتی ہیں۔ جو مردوں اور ملاؤں نے زبردستی ان عورتوں کو پہنا رکھی ہیں۔۶

سلمیٰ عباسی نے اس پر اپنے مضمون میں لکھا کہ آج کل کی لڑکیوں کو ہوش سنبھالتے ہی سکول بھیج دیا جاتا ہے۔ لیکن اساتذہ کے چال چلن کے بارے میں جاننے کی مطلق کوشش نہیں کی جاتی۔ نہ لڑکیوں اور اساتذہ کی محبت کے بارے میں چھان پھٹک کی جاتی ہے۔ اس طرح لڑکیاں بگڑ جاتی ہیں ان کی ذمہ دار وہ استانیاں ہوتی ہیں جن کا اپنا طرزِ عمل ٹھیک نہیں ہوتا۔ اور یوں معاشرے میں مختلف اخلاقی برائیاں جنم لیتی ہیں۔۷

CS CamScanner

اس ماہنامے میں خواتین کو یہ باور کرایا گیا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو سکول میں بھیجنے کے ساتھ ساتھ خود بھی ان کی تعلیم و تربیت کریں۔ اسی طرح فاطمہ بیگم نے اپنے مضمون "مسلمان خواتین اور کلب" میں اس امر کی جانب نشان دہی کی کہ مسلمان عورت کو عریانی شراب نوشی اور رقص و سرود کی ہرگز ہرگز اجازت نہ ہو۔ شرم و حجاب کے ذریعے عورتوں کو باہر جانے کی اجازت دی جائے۔ میک اپ کے بغیر چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ مائیں اپنی بچیوں کو مردوں کی محفلوں میں جانے سے روکیں۔ اس طرح وہ اپنی لڑکیوں کی تربیت کر سکتی ہیں۔[۸]

ماہنامہ "عصمت" میں نہ صرف خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کی تلقین کی گئی بلکہ انھیں دوسری خواتین کی مثالیں دے کر سمجھایا گیا کہ وہ عورتیں کس طرح تعلیمی ترقی میں بہت آگے نکل چکی ہیں۔ ڈاکٹر اصغر جلیس اس سلسلے میں ازبک عورتوں کی مثال یوں پیش کرتے ہیں کہ فنی سکولوں میں ازبک لڑکیوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ اب سے تقریباً ۳۵ سال پہلے ان سکولوں میں ان کی تعداد تقریباً ۵ فیصد تھی۔ اور اب یہ تعداد ۳۴ فیصد تک پہنچ چکی ہے۔ اس وقت قومی معیشت میں حصہ لینے والے مختلف شعبوں کے اندر ان خواتین کی تعداد ۵۷۰۵ ہو چکی ہے۔ ان عورتوں کے پاس اعلیٰ تعلیم کی ڈگریاں بھی ہیں۔ اور ۸۳ ہزار عورتیں ایسی ہیں۔ جنھوں نے خصوصی ثانوی تعلیم حاصل کی ہے۔ اس وقت ۳۵ ازبک خواتین کے پاس پی ایچ ڈی کی ڈگری موجود ہے۔ اور ۹۰۰ کے پاس ایم ایس سی کی ڈگری موجود ہے۔[۹]

پاکستان کے بننے کے فوراً بعد ایک طرف تو خواتین کی تعلیمی ترقی کے لیے آنسو بہائے جارہے تھے۔ اور دوسری طرف ایک مکتبۂ فکر ایسا بھی تھا جو خواتین کی تعلیمی ترقی کو اخلاقی برائیوں کی جڑ قرار دے رہا تھا۔ اس طبقے کی نزدیک معاشرے میں جتنی برائیاں پھیل رہی ہیں ان کی بنیادی وجوہات میں ایک وجہ عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا بھی ہے۔ بدرالنساء رحمٰن اس ضمن میں لکھتی ہیں کہ جس تعلیم نسواں کو پھیلانے کے لیے خون کے آنسو روئے گئے۔ آج اس تعلیم سے نامعلوم ساخوف محسوس ہوتا ہے۔ اور

بالآخر تمام اخلاقی خرابیوں کی جڑ تعلیم نسواں ہی نظر آتی ہے۔ اور آج بھی ہماری اخلاقی تشنگی کی ذمہ دار تعلیم نسواں ہی ہے۔ ۱۰

یہی مسئلہ صدیقہ بانو نے اپنے مضمون "ہم راہ بھول گئے" میں اٹھایا ہے کہ یہ تعلیم نسواں ہی ہے جس سے بے جا آزادی کا احساس پیدا ہوا۔ اور آج ہم ترقی نہیں کر سکے بلکہ تنزلی کی جانب سفر کر رہے ہیں۔ ہم نے بزرگوں کا ادب اور چھوٹوں کا لحاظ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اور فیشن پرست مستورات نے تو قطعی طور پر پردہ ترک کر دیا ہے۔ اور گستاخی سے بڑوں کو جواب دینا اپنی آزادی سمجھتی ہیں۔ حالانکہ ایسی آزادی عورتوں کی تعلیم کو بھی داغدار کر رہی ہے اور عورتوں کو ان کے مقام سے گرا رہی ہے۔ مصنفہ کے خیال میں اب ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جو اخلاقیات سکھانے کے ساتھ ساتھ خواتین کو شریں بیانی بھی سکھائے۔ ۱۱

اسی لیے ماہنامہ "عصمت" میں عورتوں کے نصاب تعلیم کے متعلق بھی مضامین لکھے گئے۔ اور عورتوں کی اصلاح، تعلیم و تربیت اور معاشرتی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا نصاب مرتب کرنے کی تجویز پیش کی گئی جو عورت کو با عمل اور مفید شہری بنا سکے۔ حمیدہ بانو میٹرک کے بعد کی تعلیم کے بارے میں لکھتی ہیں کہ میٹرک کے بعد طالبہ کو اختیار ہونا چاہیے کہ گھر بیٹھ کر خانہ داری کے معاملات میں مہارت پیدا کرے یا پھر ٹیچر، ٹائپسٹ، سیکریٹری، نرس وغیرہ کی ٹریننگ حاصل کرے۔ اور جو لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند ہیں۔ وہ کالجوں میں داخلہ لے سکتی ہیں۔ تاکہ ڈاکٹر، سائنس دان، پروفیسر، وکیل، انجینئر وغیرہ بن سکیں۔ لیکن ان سب کے باوجود لڑکیوں کو خانہ داری میں ماہر ہونا چاہیے تاکہ وہ اچھی مائیں اور اچھی بیویاں بن سکیں۔ ۱۲

فتح محمد برفت اپنے مضمون "ناخواندہ خواتین اور معاشی ترقی" میں خواتین کی تعلیم کے لیے چند سفارشات پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ثانوی سطح تک لڑکے اور لڑکیوں دونوں کے لیے تعلیم لازمی ہو۔ ثانوی سطح تک تعلیم مفت ہو۔ لڑکیوں لڑکوں کے الگ الگ سکول بنائے جائیں۔ تمام محکمہ جات کو مل

کر لڑکیوں کی تعلیم کے لیے کام کرنا چاہیے۔ میڈیا کے ذریعے تعلیم نسواں کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔ سماجی تنظیموں کے تحت گھروں کے سربراہوں کے لیے ورکشاپس بنائی جائیں۔ اور ان میں مثبت رویے پیدا کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔ مذہبی رہنماؤں اور مسجد کے پیش اماموں کو تعلیم نسواں کے پروگرام میں شامل رکھا جائے۔ گرلز اسکولوں میں فنی تعلیم کا قیام یقینی بنایا جائے لڑکیوں کی کم عمری کی شادی کے قوانین پر سختی سے عمل کروایا جائے خواتین اساتذہ کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ خواتین کے لیے روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ ۱۳

۳۔۱۔۲ آزادیٔ و بیداریِ نسواں:

ماہنامہ "عصمت" نے خواتین کو ان کی آزادی اور حق کے لیے شعور و آگاہی دی لہٰذا پاکستان بننے کے بعد بھی آزادیٔ نسواں کے موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا۔ پاکستان بننے کے ساتھ ہی خواتین سے کہا گیا کو وہ اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ لوگ ان کی مثالیں دے کریں۔ بلقیس عصمت شفیع لکھتی ہیں کہ

> ہم نے بحیثیت پاکستانی عورت کے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہم نے زندگی کو آزاد عورت کی طرح بسر کرنا ہی نہیں سیکھا۔ ۱۴

قیصر سراج نظامی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ عورتوں کو مساوی حقوق دینے میں مردوں نے ہمیشہ بخل سے کام لیا ہے۔ اور ہمیشہ خود کو عورتوں سے برتر سمجھا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ برتری صرف مشرق کے لوگوں میں تھی۔ مغربی مردوں کے اندر بھی یہ برتری کا احساس موجود تھا۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب، ہر جگہ عورت کا استحصال جاری ہے۔ فرق صرف اتنا ہے مغربی اور یورپی اقوام کی عورتیں معاشی ترقی میں مردوں سے کم پیچھے ہیں۔ جبکہ مشرق کی عورت بہت زیادہ پیچھے ہے۔ اور اس کی ذمہ دار کسی حد تک عورت بھی ہے۔ کیونکہ جہاں مرد نے عورت کا استحصال جاری رکھا وہاں عورت خود اپنے حقوق کے لیے آواز بلند نہ کی اور نہ ہی کوئی احتجاج کیا۔ ۱۵

تقسیم برعظیم مسلمانوں کے لیے کرب انگیز اور تکلیف دہ تھی۔ نئی مملکت کے وجود کو قائم رکھنے کے لیے خواتین کی مدد کی اشد ضرورت محسوس کی گئی۔ ماہنامہ "عصمت" کے اندر ایسے مضامین شائع ہوئے جو خواتین کے اندر قوت ارادی پیدا کرنے میں مصروف تھے۔ کیونکہ اس زمانے میں ملک اور معاشرہ دونوں بدحال تھے اور ملکی حالات بدترین تھے۔ ایسے میں خواتین کو دوسری مسلمان خواتین کے قصے سنا کر آگے بڑھنے کی دعوت دی گئی۔ شہیر الدین علوی تاریخی خواتین کی بہادری کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید کے دوران حکومت میں مسلمان خواتین اسلامی فوج میں مسلمان سپاہی کی حیثیت سے داخل ہوتی گئیں۔ عورتیں بڑے بڑے دستوں کی کمان سنبھالتی تھیں۔ ہارون الرشید سے قبل جب خلیفہ المنصور کی حکومت تھی۔ اس وقت اسلامی فوج نے جنوب مشرقی یورپ کی طاقتور بازنطینی حکومت پر حملہ کیا۔ اس وقت منصور کی دو چچازاد بہنیں ساتھ لڑنے گئی تھیں۔ آج کی مسلمان خاتون کو ہر طرح کے برے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔[16]

جس طرح خواتین کی تعلیمی ترقی کے بارے میں دو مکتبہ فکر سامنے آئے۔ ایک موافقت میں اور دوسرا مخالفت میں۔ بالکل اسی طرح ایک طرف تو خواتین کو ہر شعبہ زندگی میں آزادی کے ساتھ بڑھنے کی ترغیب دی جا رہی تھی تو دوسری جانب وہ طبقہ بھی موجود تھا جو عورت کا گھر کی چاردیواری سے باہر نکل کر پیشہ ورانہ زندگی میں قدم رکھنا معیوب سمجھتا تھا۔ شائستہ اختر سہروردی کہتی ہیں کہ پرانے زمانے میں عورت اچھی خانہ دار ہوتی تھی۔ چونکہ وہ چاردیواری میں رہتی تھی۔ اس لیے قابل عزت سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اب وہ زمانہ آگیا ہے جہاں خانہ داری میں ماہر ہونا کوئی کمال نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے عورتیں خانہ داری سے نفرت کرتی اور بیزار نظر آتی ہیں۔ مصنفہ کے نزدیک عورتیں گھروں سے باہر اس لیے نکلتی ہیں تاکہ ان کے ہنر کو سراہا جائے۔ اور ان کے فن کی تعریف کی جائے۔ لہٰذا جب وہ پیشہ وارانہ زندگی میں داخل ہوتی ہیں تو وہ گھریلو امور سے دور ہو جاتی ہیں۔ اور بچوں کی پرورش صحیح طریقے سے نہیں کر سکتیں۔ یعنی انڈسٹریل انقلاب نے گھر کے کاموں کو محدود کر دیا۔ اور عورتوں نے

CamScanner

اپنی صلاحیتوں کو منوانے کے لیے مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا شروع کر دیا۔ اور اپنے بچوں کو نظر انداز کرنے لگی۔ جس سے قوم کی تباہی کا آغاز ہوا۔ عورتوں کا باہر کی زندگی میں کام کرنا پوری قوم کی تباہی کے مترادف ہے۔۱۷

شاید اسی لیے پاکستان بننے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی پاکستان کے بعض حصوں میں عورت کو گھر کی حد تک محدود رکھا گیا۔ مختلف علاقوں میں عورتوں اور لڑکیوں کا استحصال جاری رہا۔ اور وہاں عورت کو کسی بھی قسم کی آزادی نہیں دی جاتی۔ بیگم نصیرالدین نے اس حوالے سے ایک فکر آمیز مضمون تحریر کیا اور کہا کہ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں لڑکی پیدا ہونے پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ پھر اس کو جلد سے جلد اچھے داموں پر فروخت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک بوڑھا آدمی بھی بیک وقت چار چار نوجوان عورتیں رکھ سکتا ہے۔ عورت بیوہ ہونے پر شوہر کے ورثا کی جائیداد سمجھی جاتی ہے۔ اور جب وہ دوسری شادی کرتی ہے تو اس کے ورثا اس شوہر سے اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ گویا عورتیں جانوروں کی مانند ہیں۔ جن کی خرید و فروخت جاری رہتی ہے۔ ان علاقوں میں عورت کو معاشی، اقتصادی اور تعلیمی کسی طرح کی آزادی حاصل نہیں ہے۔۱۸

اختر سلمٰی "ہمارے حقوق" کے عنوان سے مضمون لکھتے ہوئے کہتی ہیں کہ لڑکیاں بے زبان ہوتی ہیں۔ والدین ان کی بے زبانی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ان کے رشتے ان سے پوچھے بغیر طے کر دیتے ہیں۔ وہ رشتہ کے انتخاب میں ان کی مرضی کا خیال نہیں کرتے۔ مسلمان گھرانوں کی لڑکیاں اتنی بے بس ہوتی ہیں کہ بحالت مجبوری وہ والدین کے اس انتخاب کو تسلیم کر لیتی ہیں۔۱۹

ماہنامہ "عصمت" کے اندر ایسے مضامین شائع ہوئے۔ جن کے ذریعے عورت کو ہر طرح سے آزاد رہنے کی ترغیب دی گئی۔ مولانا عبدالغفار خیری کہتے ہیں کہ عورتیں اسی وقت صحیح معنی میں آزادی حاصل کر سکتی ہیں جب وہ مردوں کے ساتھ سے آزاد ہوں گی۔ یعنی عورت نہ بیوی بنے نہ ماں۔ عورتوں کو مردوں سے کسی قسم کا واسطہ نہیں رکھنا چاہیے۔ مصنف کے خیال میں وہی آزادی مکمل ہو سکتی ہے۔

جہاں عورت والدین کا خیال، شوہر کی خدمت و اطاعت، بچوں کے لیے مامتا ان تمام جذبات احساسات سے آزاد ہو گی۔ مضمون نگار نے بہت سی مثالوں کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ عورتوں کو اپنی اصلی آزادی حاصل کرنے کے لیے سر توڑ محنت کرنا ہو گی۔ ورنہ وہ آزاد نہیں ہو سکتیں۔ ایسی عورتیں جو صحیح معنوں میں آزادی چاہتی ہیں۔ انھیں اقتصادی طور پر بھی آزاد ہونا ہو گا۔ یہ ان کا آزادی کی جانب پہلا قدم ہو گا۔ اس کے ساتھ ساتھ منصف نے یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ جن خواتین کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔ وہ اس بندش سے خود کو بچائیں۔ وہ کسی مرد سے ذاتی تعلقات نہ رکھیں۔ شادی کر کے پابندی سے رہنے کی بجائے آزدی اپنا سکیں۔ تب ہی وہ اصل معنوں میں آزادی حاصل کر سکتی ہیں۔ ۲۰

ہندوستان اور پاکستان میں عورت کی تذلیل اور استحصال جاری و ساری ہے۔ خاص کر ہندوؤں میں عورت کو ذلیل اور کم تر تصور کیا جاتا ہے۔ اس ایشیائی معاشرے میں عورت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ تب ہی یہاں کے مضمون نگار عورت کی آزادی کا پرچار شد و مد سے کرتے ہیں۔ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب اور قوم میں عورت کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے۔ حتٰی کہ خود مسلمان بھی عملی طور پر عورت کو اس کا کوئی حق ادا نہیں کرتے۔ نفیس فاطمہ کے بقول ایران کی قدیم اقوام میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ قدیم ایرانی مرد اپنی بیویوں کی موجودگی میں ان کی بہنوں کو اپنے گھروں میں بیویوں کی مانند رکھتے تھے۔ وہ اپنی مستورات کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ اسلام نے عورت کو اس کے حقوق دلائے۔ اور شوہر، بیوی اور ہر رشتے کے حقوق مقرر فرمائے۔ ۲۱

اسلام نے عورت کے جو حقوق مقرر کیے۔ ان کی پامالی کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ماہنامہ "عصمت" میں ایسے مضامین شائع ہونے لگے جن میں خواتین کو آگاہی دی جاتی کہ وہ اپنے حقوق کو صحیح طور پر پہچاننے کے لیے مولویوں کے وضع کردہ نصاب اسلام کے بجائے خود قرآن و حدیث کا مطالعہ کر کے اپنے حقوق کو سمجھیں اور معاشرے میں اپنی آزادی کا اختیار حاصل کریں۔ سیدہ قانتہ بیگم اسی حوالے سے خواتین کو آگاہ کرتے ہوئے اپنے مضمون "عورتوں کی کتابیں" میں لکھتی ہیں کہ وہ

کتابیں جو اسلامی موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ جیسے مرد عورت کے حقوق، فرائض کی ادائیگی، حقوق العباد ان کی تشریحات مولویوں نے کی ہیں۔ عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے حق حاصل کرنے کے لیے اور اپنی آزادی کے لیے ان کتابوں کو پڑھیں اور پھر قرآن و حدیث کا مطالعہ کریں تا کہ وہ اپنا جائز حق حاصل کر سکیں۔ کیونکہ یہی کتابیں ہیں جن کی وجہ سے مردوں نے عورتوں کو مذہبی طور پر اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ عورتوں کے حق غصب کر کے ان کو آگے بڑھنے سے روک دیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عورت اپنی آزادی سے محروم ہے وہ آزادی جو اسے مذہب نے عطا کی ہے۔ ۲۲

ان مضامین نے عورت کی سوچ کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا زمانے کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ان مضامین کی فکری سوچ میں بھی تبدیلی کا عنصر کار فرما نظر آتا ہے۔ صغرا عبد السبحان لکھتی ہیں کہ اب وہ پہلا زمانہ گیا جب ڈانٹ ڈپٹ کر اور لڑکی کو چپ کرا کے اسے ہر کام نکلوالیا جاتا تھا۔ اب وہ دور نہیں رہا ہے کہ لڑکیوں سے زبردستی کی جائے۔ ان کو زندگی گزارنے کے معاملے میں آزادی ہونی چاہیے۔ کیونکہ اب آزادی اور بلند نظری کا دور ہے۔ اب لڑکیوں پر بے جا سختی نہیں کی جا سکتی۔ ۲۳

لیکن ان سب باتوں کے باوجود پاکستان میں عورت کو اس کے جائز حقوق حاصل نہیں ہوئے۔ معاشرے میں مرد اور عورت نے کبھی مل کر کام نہیں کیا۔ عورت کو گھر کے کاموں میں مشغول بنا کر مرد آزاد ہو گیا ہے۔ ماہنامہ "عصمت" کے اندر ایسے مضامین بھی شائع ہوئے۔ جن میں حقوق نسواں اور آزادئ نسواں کی بات کرنے والوں کا مذاق اڑایا گیا۔ اور اس کو سر پھری خواتین کا نعرہ قرار دیا گیا۔ صدیقہ بانو کہتی ہیں۔

> ”حفاظتِ حقوقِ نسواں و آزادئ نسواں سر پھری خواتین کا نعرہ
> ہے اور نعرہ ہی رہے گا۔“ ۲۴

بدر النساء رحمٰن لکھتی ہیں کہ مغربی متعصب تاریخ دان مسلمان عورت کو مذہب کا قیدی گردانتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے مذہب نے عورت کو گھر کی چار دیواری میں مقید رہنے کا حکم

CS CamScanner

دیا ہے۔ حتیٰ کہ عورت کی مذہبی عبادات نماز وغیرہ بھی گھر میں ہی ادا ہوتی ہیں۔ عورت حج کا فریضہ بھی مرد کے بغیر ادا نہیں کر سکتی۔ قربانی کے جانور بھی مرد ہی ذبح کرتے ہیں۔ مرد عورت کو ناقص العقل سمجھتے ہیں۔ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ ان سب حقائق کو بتانے کے بعد مصنفہ نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر اسلام نے عورت پر پابندیاں لگائی ہیں تو یہ اس کے حق میں بہتر ہیں۔ اور اسلام وہ نہیں جو موجودہ معاشرہ دکھاتا ہے۔ اصل اسلام سے مشرقی معاشرہ نابلد ہے۔ اور اگر اسلام عورت پر پابندیاں لگاتا ہے تو یورپ والوں نے عورت کو مادر پدر آزاد کر کے کون سی کامیابی پالی ہے؟ اور ان عورتوں نے کون سا اپنا حق حاصل کر لیا ہے۔ آج وہاں عورت مصنوعی زندگی گزار رہی ہے۔ وہ مرد کے اشاروں پر ناچنے والی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ معاشرے اور سوسائٹی میں بھی اس کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں ہے۔ اور مذہبی طور پر بھی یورپی عورت کو کوئی وقعت حاصل نہیں ہے۔ ۲۵

یہی وجہ ہے کہ ماہنامہ "عصمت" کے اندر ایسے مضامین بکثرت لکھے گئے ہیں۔ جن میں مغربی عورت کی زندگی اپنانے کی شدید مخالفت کی گئی۔ حتیٰ کہ وہ تمام باتیں ناپسندیدہ قرار دے دی گئیں جو مشرق والوں نے مغرب کی تقلید میں اپنالیں۔ آمنہ نازلی نے اپنے مضمون میں لڑکیوں کے پرائیویٹ سیکریٹری بننے پر سخت تنقید کی اور کہا کہ مشرقی عورت کے اندر پرائیویٹ سیکریٹری بننے کا رجحان مغرب سے آیا ہے۔ خواتین اس شعبے میں کام کرنے کی شدید خواہش مند نظر آتی ہیں۔ بڑی بڑی کمپنیوں کے علاوہ ہر آفس کے اندر ایک خوبرو اور نوجوان لڑکی پرائیویٹ سیکریٹری کی صورت میں نظر آئے گی۔ اس سے ہمارا معاشرہ اور نئی نسل تباہ ہو رہی ہے۔ اور اس کی ذمہ دار ہماری خواتین ہیں۔ جو معاشرتی روایات کے متضاد پیشے اپنا رہی ہیں۔ اس سے نہ صرف خواتین کا گھر متاثر ہوا ہے بلکہ معاشرہ بھی اخلاقی تنزلی کا شکار بنتا جا رہا ہے۔ عورتیں اسی صورت میں آزاد اور کامیاب زندگی گزار سکتی ہیں جب وہ اسلام کو سمجھیں گی اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہوں گی۔ ۲۶

۴۔۱۔۲ حقوق نسواں:

ماہنامہ "عصمت" کے اجرا کا مقصد بیداریٔ وتحفظ حقوق نسواں تھا۔ اس لیے ماہنامہ "عصمت" میں حقوق نسواں کے حوالے سے بکثرت مضامین شائع کیے گئے۔۔ نصیر الدین ہاشمی نے مہر کے متعلق لکھا ہے کہ ہندوستان میں جو حق مہر مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ مہر کی مقدار عموماً عقد کرنے والا اپنی حیثیت اور استطاعت سے زیادہ مقرر کرتا ہے۔ اور پھر یہ مہر وہ نکاح کے ساتھ ادا نہیں کرتا اور عورتوں کے حقوق کی نفی کرتا ہے۔ یہ بھی عام بات ہے کہ مہر کی مقدار لاکھوں روپے مقرر کر دی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے یہ تاثر کار فرما ہوتا ہے کہ اس طرح شوہر طلاق دینے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نمود و نمائش اور خاندانی تنافر کے لیے زیادہ سے زیادہ حق مہر مقرر کیا جاتا ہے۔ اس بات میں عزت محسوس کی جاتی ہے کہ حق مہر زیادہ مقرر کیا گیا ہو۔ لیکن یہ حق مہر ادا نہ کر کے عورت کا استحصال کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی جاتی۔ ۲۷ اسی طرح مصنف نے ایک اور مضمون میں عورت کے طلاق اور خلع کے حق کے لیے بھی مدلل انداز میں آواز اٹھائی اور کہا کہ اسلام نے عورت کو خلع اور طلاق کی پوری سہولت میسر کر رکھی ہے۔ ۲۸

مسز صوفی لکھتی ہیں کہ پاکستان میں نان نفقہ کے حوالے سے عورت کا استحصال جاری و ساری ہے۔ لیکن اب نئے آرڈیننس کے تحت اس استحصال کرنے والے کو سزا ہو سکتی ہے۔ اور مردوں پر لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے نان نفقہ کے خود ذمہ دار ہوں گے۔ پاکستان میں ۱۹۶۰ء کی دہائی میں ایک آرڈیننس بنایا گیا ہے جس میں کہا گیا کہ نان نفقہ والے قانون کو توڑنے والے کو پانچ ہزار روپے سزا یا ایک سال قید بامشقت یا دونوں سزائیں بیک وقت بھی ہو سکتی ہیں۔ اس آرڈیننس کا پاکستانی خواتین نے نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا ہے۔ کیونکہ یہ آرڈیننس حقوق نسواں کے ضمن میں اہم قدم ثابت ہوگا۔ اگر حکومت اس قانون پر سختی سے عمل کروائے تو معاشرے کا نقشہ تبدیل ہو سکتا ہے۔ ۲۹

CamScanner

لیکن مرد عورت کو طلاق نہیں دیتا اور نہ ہی اس کا خلع کا حق اسے دیتا ہے۔ محمد احتشام الدین لکھتے ہیں کہ مرد کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اسلام نے عورت کو کس درجہ آزادی عطا کی ہے۔ مگر عورتوں کو یہ آزادی اس لیے حاصل نہیں ہے کیونکہ اسلامی فقہ مردوں نے مرتب کی ہے۔ "کنز الدقائق" جو فقہ حنفی کی معتبر کتب ہے۔ اس میں خلع کے متعلق بہت سے مسائل درج ہیں لیکن اس مسئلہ پر بحث نظر نہیں آتی کہ عورت خلع کی طالب ہو تو اس کو بخوشی و رضامندی بلا چون وچرا خلع دلا دینا واجب ہے۔ لیکن مرد اس مسئلے پر کوئی بحث نہیں کرتے۔ ۳۰

۵۔ا۔۲ معاشی بیداری نسواں:۔

جمیلہ بیگم پرانے زمانے کی عورت کے متعلق لکھتے ہوئی کہتی ہیں کہ قدیم ہندوستان کی عورتیں غلامانہ ذہنیت رکھتی تھیں۔ اس کا اثر آج کی عورتوں پر بھی نظر آتا ہے۔ اب جبکہ ہندوستان کی قومیں آزاد ہیں عورت جب تک اقتصادی ترقی حاصل نہیں کرے گی تب تک وہ قوم بھی معاشی تنزلی کا شکار رہے گی۔ ۳۱

ماہنامہ "عصمت" کے ستمبر ۱۹۴۸ء کے شمارے میں ایک جدول پیش کر کے کہا گیا کہ ملک اقتصادی طور پر کتنا بدحال ہو چکا ہے۔ اس جدول میں مختلف شہروں کے اعداد و شمار کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان شہروں میں اقتصادی حالت انتہائی مخدوش ہے۔ اس شیڈول میں پاکستان بننے کے بعد کا انڈیکس تیار کر کے دکھایا گیا کہ معمولی معمولی ضروریات زندگی کی اشیا میں بے تحاشا مہنگائی کا رحجان نظر آرہا ہے۔ آمدنی بہت محدود ہو رہی ہے۔ لیکن خرچ میں کئی گنا کا اضافہ نظر آتا ہے۔ گرانی کو روکنے او آمدنی بڑھانے کا واحد ذریعہ عورتوں کا معاشی جدوجہد میں مردوں کا ساتھ دینا ہے۔ ۳۲

بلقیس عصمت شفیع عورتوں کو آگاہی دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ ہندوستان کی عورتیں صرف غلام اور محکوم رہنا جانتی ہیں۔ اور آج بھی عورت غلامی کے چنگل سے آزاد نہیں ہو سکی ہے۔ حتٰی کہ ہندوستان کے مقابلے میں دوسری اقوام کو دیکھا جائے تو جب وہاں کی عورت محکومیت کا شکار تھی تو اس

CS CamScanner

وقت دوسری قوموں کی عورتیں نشانہ بازی سیکھ رہی تھیں۔ اس وقت ہماری عورتوں کو غلیل تک پکڑنا نہیں آتا تھا۔ اب جبکہ پاکستان ایک آزاد ملک بن گیا ہے۔ توسب سے بڑا خطرہ جنگ ہے۔ اس کے لیے ہمیں ہتھیاروں کا استعمال عورتوں کو سکھانا ہو گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عورت کو کھیتی باڑی بھی سیکھنی ہو گی۔ ہل چلانا ہو گا۔ اناج پیدا کرنے کے طریقے سیکھنے پڑیں گے۔ تا کہ جب مرد محاذ پر جنگ کر رہے ہوں تو عورتیں ان کا ساتھ نباہ سکیں۔ تا کہ ملکی سالمیت پر کوئی آنچ نہ آسکے۔ ۳۴ے

ماہنامہ "عصمت" میں وقت کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے عورتوں سے کہا گیا کہ اب ہر لڑکی کو مرہم پٹی کرنے کا طریقہ جاننا چاہیے۔ عورتوں کو فرسٹ ایڈ کے درس و تدریس کے پروگراموں میں شرکت کرنا چاہیے۔ لڑکیوں اور عورتوں کو نرسنگ کے پیشے میں آنا چاہیے۔ ان کو ان پیشوں کے لیے ماحول اور مواقع فراہم کیے جانے چاہئیں۔ ان کو ہسپتالوں کے چکر لگانے کی دعوت دی جانی چاہیے۔ تا کہ عورتیں ملکی ترقی میں مردوں کا ہاتھ بٹا سکیں اور اپنا کردار ملکی ترقی میں ادا کر سکیں۔ ۳۵ے

شائستہ اختر سہروردی بتاتی ہیں کہ عورتوں کو مصوری کی شاخ کمرشل آرٹ کو سیکھنا چاہیے۔ اس کے ذریعے خواتین بہ معقول آمدنی کما سکتی ہیں۔ کتابوں کے ٹائٹل پیج بنانا، اشتہاروں کے لیے پوسٹر بنانا، یہ کام اطمینان سے گھر بیٹھے ہو سکتا ہے۔ فوٹو گرافی بھی گھر بیٹھ کر کی جا سکتی ہے۔ گھر میں عورتیں اپنے فرصت کے اوقات میں یہ کام بخوبی سرانجام دے سکتی ہیں۔ یوں عورت آسانی سے گھر بیٹھ کر بھی آمدنی میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ ۳۶ے

دوسری جانب ایسی خواتین جو ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتی ہیں ان کے بارے میں بلقیس درانی اپنے مضمون میں کہتی ہیں کہ اگر خواتین ملک کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہیں وہ بھی ایسے وقت میں جب ملک مشکل حالات سے دوچار ہے تو ایسی خواتین کو چاہیے کہ وہ "مرکز اطلاعات" کو اپنی خدمات مہیا کر دیں۔ کیونکہ جب ہر طرف افراتفری کا عالم ہے اور بہت سے لوگ ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ہیں تو ان حالات میں لوگ اپنے عزیز و اقارب کی اطلاعات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر خواتین

"مرکز اطلاعات" میں ہوئیں تو وہ ان لوگوں کی بہتر طور پر تسکین کر سکتی ہیں اور ان کو ہر طرح کی معلومات بہم پہنچا سکتی ہیں۔ ۳۷

جمیلہ بیگم نے مشرق کی عورتوں کو تعلیم دیتے ہوئے مغرب کا حوالہ پیش کیا ہے کہ یورپ میں لڑکیوں کو بہت سی ضرورتوں کے علاوہ اپنا کاروبار کرنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ جس سے وہ اپنی آزاد کاروباری زندگی گزار سکتی ہیں۔ مثلاً وہاں لڑکیوں کو ہیر ڈریسنگ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جس سے وہ فیشن ایبل پارلر کھول سکتی ہیں۔ کسی پارلر میں کام کر سکتی ہیں اور معاشی طور پر خود کفیل ہو سکتی ہیں۔ ۳۸

عامرہ خاتون اپنے مضمون میں لکھتی ہیں کہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا ہے خواتین کو ملک کی ترقی میں بھرپور کردار ادا کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ یہ بات انھوں نے خواتین کے بین الاقوامی سیمینار کے دوران میں کہی۔ انھوں نے کہا کہ میں عورت کی معاشی خود کفالت کا حامی ہوں۔ اور دنیا کی نصف آبادی کو سماجی زندگی سے نکال کر نہیں پھینکا جا سکتا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وفاقی کابینہ میں ایک خاتون وزیر مملکت کو شامل کیا جائے گا۔ اور سیکریٹریٹ میں خواتین کی ایک ڈویژن قائم کی جائے گی۔ خواتین کو ملکی ترقی میں آگے بڑھنے کے تمام مواقع فراہم کیے جائیں گے۔ ۳۹

امت الحمید خانم لکھتی ہیں کہ سرسید کے بعد مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے مسلمانوں میں آزادی کا ذوق پیدا کیا۔ کچھ عرصے بعد اس میں مزید ترقی ہوئی۔ اور مسلم لیڈیز کانفرنس کا قیام ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ء کے لگ بھگ عمل میں آیا۔ یہ سب کچھ غیر سیاسی تھا۔ لیکن اس دوران میں خلافت اور دوسری تحریکوں کی وجہ سے مسلمان عورت سیاست میں آئی تو اس نے پہلی مرتبہ ملکی صنعت میں بھی دلچسپی لی۔ پھر مسلم لیگ کی حیات نو اور تحریک پاکستان پر اس نے اس مرحلے پر تیزی کے ساتھ مسلم عورت کو اپنے مردوں کے دوش بدوش لا کر کھڑا کیا۔ اور بہت تیزی سے اس انقلاب نے معاشرے کو اپنی زد میں لے لیا۔ اور مسلمانوں کی اس تحریک کو کامیاب بنانے میں عورت کی معاونت حیرت ناک حد تک شامل تھی۔ عورت نے اپنی بساط سے بڑھ کر ان تحریکوں میں مدد فراہم کی۔ اس کی ایک ظاہری مثال قائد

اعظم محمد علی جناح کی ہمشیرہ فاطمہ جناح ہیں جنھوں نے ہر قدم پر اپنے بھائی کی مدد کی۔ وہ ہر جگہ سائے کی طرح اپنے بھائی کے ساتھ رہتیں۔ اس طرح عورت نے سیاسی اور اقتصادی طور پر بیداری حاصل کرنے کی پہلی مرتبہ شعوری کوشش کی تھی۔ ٤٠؎

اسی طرح پروفیسر منور رؤف تحریک پاکستان میں خواتین کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ١٩٣٨ء کے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مسلم لیگ کی خاتون کونسلر بیگم حبیب اللہ نے ایک ریزولیوشن پیش کیا کہ مسلم خواتین کو قومی مقصد کی تکمیل کے لیے مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہو کر جدوجہد کرنی چاہیے۔ تاکہ مسلمان قوم جمع اور متحد ہو کر اپنے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ یوپی کے مولوی محمد فاروق نے اس ریزولیوشن کی حمایت کی۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ ویمن سب کمیٹی کا قیام یقینی بنایا گیا۔ جس میں پنجاب سے بیگم شاہنواز، لیڈی جمال خان، مسز رشیدہ لطیف، لیڈی عبدالقادر، بیگم شہاب الدین، مسز ایم ایم اصفہانی، بمبئی سے مس فاطمہ، مسز فیض طیب جی، بیگم حفیظ الدین، یوپی سے بیگم حبیب اللہ، بیگم قدسیہ بتول، بیگم وسیم، بیگم محمد علی جوہر، بیگم نواب اسمٰعیل خان، مس راحیلہ خاتون، سی پی سے مس نادر جہاں، بیگم نواب صدیق علی خان، بہار سے بیگم سر علی امام، بیگم اختر، آسام سے مسز عطاء الرحمٰن، مس جمال خان، سندھ سے لیڈی عبداللہ ہارون، لیڈی غلام حسین، ہدایت اللہ، بیگم شعبان، مسز طیب جی، دہلی سے مسز حسین ملک، مسز نجم الحسن، بیگم رحمٰن، صوبہ سرحد سے بیگم سعد اللہ خان، بیگم اللہ بخش مدارس سے مسز عائشہ اور مسز قریشی کو اس کمیٹی میں شامل کیا گیا۔ ٤١؎

ماہنامہ "عصمت" میں اس حوالے سے نظر دوڑائیں تو اندازہ ہو گا کہ خواتین کو یہ اقتصادی اور سیاسی بیداری دینے میں مرد مضمون نگاروں نے خواتین کی نسبت زیادہ مضامین تحریر کیے اور خواتین کو سیاست کے میدان میں آگے بڑھنے کی ترغیب کا زیادہ تر دارومدار مرد حضرات کے زور قلم پر تھا۔ وہ خواتین کو سیاست کے میدان میں آگے بڑھانے کی مسلسل کوششوں میں مصروف تھے۔ مصلح الدین

احمد نے اپنے مضمون "حق رائے دہی اور خواتین" میں تمام دنیا کے ممالک میں خواتین کا سیاسی حق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بیسویں صدی کے آخر پر صرف ۴ ممالک میں خواتین کو رائے دینے کا حق حاصل تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ۹۴ ممالک میں خوتین کو رائے دینے کا حق دے دیا گیا۔ یہاں تک کہ انھیں ووٹ ڈالنے کے حق کے ساتھ ساتھ انتخابات میں بھی حصہ لینے کی پوری آزادی دے دی گئی۔ اس طرح چند سالوں کے دوران خواتین کو سیاسی حق حاصل ہو گیا۔ پاکستان میں بھی خواتین کو اعلیٰ سیاسی عہدے دیے گئے ہیں۔ مغربی پاکستان کی کابینہ میں بیگم محمودہ سلیم وزیر تعلیم ہیں۔ تو مشرقی پاکستان میں ایک خاتون کو پارلیمانی سیکرٹری بنا دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ ریاستی اسمبلیوں میں پانچ پانچ خواتین اور مرکزی پارلیمان نیشنل اسمبلی ہی میں چھ خواتین موجود ہیں۔ ۴۲؎

٦۔ا۔۲۔ قصص نسواں:

جمیلہ بیگم فرانسس ہاجکنز کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مثال کے ذریعے پاکستانی عورتوں کی معاشی آزادی کا درس دیتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ باکمال خواتین کی تعداد تاریخ میں انتہائی قلیل رہی ہے۔ نقاشی کے فن کو دیکھا جائے تو اس شعبے میں کسی عورت کا کمال حاصل کرنا بہت حیرت انگیز بات ہے۔ مس فرانسس ہاجکنز نے نقاشی کے فن میں کمال حاصل کیا۔ اس مضمون کے ذریعے مصنفہ نے مس ہاجکنز کے قصے کو خواتین کی معاشی ترقی کے لیے بطور مثال پیش کیا کیونکہ ملکی آزادی کے ساتھ خواتین کا اس میدان میں آگے بڑھنا بھی اشد ضروری ہے۔ وہ مس ہاجکنز کی زندگی کے بارے میں بتاتی ہیں کہ وہ کئی سال تک تنگ و تاریک کمروں میں گزر بسر کرتی رہیں۔ کھانے پینے اور بالخصوص پینٹنگ کے لیے سامان خریدنے کے لیے اکثر ان کے پاس پیسہ نہ ہوتا تھا۔ مگر وہ ان تھک کوشش کیے گئیں پہلی بار ۱۹۲۸ء میں ان کی تصویر نمائش میں پیش کی گئی۔ اس کے بعد کئی سال تک سالانہ نمائش میں ان کی تصاویر بہت نمایاں رہیں۔ اور اس طرح انھوں نے شہرت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خود کو اقتصادی طور پر بھی آزاد کرالیا۔ ۴۳؎

نصیر الدین ہاشمی تحریر کرتے ہیں کہ رسالت مآبؐ کے عہد اور ان کے بعد کی خواتین کے حالات دیکھے جائیں تو واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی امور خانہ داری کے ساتھ دوسرے کاموں میں حصہ لیتی تھیں۔ اس سلسلے میں مصنف حضرت اسما بنت ابو بکرؓ کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت اسماؓ کی بہن اور حضرت زبیرؓ کی بیوی تھیں۔ گھر کے کاروبار کے ساتھ اپنی زمین میں جو مدینہ سے دو میل دور تھی روز جاتیں اور وہاں سے گھوڑے کے لیے چارہ لاتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ میدان جنگ میں شوہر کے ساتھ کافروں کا مقابلہ کرتی نظر آتی ہیں تو یوں ان کی زندگی گھر تک محدود نہیں ہے۔ ۴۴؎

ان قصوں کا مقصد اولین عورت کو یہ بتانا ہے کہ اسلام عورت کو گھر میں قید رکھنے یا رہنے کا حکم نہیں دیتا۔ بلکہ خواتین اپنی حد میں رہ کر معاشرتی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ ظہیر فاطمہ لطف النساء کی بہادری کی بابت رقم طراز ہیں کہ لطف النساء سراج الدولہ کی خاص کنیز تھی۔ غم اور خوشی ہر حال میں اس نے راجہ کا ساتھ نبھایا۔ وہ سراج الدولہ کے ساتھ ہیرا جھیل کی رومانی وادیوں میں رہتی تھی۔ اور جب سراج الدولہ نے بہار پر حملہ کیا تو یہ اس جنگ میں بھی اس کے ساتھ تھی۔ ۴۵؎

شائستہ اختر سہروردی نے نورالنساء عنایت علی خان کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ نور النساء عنایت خان ہوائی جہاز کے خواتین کے شعبہ میں تھی۔ اور جب فرانس پر حملہ کیا گیا تو نورالنساء کو سب سے پہلے مخبری کے لیے دشمنوں کے علاقے میں اتارا گیا۔ وہ نہایت دانش مندی اور کامیابی سے کئی مہینوں تک اقوام متحدہ کو خبریں پہنچاتی رہیں۔ اور حالات کا سامنا جواں مردی سے کرتی رہیں۔ آخر میں شائستہ اختر سہروردی نے پاکستانی خواتین کو بھی ہر طرح کے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار رہنے کی ترغیب دی۔ ۴۶؎

مسز سروجنی نائیڈو بر عظیم کی تاریخ میں ایک عظیم عورت گزری ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں مسز سروجنی نائیڈو کی زندگی کے متعلق کئی مضامین شائع ہوئے۔ نذر سجاد حیدر مسز سروجنی نائیڈو کا سراپا بیان کرتے ہوئے اپنی ملاقات کا احوال یوں تحریر کرتی ہیں کہ مسز سروجنی کی سیاہ بڑی بڑی آنکھیں،

کشیدہ وخمیدہ ابرو، چہرہ پر بلا کی ذہانت اور انتہائی خوش اخلاق تھیں جو ان سے ملتا ان کی شگفتہ مزاجی کی وجہ سے انھیں ہمیشہ یاد رکھتا۔ میری ان سے ملاقات ایک جلسے میں ہوئی۔ لیکن اس جلسے میں سب سے معزز ہونے کی باوجود مسز سروجنی کی شخصیت میں کسی قسم کا کوئی غرور نہیں تھا۔ جلسے کی خواتین زمین پر دریاں بچھا کر بیٹھی تھیں یہ بھی زمین پر بیٹھ گئیں۔ ۴۷

شائستہ اکرام اللہ ان کی شخصیت کے ایک دوسرے پہلو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ مسز نائیڈو کا کمال یہ تھا کہ سیاست کے میدان میں رہتے ہوئے بھی کبھی سیاست کی گندگی سے خود کو آلودہ نہیں کیا۔ آپ کی تحریر اور تقریر میں فرقہ وارانہ عناصر ناپید تھے۔ اور جب نفرت اور عداوت کے بلند بانگ شعلے، حق انصاف اور ایمان سب کو نکال چکے تھے۔ تب بھی آپ اپنے اصولوں سے پیچھے نہ ہٹیں۔ ۴۸

ضیاء الدین نے مسز سروجنی نائیڈو کے ادبی پہلو پر روشنی ڈالی اور کہا کہ انگلستان میں مسز سروجنی نائیڈو نے انگریزی شعرا کی تقلید میں انگریزی عنوانات پر نظمیں لکھیں۔ لیکن پھر ایڈ منسر گوس جو خود ایک بہت بڑے ادیب تھے۔ ان کے ذوق شاعری کو دیکھ کر انھیں مشورہ دیا کہ وہ ہندوستانی موضوعات پر نظمیں لکھیں۔ چنانچہ اس کے بعد انھوں نے جتنی نظمیں لکھیں وہ ہندوستانی اور مذہبی ہیں۔ ان میں پالکی، پردہ نشین، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کی بعض نظمیں بالکل صوفیانہ ہیں۔ مثلاً ان کی ایک نظم "تلاش" ہے۔ جس میں انھوں نے اسمائے الٰہی کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ ۴۹ اسی طرح ان کے متعلق متنوع مضامین لکھ کر ہندوستانی عورت کو آگے بڑھنے کی دعوت دی گئی۔

جمیلہ بیگم، راحت آراء بیگم کا قصہ بیان کرتے ہوئے باپردہ گھر بیٹھی مستورات کو اخلاقی سبق سکھانے کی کوششیں کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ راحت آراء بیگم امیر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھی افسانہ نگار بھی تھیں۔ لیکن ان کے مزاج میں اس قدر انکسار تھا کہ ادنیٰ قسم کی عورت بھی بات کرنے آتی تو اسے ضرور بات کرتیں اور ان کی دلجوئی اور مدد کرتیں۔ اور پھر ان کے دکھ درد کو سن کو افسانے کی

صورت میں پیش کر کے ان کے درد کا مداوا کرتیں۔ وہ اتنی محنتی اور قابل تھیں کہ بنگال میں رہنے اور بنگالی بولنے کے باوجود ٹھیٹ ہندوستانی بولتی تھیں۔ اور اُردو کی اس قدر شوقین تھیں کہ اپنے شوہر کو جو مشرقی بنگال کے باشندے تھے اُردو داں بنا دیا تھا۔۵۰ اس طرح خواتین کو بتایا گیا کہ وہ اپنے اندر وہی جذبہ اور طاقت پیدا کریں جو ان سے پہلے خواتین میں موجود تھا۔

اسی طرح زہرہ جمال خواتین اسلام کے کارناموں کے متعلق لکھتی ہیں کہ

ایک دفعہ دریائے دجلہ کے کنارے میسان کے لوگوں اور مسلمانوں میں شدید گھمسان کی جنگ ہوئی۔ حضرت مغیرہ جو اس وقت فوج کی سپہ سالاری کر رہے تھے۔ انھوں نے عورتوں اور بچوں کو میدان جنگ سے بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ جنگ بہت شدید تھی۔ اس وقت ارزہ بنت حارث (جو کہ طبیب العرب کندہ کی پوتی تھیں) نے خیال کیا کہ مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے دوپٹے کا جھنڈا بنایا۔ ان کو دیکھ کو دوسری عورتوں نے بھی اپنے دوپٹوں کے جھنڈے بنا لیے۔ اور یہ علم لہراتی ہوئیں میدان جنگ میں جا پہنچیں۔ دشمن نے سمجھا مسلمانوں کو نئی مدد مل گئی ہے۔ وہ ڈر گیا اور پسپا ہو گیا۔۵۱ یوں ارزہ کی بہادری مسلمانوں کی کامیابی کی ضمانت بن گئی۔ لہٰذا مسلمان عورتوں کو جنگ کے حالات میں مردوں کا پورا پورا ساتھ دینا چاہیے۔

ماہنامہ "عصمت" میں پاکستانی خواتین کے قصے اور ان کے بارے میں بھی معلومات فراہم کی گئیں۔ عابدہ معین بلوچی خواتین کے متعلق تحریر کرتی ہیں کہ بلوچستان کی امیر، غریب، سب گھرانوں کی خواتین خوددار اور صابر و شاکر ہوتی ہیں۔ نوابوں اور سرداروں نے کئی کئی بیگمات رکھی ہوتی ہیں۔ اور یہ بیگمات بیک وقت ایک ہی حویلی کے اندر نہایت خاموشی اور تحمل سے مل جل کر زندگی گزار لیتی ہیں۔ بلوچی عورتیں اونچی آواز میں بولنا عیب سمجھتی ہیں۔ لڑکیاں اور بڑی بوڑھیاں آہستہ آواز میں بات کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ہاں فوتگی یا ماتم ہو تو بھی واویلا کرنے کے بجائے خاموشی سے دکھ کا اظہار کرتی ہیں۔ اور واویلا اور شور مچانے کو برائی تصور کرتی ہیں۔۵۲

ماہنامہ "عصمت" کا یہ امتیاز رہا ہے کہ اس میں بیک وقت اصلاح نسواں کے لیے ہر طرح کی خواتین کے قصے بیان کیے گئے۔ ہندوستان کے مسلمان گھرانوں میں رقص کو غیر اسلامی سمجھا جاتا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نے مسلمان خواتین کے قصے بیان کر کے ثابت کیا کہ اسلام میں ایک حد کے اندر رقص کی اجازت ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اسلامی رقص کے متعلق یہ چند احادیث ہیں۔ ایک مرتبہ بدوی عرب رقص کر رہے تھے۔ اور بی بی عائشہ آنحضرتؐ کے پیچھے کھڑی ہو کر رقص دیکھتی رہیں۔ ایک طویل عرصے تک آنحضرتؐ کے پیچھے کھڑے ہو کر آپ نے رقص دیکھا۔ ایک دوسری حدیث یہ ہے کہ آنحضرتؐ ایک مرتبہ جنگ سے واپس آئے۔ تو ایک سیاہ رنگ کی کنیز آئی اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے نذر مانی تھی۔ اگر خدا آپؐ کو صحیح سالم واپس لائے گا تو میں دف بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ آپؐ نے فرمایا اگر نذر مانی ہے تو گاؤ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابو بکر تشریف لائے۔ اور اس وقت بی بی عائشہ کے پاس دو کنیزیں تھیں وہ دف بجا کر ناچ رہی تھیں۔ آنحضرتؐ کپڑے سے منہ ڈھانکے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کنیزوں کو جھڑکا۔ رسولؐ نے منہ کھول کر فرمایا۔ ہر قوم کی عید ہوتی ہے۔ یہ ہماری عید ہے۔ اس سب سے یہی واضح ہوتا ہے کہ قومی رقص کرنا اسلام میں منع نہیں ہے۔ ۵۳

مصنف ہندوستانی عورتوں کو ہر شعبہ زندگی میں حصہ ڈالنے کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ خود کو نام نہاد اسلام کی خود ساختہ پابندیوں میں مت رکھیں بلکہ خود اسلام کا مطالعہ کریں اور ان خواتین کے قصوں سے اپنی زندگی کو منور کریں۔

اسلامی اور پاکستانی عورتوں کی مثالوں کے ساتھ ساتھ یورپی عورتوں کے قصے بھی بیان کیے گئے اور ان معاشروں کی خواتین کی زندگی پر مضامین لکھے گئے۔ ج۔ بیگم امریکن عورتوں کی مثالی زندگی کا نقشہ یوں بیان کرتی ہیں کہ امریکی عورتیں اپنا لباس جدید فیشن کے مطابق خود سی سکتی ہیں۔ خود سینے سے وہ اپنی مرضی کے کپڑے پر مرضی کی تزئین و آرائش بھی کر سکتی ہیں۔ پھر اپنا خرید اہو کپڑا معیاری

اور سستا بھی پڑتا ہے۔ کپڑے خود سینے سے سلائی کی بچت ہوتی ہے اور گھر پر بیکار بیٹھنے کے بجائے ایک مشغلہ بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سلائی کے بچت کیے ہوئے پیسوں سے وہ دوسری چیزیں جوتے، ہینڈ بیگ، ہیٹ، اسکارف وغیرہ بھی خرید سکتی ہیں یا بچایا ہوا پیسہ کسی دوسری ضرورت کی جگہ پر خرچ کرتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس معیار زندگی بھی کم نہیں ہوتا اور وہ ملکی واقتصادی طور پر خوشحال ہوسکتی ہیں۔ ؁۵۴

اسی طرح جاپانی عورتوں کے بارے میں مسز برلاس تحریر کرتی ہیں کہ جاپانی عورت اپنا سالانہ بجٹ بنا کر خرچ چلاتی ہے۔ وہاں گھر میں نوکر رکھنے کا رواج نہیں ہے۔ ہر عورت اپنے گھر کا کام خود کرتی ہے۔ اور یہ کام کر کے شوہر کو جتاتی نہیں کہ اس نے اس پر کوئی احسان کیا ہے۔ کیونکہ جاپانی عورت اپنا فرض نبھانا خوب جانتی ہیں۔ کام کرنے کے باوجود جاپانی عورت بڑی پروقار ہوتی ہے۔ وہ سستی اور کاہلی سے نفرت کرتی ہے۔ اب جب کہ جاپان صنعتی طور پر اتنا آزاد ہو چکا ہے تو اس کی عورتیں بھی اقتصادی ترقی میں مردوں کا ہاتھ بٹانے کے لیے میدان میں نکل آئی ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود جاپانی عورت اپنے گھریلو فرائض نہیں بھولتی۔ ؁۵۵

اس طرح روس کی ایک امیر تاجر خاتون آغا خانم نے تجارت کر کے جو دولت اکٹھی کی اس کا استعمال بھی بہت اچھا کیا۔ اس نے تقریباً دو سو ابتدائی مدرسے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے بنائے۔ جن میں ترکی زبان، حساب اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جو جائیدادیں ان مدارس کے لیے وقف کی گئی ہیں ان جائیدادوں سے حاصل ہونے والی آمدنی سے یہ مدرسے آئندہ بھی چلتے رہیں گے۔ آغا خانم خود اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ لیکن اس کا نام ہمیشہ دنیا میں باقی رہے گا۔ ؁۵۶ یوں پاکستانی خواتین کو باعمل اور بامقصد زندگی گزارنے کا راستہ دکھایا گیا۔

۷۔۱۔۲۔پردہ اور لباسِ نسواں:۔

نصیر الدین ہاشمی نے اپنے مضمون "لباس اور پردہ" میں بہت مدلل انداز میں پاکستانی لباس کے حق میں بات کی انھوں نے تمام اسلامی نظریات کے بعد مشرق و مغرب کے لباس کا موزانہ کرتے ہوئے کہا کہ حضورؐ نے یہ نہیں بتایا کہ شلوار پہنی جائے یا ساڑھی باندھی جائے۔ بلکہ اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ مرد اور عورتیں "ساتر "لباس پہنا کریں اور عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی زینت کو بھی چھپائے رکھیں۔ اس لحاظ سے آج کل جو بلوز اور جمپر پہنا جاتا ہے۔ اس میں نصف اور پورے ہاتھ بلکہ سینہ کا بھی بڑا حصہ عریاں رکھا جاتا ہے۔ وہ احکام اسلام کے خلاف ہے اس کو غیر اسلامی کہا جائے گا۔ مصنف نے مشرقی اور مغربی لباس کا موازنہ کر کے کہا کہ ایسی شلوار جو نہ زیادہ چست ہو اور نہ زیادہ کھلی اور اس کے ساتھ اوڑھنی اور قمیص بہترین لباس ہے۔ جو اسلامی لباس کے تصور سے مماثلت رکھتا ہے۔ اس کو پاکستانی عورت کا لباس قرار دینا چاہیے۔ ۵۷؎

مصنف نے اپنے ایک اور مضمون جو نومبر ۱۹۵۰ء میں ماہنامہ "عصمت" میں "مسلمان عورت کے لباس کی مختصر تاریخ" میں مدلل بحث کر کے لباس کے بارے میں معلومات دیتے ہوئے کہا کہ قرآن مجید یا حدیث نبویؐ میں کسی خاص لباس کے پہننے کے متعلق کوئی احکامات درج نہیں ہیں۔ صرف "سارتر" لباس کا حکم ہے۔ حضورؐ اور خلفائے راشدین کے زمانے پر نگاہ ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ عورتوں کے لباس میں اکثر و بیشتر تین چیزیں شامل تھیں۔ شلوار یا پائجامہ جس کو حجرہ کہتے تھے۔ دوسری قمیص جس کو جلباب کہا جاتا تھا۔ کبھی اس کو خلیع کہتے تھے۔ جو بغیر آستینوں کے ہوتی تھی۔ تیسرے اوڑھنی جس کو ذرع اور رداء کہتے تھے۔ اگر اسلام کا مطالعہ کیا جائے۔ تو مختلف احادیث میں عورتوں کے اسی لباس کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے ہی سارتر لباس عورتوں کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ ۵۸؎

CamScanner

دوسری جانب لباس کے حوالے سے مضامین لکھے گئے جن میں تنگ اور چست لباس کی بھرپور مخالفت کی گئی۔ محمودہ حق لکھتی ہیں کہ لڑکیوں میں تنگ اور چست لباس پہننے کی ذمہ داری ایک حد تک کالج کی انتظامیہ، پرنسپل، ٹیچرز، اور ہیڈ مسٹریس پر عائد ہوتی ہے۔ اگر وہ طالبات پر سختی کریں اور انھیں اسلامی لباس سے آگاہ کرتی رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ طالبات میں ایسے فیشن مقبول ہوں۔ اس کے علاوہ گھریلو طور پر دیکھا جائے تو مائیں خود فیشن کرنے میں پیش پیش ہوتی ہیں۔ اور بعض مائیں تو بغیر آستین کے چپکی ہوئی قمیص پہنتی ہیں اور اپنی جواں بیٹیوں کو بھی فخریہ ایسے لباس سلوا کر دیتی ہیں۔ اور کہتی ہیں کہ یہ تو جدید زمانے کا فیشن ہے۔ ۵۹؎

اسی طرح عائشہ صدیقہ لکھتی ہیں کہ فی زمانہ غرارے کا رواج زور پکڑ رہا ہے۔ اگرچہ یہ بہت سی خواتین کا عام پہناوا ہے۔ اور یہ فیشن کا جزو نہیں ہے۔ یہ لباس ماضی میں بھی نوابوں اور جاگیرداروں کی خواتین کا پسندیدہ لباس تھا۔ اس کو شاہانہ لباس بھی کہتے ہیں۔ اس کا نام شاہانہ لباس اس لیے پڑا کیونکہ مغلیہ دور حکومت میں شاہی خواتین اور بیگمات شاہی کا یہی لباس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غرارے کا شمار شاہانہ لباس میں کیا جاتا ہے۔ اور اب یہ ہمارے فیشن میں رواج پکڑتا جا رہا ہے۔ ۶۰؎

پاکستان بننے کے بعد ماہنامہ "عصمت" میں لباس پر مضامین کے ساتھ ساتھ پردے کی مخالفت اور موافقت دونوں پر مضامین لکھے گئے۔ لیکن ہر دو طرح کے مضامین میں رسمی ہندوستانی پردے کی شدید مخالفت کی گئی۔ اور خواتین کو گھر میں باپردہ بنا کر بٹھانے کے نقصانات واضح طور پر بیان کیے گئے۔ صدیقہ بانو لکھتی ہیں کہ مرد عورت کو کسی قسم کے پردوں میں ملبوس کر کے اور کن اوصاف میں مزین دیکھنا چاہتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کی تباہی اور خونریزی نے اس رسمی پردے کی وجہ سے کئی عورتوں کی زندگیاں تباہ و برباد کر کے رکھ دی ہیں۔ عورت کی مجبوری اور بے بسی کی حکایات عام ہیں۔ اور اب پاکستان میں پھر پردے کی بحث شروع کر کے دراصل عورت کو دوبارہ مجبور و محکوم بنایا جا رہا ہے۔ ۶۱؎

CamScanner

زینب گلشن لکھتی ہیں کہ پردہ کی قید سے لڑکیوں کو معاشرے میں آزادی حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ تہذیب و شائستگی اور آداب ملاقات کے طریقے سیکھ سکتی ہیں۔ بزرگ خواتین ٹھنڈے دل و دماغ سے غور فرمائیں کہ وہ اپنی لڑکیوں پر ایسی پابندیاں لگا کر ان کو تعلیم اور ہنر جیسی مفید چیزوں سے محروم کر رہی ہیں۔ اس طرح وہ زندگی کے ہر شعبے میں ناکام ہو جائیں گی۔ ان کی تمام فطری صلاحیتیں ایسے پابندیوں سے ختم ہو جاتی ہیں۔ ۶۲ے

۸۔۱۔۲۔ سماجی بیداری نسواں:۔

ظفر اسلام منہاس ساس بہو کے جھگڑوں کی بنیادی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب نئی اور پرانی تہذیب کی آپس میں ٹکر ہوتی ہے تو پھر جھگڑا جنم لیتا ہے۔ بہو سمجھتی ہے کہ ساس جو کچھ کرتی ہے موجودہ زمانے کے خلاف ہے۔ اسی طرح ساس کا یہ خیال کرنا کہ بہو جو کچھ کرتی ہے وہ خاندانی روایات کے خلاف ہے۔ اس طرح جھگڑے شروع ہوتے ہیں دوسری جانب ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ساس سمجھتی ہے کہ بہو نے اس کا بیٹا چھین لیا ہے۔ اور دوسری طرف بہو یہ سمجھ رہی ہوتی ہے کہ میری ساس نے مجھ سے میرا شوہر چھین لیا ہے اور یوں جھگڑے کا آغاز ہوتا ہے۔ ساس بہو کے بنیادی جھگڑوں میں لڑائی کی ایک وجہ بہو کا احساس تفاخر بھی ہو سکتا ہے۔ بہو یہ سمجھتی ہے کہ میں پڑھی لکھی ہوں اس لیے حالات کو زیادہ بہتر سمجھتی ہوں اور میں ساس سے منفرد بھی ہوں اس لیے ساس کو میری رائے کا احترام کرنا چاہیے۔ اسی طرح کبھی کبھی ساس بہو کو کم جہیز لانے پر طعنوں کا نشانہ بناتی ہے۔ اس سے بہو دل برداشتہ ہو کر زبان درازی پر اتر آتی ہے۔ کیونکہ گھر میں اگر بہو کو اجنبی اور غیر سمجھا جائے گا تو نتائج لڑائی کے علاوہ کچھ نہیں ہوں گے۔ ۶۳ے

جہان بانو لکھتی ہیں کہ کبھی کبھی ساس کا طرز عمل اور رویہ نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ لیکن جب بہو مقابلے پر آتی ہے تو وہ ساس سے بھی دو ہاتھ آگے نکل آتی ہے۔ پھر بہو ساس کو اپنے برابر کا سمجھ

کر تہذیب و شائستگی اور متانت چھوڑ کر پست خیالات کا اظہار کرتی ہے۔ اس طرح بہو بھی ساس کے ساتھ برابر کی شریک ہوتی ہے۔ ۶۴

نصیر الدین ہاشمی ان بہوؤں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ایسی عورتیں جو زبان کی تیزی سے کام لیتی ہیں۔ ان کو نہ تو اپنی کم علمی کا احساس ہوتا ہے نہ پھوہڑ پن کا۔ وہ اپنی زبان درازی سے کام لینا جانتی ہیں۔ اور صرف لڑنا ان کا مشغلہ زندگی ہوتا ہے۔ وہ بخوبی جانتی ہیں کہ مرد کی آمدنی کیا ہے اور کتنی تنخواہ ملتی ہے؟ مگر اس کے باوجود اپنے پھوہڑ پن اور بے سلیقگی سے وہ سب کچھ خرچ کر کے وہ مزید پیسوں کا مطالبہ کرتی ہیں اور پھر ساس اور شوہر سے لڑائی کرتی ہیں۔ یوں گھر بھر میں فساد بنا کر بہانہ کرتی ہیں کہ ان کی ساسیں ان سے لڑائی کرواتی ہیں۔ ۶۵

لیکن بعض ساسیں بھی بہوؤں کے ساتھ برا سلوک کرتی ہیں مسرت ادریس کہتی ہیں کہ سب سے پہلی شکایت اگر آپ کسی ساس سے سنیں تو یہی کہیں گی کہ میری تو قسمت ہی خراب تھی کہ اس عورت کو بہو بنا کر لے آئی۔ ماں باپ نے گوشت کے لوتھڑے کو پال پوس کر ہمیں دے دیا اپنی بیٹی کو ہنر سکھایا نہ سلیقہ۔ اپنی بیٹی کو کھانا بنانا بھی نہیں سکھایا۔ صرف سیر و تفریح اور فیشن کرنا سکھایا ہے۔ حالانکہ اسی (۸۰) فیصد ساسوں کی یہ بات غلط دیکھی گئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ساسیں اپنی بیٹیوں اور بہوؤں میں فرق روا رکھتی ہیں اور بہوؤں کے سامنے بیٹیوں کے معمولی کام کی تعریفوں کے پل باندھتی ہیں لیکن بہوؤں کے اچھے سے اچھے کام کی تعریف نہیں کرتیں۔ حالانکہ ساس کی عقلمندی اس میں ہے کہ بہو کو اپنی بیٹی سمجھ کر نرمی و مہربانی سے آہستہ آہستہ کام بتائیں تاکہ وہ سیکھ سکیں۔ اگر ہر وقت ان کے کام میں عیب نکالے جائیں گے۔ تو وہ دلبرداشتہ ہو جائیں گی۔ ۶۶

اسی طرح عورتوں کو شوہروں کے ساتھ بہترین سلوک رکھنے کی تاکید کی۔ ماہنامہ "عصمت" میں اس حوالے سے لکھے گئے تمام مضامین میں عورت کو صلاح دی گئی کہ وہ شوہر اور سسرال کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کر کے گھریلو زندگی کو جنت کا مکمل نمونہ بنا سکتی ہیں۔ بیگم نصیر الدین لکھتی ہیں کہ

عورت کو گھر کی ذمہ داری سنبھالنے کا فریضہ سر انجام دینا چاہیے۔ انھیں ہر قسم کے کام میں مکمل توازن کا خیال رکھنا چاہیے۔ مصنفہ نے خواتین کو مختلف مثالیں دے کر یہ سمجھایا ہے۔ کہ کس طرح طبقۂ نسواں کو گھر میں ایک منتظمہ کی حیثیت سے زندگی گزارنی چاہیے۔ اس کو گھر کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ قومی و ملکی خدمات سر انجام دینی چاہیے۔ یہ نہیں کہ جہاں مرد نے عورت کو ذرا سی ڈھیل اور آزادی دی وہاں عورت بالکل ہی آزاد خیال بن کر بیٹھ گئی۔ عورت مرد کی نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیتی ہے۔ شوہر بیوی کو سیر پر جانے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر بیگم صاحبہ اس سے یہ مطلب نکالتی ہیں کہ اب مجھے مکمل آزادی حاصل ہو گئی ہے۔ صبح نیشنل گارڈ کی پریڈ میں تشریف لے گئیں۔ تو دوپہر کو جلسے میں، شام کو ٹی پارٹی اور رات کو زنانہ مسلم لیگ کے دفتر میں قومی کام کرنا ضروری سمجھ لیا۔ شوہر گھر آیا تو دیکھا ہر طرف گندگی پھیلی ہے۔ چیزیں بکھری پڑی ہیں۔ بڑے صاحبزادے سینما گئے ہوئے ہیں۔ صاحبزادیاں تاش کھیل رہی ہیں۔ اور ننھے میاں غلاظت میں لت پت گھر کے فرش پر پھر رہے ہیں۔ گھر میں اول تو ملازم ہے نہیں اور گھر میں ہیں بھی تو انھیں معلوم ہے کہ بیگم صاحبہ گھر پر نہیں ہیں جیسا کچا پکا چاہو پکا کر اتار لو۔ اور گھر میں سے جو کچھ ہاتھ آیا اڑا لیتے ہیں۔ اور بہت سی بیویاں خانساماں بھاگ جانے کی صورت میں شوہروں کو کام پر لگا لیتی ہیں۔ ان سے چولھا سلگوانے کے ساتھ ساتھ برتن منجھواتی ہیں اور سبزی کے لیے ٹوکری دے کر بھیج دیتی ہیں یوں شوہر تنگ آکر بیویوں سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں اور اس طرح خانگی زندگی میں مشکلات جنم لیتی ہیں۔[٦۷]

بعض دفعہ خانگی زندگی میں تناؤ کا سبب خواتین نہیں بلکہ مرد حضرات ہوتے ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی ایسے شوہروں کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی حرکتوں کی وجہ سے خانگی زندگی لڑائی جھگڑوں کا شکار ہوتی ہے۔ ان شوہروں کے جرائم مندرجہ ذیل ہیں۔ دوسری عورتوں سے تعلقات رکھتا ہے جنھیں جائز نہیں کہا جا سکتا۔ دوسرے لوگوں اور ملازمین کے سامنے بیوی پر خفگی کا اظہار کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی بیوی کی سبکی ہوتی ہے۔ راتوں کو دیر دیر سے گھر آتا ہے۔ بیوی کی بات بات پر اعتراض کرتا ہے۔

CS CamScanner

اور اُسے ٹوکتا رہتا ہے۔ خرچ کے لیے ایک مقررہ رقم دیتا ہے۔ اور یہ رقم بھی ایک ایک پیسے کے حساب سے خرچ کرنے کے بعد شوہر کو تفصیل بتانی لازم ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ رقم اخراجات کی نسبت ناکافی ہوتی ہے دوسری عورتوں سے خط و کتابت اور دوستانہ تعلقات رکھتا ہے۔[۶۸]

ان سب باتوں کے برعکس سید امتیاز علی تاج نے ازدواجی زندگی کی تلخی کا سب سے بڑا سبب روپے پیسے کی کمی کو بتایا ہے۔ ان کے نزدیک ازدواجی زندگی میں طرح طرح کی جو مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں آدھی سے زیادہ کا تعلق روپے پیسے سے ہے۔ انسان دنیا میں طرح طرح کی مشکلات برداشت کرتا ہے۔ مختلف طرح کی ضروریات انسان کے دم سے لگی ہیں۔ اور ان کو مکمل کرنے کا جنون عورت و مرد کے سر پر سوار رہتا ہے۔ دن رات انسان ان ضروریات کی تکمیل میں الجھا رہتا ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ ان ضروریات کی تکمیل کے لیے روپیہ کہاں سے آئے گا۔ اور اگر روپیہ ان کے بس میں نہیں تو پھر انسان یہ سوچنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ اپنی کن کن ضروریات کو کس کس طریقے سے کم کر سکتا ہے۔ لیکن انسان ان بکھیڑوں سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ اور اُسے مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔[۶۹] اس کی وجہ سے اس کی گھریلو زندگی جہنم کا نقشہ بن کے رہ جاتی ہے۔

ماہنامہ "عصمت" میں عورتوں کو معاشرے میں رہن سہن کے طریقے بتانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ معاشرہ کتنی زبوں حالی اور دگرگوں حالات کا شکار ہے۔ اور اس وقت عورت کو کن کن مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ صدیقہ بانو پاکستان بننے کے فوراً بعد کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اب پاکستان بننے کے بعد ریل میں سفر کرنا عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے خطرناک بات بن چکی ہے۔ چلتی ریل میں سے عورتوں اور مردوں کو باہر پھینک دینے کے سینکڑوں واقعات سامنے آچکے ہیں لہٰذا اب عورتوں کو ریل میں محتاط طریقے سے سفر کرنا چاہیے۔[۷۰]

اس طرح شہر کے بیرونی حالات کے ساتھ ساتھ گھر میں رہن سہن کے حوالے سے بھی خواتین میں آگاہی پیدا کی گئی۔ سید رضا احمد جعفری عورتوں کو گھروں کی آرائش کے سلسلے میں آگاہ

کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کھانے کی میز یا چوکی بہت مضبوط اور خوشنما ہونی چاہیے۔ میز کے پائے زیادہ نہ ہوں۔ ورنہ وہ لوگ جو کھانے کے لیے اس میز پر جمع ہوں گے۔ ان کو مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے وہ "گیٹ لیگ" میز کو کھانے کی میز کے طور پر استعمال کرنے کا مشورہ نہیں دیا جاتا ہے۔ چار یا چھ صاف ستھری کرسیاں کھانے کے استعمال کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ اور دو کرسیاں الگ رکھ لی جائیں تاکہ اگر کبھی مہمان آجائیں تو وہ بھی کھانے کی میز پر شریک ہو سکیں۔ میز کرسیوں کا رنگ اور ڈیزائن ایک جیسا ہونا چاہیے۔ مشرقی طرز کا کھانا تو قالین پر بیٹھ کر اسلامی طریقے سے کھایا جاسکتا ہے۔ [۱]

اس طرح مولوی ظفر احمد "خانہ داری" میں لکھتے ہیں کہ برش اور کنگھی کو کبھی کبھی صاف کر لینا چاہیے۔ اپنے برش اور کنگھی کو فارمیلن میں بھگو کر خشک کریں اور اسے اچھی طرح صاف کر کے دھولیں۔ اس طرح عورتوں کو گھریلو ٹوٹکوں ذریعے سکھایا گیا۔ [۲]

نزہت آراء بیگم لکھتی ہیں کہ جلد کی روزانہ صفائی، کنگھی، بالوں اور جلد کو غذا پہنچانے میں پابندی از حد ضروری ہے۔ اگر جلد اور بالوں کو نظر انداز کیا جائے تو اسے یہ بدرونق نظر آتے ہیں۔ بعض عورتیں تین چار دن تک کنگھی نہیں کرتیں۔ اپنے چہرے اور ہاتھوں پاؤں پر توجہ نہیں دیتیں اور جب کسی محفل میں شریک ہونا ہو تو چہرے پر میک اپ تھپ لیتی ہیں۔ اس طرح چہرے کی رہی سہی تازگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ فطری صفائی حسن کو قائم رکھتی ہے اور عورتوں کو صاف ستھرا رہنا چاہیے۔ [۳]

آمنہ نازلی عورتوں کے سگھڑاپے اور سلیقے کو بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ پہلے زمانے میں جب بارہ تیرہ سال کی عمر میں لڑکیوں کی شادی ہوتی تھی تو ماں کے جہیز میں سے بہت سی اشیاء بیٹی کے جہیز میں کام آجاتی تھیں۔ عورتیں اپنے کپڑے سنبھال کے رکھتی تھیں تاکہ ان کی بیٹیوں کے کام آسکیں۔ مگر موجودہ زمانے کی عورت اس سگھڑاپے اور سلیقے سے نابلد ہے۔ [۴] اس طرح سماجی طور پر عورتوں کو متحرک رہنے اور سلیقہ مند اور باہنر ہونے کی اشد ضرورت ہے۔

ماہنامہ "عصمت" میں زندگی کے ہر شعبے کے متعلق مضامین لکھے گئے اور زندگی کی ہر سطح پر عورت کی اصلاح اور رہنمائی کی گئی۔ ہندوستانی معاشرے میں پیری فقیری اور مریدی کا جو غیر اسلامی نظام چلا آرہا ہے اکثر اوقات اس کی شدید مخالفت بھی کی جاتی تھی۔ آنسہ ایم ایس جے لکھتی ہیں کہ دوسرے ممالک کے باشندے کتنے باذوق اور خوش خلق ہیں کہ ان لوگوں نے اپنے اندر سے تفرقہ بازی کی لعنت کو ختم کر دیا ہے۔ وہاں صرف مسلمان رہتے ہیں اور اخوت و بھائی چارے کے سنہرے اصول پر عمل کرتے ہیں۔ وہاں سنی اور شیعہ نام کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ان ممالک میں اگر کوئی صاحب کشف و کرامات بھی ہو۔ تبھی اس کو اپنے جیسا ہی بندہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہاں ہندوستان میں اگر کسی "سید" کے سامنے ذرا سی زبان پھسل جائے تو کہا جاتا ہے کہ اب تمہاری سات پشتیں دوزخ میں جائیں گی۔ یہاں سید کا جتنا احترام کیا جاتا ہے اتنا اور کہیں نہیں۔ حتیٰ کہ دوسرے ممالک میں سید خاندانوں میں رشتے طے کیے جاتے ہیں۔ بیٹی لی اور دی جاتی ہے۔ جبکہ یہاں نام نہاد سیدوں کو بیٹیاں چڑھاوے کے طور پر پیش کر دیتے ہیں۔ چاہے بعد میں ان سے کچھ بھی سلوک کیا جائے اور وہ اس کو بیچ ہی کیوں نہ ڈالیں۔ ماہنامہ "عصمت" میں اس قسم کے سماجی مضامین شامل کرنے کا مقصد عورت کو آگاہی دینا تھا کہ مردوں کا بنایا ہوا خود ساختہ نظام اسلام کا بنایا ہوا نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کاربند رہنے پر کوئی ثواب یا عمل نہ کرنے پر کوئی گناہ ہوگا۔ ہندوستانیوں کی نظر میں ان کی عزت میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ ۵۷

ماہنامہ "عصمت" میں عورتوں کو گھریلو تعلیم و تربیت بھی دی جاتی تھی کہ وہ گھر میں ایک عورت کی حیثیت سے کیسا برتاؤ روا رکھ سکتی ہیں۔ مسرت ادریس گھر آئے مہمانوں کو استقبال کا طریقہ سکھاتے ہوئے اپنے مضمون میں کہتی ہیں کہ جب کسی کے گھر کوئی مہمان آئے تو قاعدہ یہ ہے کہ اچھی اور مہذب خواتین دروازے پر ان کا استقبال کرنے آتیں اور ان کو اچھی جگہ پر بٹھاتی ہیں۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ مہمان دروازہ بجاتا ہے ۵ منٹ گزرنے کے بعد نوکر کی شکل نمودار ہوتی ہے۔ وہ مہمان کو بٹھا کر چلا جاتا ہے۔ اور پھر گھر کی بیگم صاحبہ آدھے گھنٹے بعد تشریف لاتی ہیں۔ اور ان کے چہروں اور کپڑوں سے

CamScanner

صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی نئے کپڑے پہنے ہیں اور تازہ تازہ میک اپ کیا ہے۔ اس تیزی سے کیے گئے میک اپ سے مہمانوں پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ ہاں انہوں نے انتظار کی جو تکلیف اٹھائی اس پر شدید غصہ آتا ہے۔ ۷۶ے

معاشرے میں اور بالخصوص ہندوستانی معاشرے میں عوت کا ایک روپ سوکن کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں ایسے مضامین لکھے گئے جن میں واضح طور پر عورتوں کو بتایا گیا کہ وہ کسی عورت پر سوکن بن کر اس کے گھر اور دل کو نہ اجاڑیں۔ قانتہ بیگم لکھتی ہیں کہ عورت ہی عورت کا درد جان سکتی ہے کہ سوکن کا گھر آنا کس قدر بڑی آزمائش ہے۔ اگر دیکھا جائے تو عورت مرد کی دی ہوئی ہر مار سہہ جاتی ہے۔ میاں کی بد صورتی اور بیماری و غربت کو ہنس کر برداشت کر لیتی ہے۔ مگر سوکن کے نام سے اس کی روح فنا ہو جاتی ہے پھر بھی جو نوجوان لڑکیاں کسی عورت پر سوکن بن کے جاتی ہیں وہ بہت خود غرض ہوتی ہیں اور پہلی عورت کی دنیا اجاڑ کے رکھ دیتی ہیں۔ اتنی بڑی خود غرضی عورتوں کے لیے بدنما داغ ہے۔ ۷۷ے

عورتیں صرف دوسری عورتوں پر سوکن بن کے نہیں جاتیں معاشرے کے کچھ اور غیر اخلاقی اور گھناؤنے کاموں میں بھی ملوث پائی جاتی ہیں۔ جو ان کے لیے سخت شرمناک حرکت ہے۔ نقی محمد خان بردہ فروش عورتوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اوسط گھرانوں کی لڑکیوں کو خواتین کے ذریعے اغوا کیا جاتا ہے۔ یہ عورتیں بردہ فروشوں کی ایجنٹ ہوتی ہیں ایسی خواتین گھروں میں مختلف حیلوں بہانوں سے گھس کر خواتین سے دوستی لگا لیتی ہیں یا گھر کے اندر کم پیسوں پر چھوٹی موٹی ملازمت حاصل کر لیتی ہیں اور اپنی چالاکی اور مختلف طرح کی تدبیر سے پندرہ سال کی عمر سے کم لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر ورغلا لیتی ہیں۔ خود گھر میں پاکباز بن کر بیٹھی رہتی ہیں اور لڑکیاں کسی اور کے ذریعے غائب کرا دی جاتی ہیں۔ ۷۸ے

ماہنامہ "عصمت" میں ایسے مضامین کا مقصد گھر بیٹھی پردے میں مستور عورت کو آگاہی دینا تھا کہ کس طرح معاشرہ ان ہی عورتوں کی فریب کاریوں سے بری طرح نہ صرف متاثر ہو رہا ہے بلکہ

CS CamScanner

اخلاقی اور مذہبی زوال کا شکار بھی بن رہا ہے۔ دوسری جانب معاشرے کی بدحالی کا سبب روزافزوں بڑھتی ہوئی آبادی اور اس سے منسلک مسائل بھی ہیں۔ زبیدہ زریں بڑھتی ہوئی آبادی کے متعلق لکھتی ہیں کہ آنے والے وقتوں میں ہندوستان اور پاکستان میں آبادی اضافہ خطرناک حد تک بڑھ جائے گا۔ پاکستان فیملی پلاننگ یا خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے اس پر قابو پانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں لوگوں کو بتایا جارہا ہے کہ بے حساب بچے پیدا کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ملک میں افلاس اور غربت میں اضافہ نہ کریں۔ ان دونوں ملکوں میں بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے غذا فراہم کرنا، کپڑا مہیا کرنا، تعلیم و رہائش کا بندوبست کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس لیے اگر عوام کا معیار زندگی بلند کرنا ہے تو آبادی کے مسئلے پر قابو پانا ہوگا۔۷۹

زبیدہ زریں نہ صرف آبادی کے خطرناک مسئلے کی جانب راہنمائی کر رہی ہیں بلکہ دوسری جانب وہ اپنے مضمون "دنیا کی یک تہائی آبادی موت کے منہ میں" کے ذریعے خوراک کی قلت اور ہندوستان و پاکستان اور ایشیا کو خطرے کی سنگینی سے آگاہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ ایشیا کے سب سے گنجان آباد علاقے ہندوستان، پاکستان اور چین ہیں۔ ان حصوں میں غذائی حالت سب سے زیادہ دردناک ہے۔ اگر تمام دنیا کی غذائی حالت کا چارٹ بنالیا جائے تو سب سے خطرناک اور کم ترین غذائی سطح کے علاقوں میں یہ بھی شامل ہیں۔ ایک ہندوستانی باشندہ ایک ہزار آٹھ سو کلوری کھاتا ہے۔ یہ غذا ماہرین غذا کی بنائی ہوئی (ایک انسان کی جسمانی ضروریات کے لیے کتنی کیلوریز درکار ہوتی ہیں؟) فہرست سے انتہائی کم ہے۔ اور وہ اپنے جسم کے لیے مناسب غذا کا استعمال نہیں کر سکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشندوں کی اوسط عمر صرف ۳۲ سال رہ گئی ہے۔۸۰

عورت کو معاشرے میں جہاں رہن سہن اور ساس و سوکن کے مسائل درپیش تھے۔ وہیں عورت کو اپنے لیے مناسب رشتوں کی تلاش بھی ہے۔ لیکن لڑکی کا مناسب رشتہ نہ ملنا اس کے پیچھے کئی قسم کے وجوہات اور عوامل شامل تھے۔ ماہنامہ "عصمت" میں اس موضوع پر بے شمار مضامین لکھے گئے۔

ماہ منیر لکھتی ہیں کہ اچھے رشتوں کی امید پر ہر رشتے کو ٹھکرا دینا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ وہ ایک صاحبہ کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ وہ معمولی شکل و صورت کی لڑکی تھیں۔ لیکن اچھے گھرانے کی تھیں۔ والد، بھائی اور رشتے دار وغیرہ اچھے عہدوں پر تعینات تھے۔ اس لیے وہ رشتہ بھی اسی مناسبت سے چاہتے تھے۔ لیکن لڑکی کی شکل وصورت کی وجہ سے اوسط درجے کے رشتے آتے تھے۔ بہت سے قریبی عزیزوں نے بہت سمجھایا کہ تم لوگوں کو اس کی شادی کر دینی چاہیے۔ لیکن وہ یہی کہتے رہے کہ اتنی کم تنخواہ میں ہماری بیٹی کا گزارا نہیں ہو سکتا اور ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب سو روپے والے کا رشتہ بھی نہیں آتا۔ ۸۱

ماہنامہ "عصمت" میں عورت کی زندگی کے ہر پہلو کو موضوع بنا کر مضامین لکھے گئے۔ باپردہ گھر بیٹھی مستورات کو مختلف حوالوں سے آگاہی دی گئی حاملہ خواتین شرم وحیا کی وجہ سے کسی سے کچھ نہیں کہہ پاتیں اور ان کو جو دے دیا چپ کر کے کھاتی رہتی ہیں۔ اور بڑی بوڑھیوں کے سب مشوروں پر عمل کرتی ہیں چاہے ان کا نقصان ہی کیوں نہ ہوتا رہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں اس حوالے سے ڈاکٹر سید محمد حسن کا بہت معلوماتی مضمون شائع ہوا وہ لکھتے ہیں کہ حمل کے دوران خواتین بڑی بوڑھیوں کے مشورے سے یا خود ہی نام نہاد ٹانک، دوائیاں اور جڑی بوٹیوں کی تیار کردہ خوراک اس خوش فہمی میں کھلائی جاتی ہے کہ طاقت پہنچے گی۔ لیکن یہ دوائیاں عارضی فائدہ پہنچاتی ہیں بلکہ بعض اوقات یہ خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔ ۸۲

ماہرین کا تجربہ بتاتا ہے کہ جو عورتیں ایسے نام نہاد ٹانک استعمال کرتی ہیں ان میں بعض عورتیں تو ان دوائیوں کے ناخوشگوار اثرات دیکھ کر خود ہی ان کو کھانا چھوڑ دیتی ہیں اور جو خوش فہمی میں مبتلا ہو کر زبردستی ان کو کھاتی رہتی ہیں۔ ان کے پیدا ہونے والے بچے مختلف امراض کا شکار ہوتے ہیں خواتین کو ایسی دوائیوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ بنی فاطمہ خواتین کو دوران حمل غذاؤں کے استعمال کے بارے میں بتاتی ہیں کہ ایام ولادت کے قریب مکھن اور مصری قدرے سیاہ مرچ چھڑک کر چاٹنا

بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔ اس زمانے میں بے احتیاطی اور بے اعتدالی نہیں کرنی چاہیے۔ بہت مرغن غذاؤں سے پرہیز کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ سادہ غذا اور ایسی غذا جس سے پروٹین اور آئرن حاصل ہوں ان کا استعمال نہایت مفید ہے۔ حاملہ خاتون کو اناج، گوشت، دالوں اور سبزیوں کا معتدل استعمال کرنا چاہیے۔ ۸۳ے

اسلام اور ماقبل اسلام جہیز کو ایک سماجی برائی سمجھا جاتا تھا اور ہنوز یہ مسئلہ آج تک جاری ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں جہیز کی مذمت میں بہت سے مضامین لکھے گئے۔ جہیز دے کر ہندوستانی معاشرے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ لڑکی کا جتنا ترکہ ماں باپ کی جائیداد میں سے بنتا ہے۔ وہ ادا کر دیا گیا ہے۔ یہ تصور نہایت مضحکہ خیز ہے کہ صرف جہیز دے کر سمجھا جائے کہ لڑکی کو اس کے میکے سے تمام حصہ ادا کر دیا گیا ہے۔ اسلام میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ شائستہ اختر سہروردی لکھتی ہیں کہ

> بڑے سے بڑے جہیز سے وہ اقتصادی حیثیت جو اسلام سے ترکہ کی صورت میں عورت کو دی گئی ہے۔ نصیب نہیں ہو سکتی۔ ۸۴ے

۱۹۷۰ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں جہیز بل پیش کیا گیا۔ اس بل کی رو سے جہیز میں ایک مقررہ حد سے تجاوز کرنے والوں پر پابندی لگائی جائے گی اور انھیں سزا دی جا سکے گی۔ محمودہ حق اس بارے میں لکھتی ہیں کہ اس بل کو بنانے کا مقصد یہ ہے کہ جہیز جیسی سماجی لعنت سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ نمود و نمائش سے بھی آزاد ہوں گے۔ جو والدین بھی اپنی بچیوں کو جہیز دینا چاہیں گے وہ پانچ ہزار روپے سے اوپر کا نہ ہو۔ اور اگر کوئی اس مد سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا۔ تو حکومت والدین کو قید اور جرمانے کی سزا سنا سکے گی۔ اور شادی کی دعوت پر بھی ڈھائی ہزار سے زیادہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ ۸۵ے

CamScanner

جہیز معاشرتی طور پر کئی گھرانوں کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی پڑھی لکھی سلیقہ مند لڑکیوں کی خانگی زندگی کو بھی جہنم کا نقشہ بنا دیتا ہے۔ امتہ الوحی لکھتی ہیں کہ اگر ہمارا معاشرہ پیسے اور جہیز کے لالچ میں گرفتار نہ ہوتا تو تعلیم یافتہ لڑکیاں اچھے اور اونچے گھرانوں میں بیاہی جاتیں۔ پھر معاشرہ ان پڑھی لکھی لڑکیوں کی تعلیم سے کماحقہ فائدہ بھی اٹھا سکتا تھا۔ یہ لڑکیاں قومی تعمیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیتیں۔ ان کے بچے بہت مہذب، تعلیم اور تربیت یافتہ ہوتے۔ اگر لوگوں کے اندر سے یہ غیر اسلامی ذہنیت ختم ہو جائے اور وہ پیسوں اور جہیز کے لالچ میں نہ آئیں تو معاشرہ بہت ترقی کر سکتا ہے۔[۸٦]

بیگم برلاس لکھتی ہیں کہ بعض جدیدیت پسند خواتین جو فیشن کی دلدادہ ہیں وہ محبت کی دوسری شادی کے سیلاب میں بڑی تیزی سے بہی جا رہی ہیں۔ یہ عورتیں سماجی لحاظ سے نہ اپنے وقار کا خیال کرتی ہیں اور نہ ہی ان کو خدا کا ڈر ہے۔ آئے دن اخبارات میں یہ باتیں موضوع گفتگو بنتی ہیں کہ بنے بنائے گھر عورت کی پسند کی دوسری شادی کی بدولت برباد ہو کر رہ گئے ہیں۔[۸۷]

سید مظہر علی لکھتے ہیں کہ اس وقت پاکستانی معاشرے میں جتنی بے راہ روی اور اخلاقی تنزلی موجود ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل میلاپ ہے۔ لڑکیاں اور لڑکے جس قدر آسانی سے ایک دوسرے سے میل میلاپ رکھتے ہیں۔ فحاشی اور بداخلاقی اسی تناسب سے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔[۸۸]

عورت اس جبر سے آزادی چاہتی ہے جو سرزمین ایشیا میں اس پر روا رکھا گیا ہے۔ عورتوں کے اوپر بدترین ظلم اور تشدد کیا جاتا تھا۔ مینا زبیری اس ظلم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ ایشیا میں عورت کو بدچلنی کی سزا اس طرح دی جاتی تھی کہ لوہے کے بنے ہوئے خاردار ستون گرم سے گرم کر کے بالکل سرخ کر لیے جاتے ور ایک لوہے کا گرز بھی آگ میں رکھ کر سرخ کر لیا جاتا تھا۔ یہ گرز ایک جلاد کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ عورت کو برہنہ کر کے اس آہنی گرم ستون سے ہم بغل ہونے کا حکم دیا جاتا تھا

اگر عورت اس حکم کو نہ مانتی یا ماننے میں دیر کرتی تو اس گرز کے ذریعے عورت کے پوشیدہ حصوں کو سزا کا نشانہ بنایا جاتا۔۸۹

سلمٰی قاضی لکھتی ہیں کہ جن عورتوں کو سوئی گیس نہیں ملتی وہ گھنٹوں پھونک پھونک کر گیلی لکڑیاں سلگاتی ہیں۔ آنکھوں سے نہ صرف پانی بہتا رہتا ہے۔ بلکہ ہاتھوں اور برتنوں کے ساتھ ساتھ کپڑے بھی کالے ہو جاتے ہیں۔ تب جا کر گھر والوں کا کھانا تیار ہوتا ہے۔ اب ایک عورت جو گھنٹوں میں بمشکل کھانا پکا سکی ہو وہ اور کیا کام کر سکتی ہے؟ لکڑیوں سے کوئلے بہتر رہتے ہیں مگر متوسط طبقہ بھی اتنی مہنگائی کے سبب ان کو خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ تیل کے چولہے آجانے سے ان مسائل کا کسی حد تک سدباب ہوا۔ مگر مفاد پرست طبقے نے یہاں بھی کام کر دکھایا اور ناقص چولہے بننے لگے۔ جس سے آئے دن چولہے پھٹنے سے انسانی جانوں کا ضیاع عام بات بن کر رہ گئی ہے۔۹۰

ستارہ اکرام لکھتی ہیں کہ پاکستانی نرسیں نرسوں کے تصور کے برعکس نظر آتی ہیں۔ سفید لباس پہنے اور سرخ کناری کے دوپٹے لیے وہ غرور سے ادھر اُدھر نظر آتی ہیں۔ تو انسان سوچتا ہے۔ یا اللہ! یہ نرسیں قوم کی خدمتگار ہیں۔ جو بات کا جواب بھی سیدھے طریقے سے نہیں دیتی ہیں۔ مریض چلا رہا ہے مگر ان کو پرواہ نہیں ہے۔ وہ کسی کی نہیں سنتیں اور مریض اور تیمارداروں پر بس رعب جھاڑتی رہتی ہیں۔۹۱ ماہنامہ "عصمت" میں اس مسئلے کو بہت اجاگر کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ اور بہت سے دوسرے مسائل پر بہت کچھ لکھا گیا۔ اور ان تمام سماجی مسائل کے ذریعے عورت کو بیدار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

۹۔۱۔۲:۔ تربیتِ اطفال میں کردارِ نسواں:۔

ماہنامہ "عصمت" میں بچوں کی صحت، تعلیم و تربیت اور نفسیاتی مسائل پر بہت کچھ لکھا گیا۔ نفیس فاطمہ اپنے مضمون "دوسرے بچوں کی اہمیت" میں لکھتی ہیں کہ چھوٹے بچے ناسمجھ ہوتے ہیں انھیں یہ بات سکھانی پڑتی ہے کہ چھوٹے بہن بھائیوں سے کوئی چیز زبردستی مت چھینو۔ چھوٹے بہن

بھائیوں پر غصہ ہونے کے بجائے ان سے پیار سے پیش آنا سکھانا چاہیے۔ انھیں سمجھانا چاہیے کہ چھوٹے بچوں سے کھلونے چھیننا بری بات ہے۔ چھوٹے بچوں کو مارنا نہیں چاہیے۔ بچوں کو یہ سب کچھ سکھانا پڑتا ہے تب ہی وہ اس سے کچھ سبق سیکھتے ہیں۔ ۹۲

رخشندہ ناہید کہتی ہیں کہ بچے اپنے ماحول سے سیکھتے ہیں۔ بچہ جوں جوں شعور کی منازل طے کرتا ہے۔ وہ اپنے ارد گرد جو کچھ دیکھتا ہے اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ ارد گرد دیکھتا ہے کہ ہر کوئی جھوٹ بول رہا ہے تو پھر بچے بھی اپنے والدین کے ساتھ بھی فر فر جھوٹ بولنے لگ جاتے ہیں اور جھوٹ بولنے میں والدین سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔ اس طرح وہ مجرم بھی بنتے چلے جاتے ہیں۔ ۹۳

ب۔ ن۔ ابراہیم ماہنامہ "عصمت" میں مضمون لکھتے ہوئے اس سلسلے میں فکر و شعور کے در وا کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اچھے خاصے بچے بھی اس وقت مجرم بن جاتے ہیں جب انھیں ایسے عزیز و اقارب کی صحبت میسر آتی ہے جو کہ جرم کی سرپرستی کے ماہر ہوتے ہیں۔ ۹۴

ماہ منیر لکھتی ہیں کہ استاد نہ صرف بچوں کی حرکتوں سے تنگ آتے ہیں بلکہ وہ اس بات کی شکایت بھی کرتے ہیں کہ بچے اپنے گھروں، محلوں سے غلط حرکتیں اور الٹی سیدھی باتیں سن کر آتے ہیں اور جب اسکولوں میں اساتذہ ان کو ان باتوں سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ گھر جا کر والدین کو بڑھا چڑھا کر یہ بات بیان کرتے ہیں کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت تو وہ گھر سے سیکھ کر آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ۹۵

سید ابن حسن شارق بچوں کی نفسیات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بچہ جب بچپن میں دونوں ہاتھوں کو منہ میں لے جانے کی کوشش کرتا ہے تو اپنے منہ سے لطف ملکیت کا احساس کرتا ہے۔ مگر مائیں جب بچوں کے ہاتھ روکتی ہیں تو بچہ اس پر خوب چیختا چلاتا ہے کیونکہ اس سے بچے کی نفسیات متاثر ہوتی ہے۔ ۹۶ بیگم نصیر الدین چھوٹے بچوں کو دودھ دینے کے حوالے سے مضمون میں کہتی ہیں کہ اگر بچہ کسی

وجہ سے ماں کا دودھ نہ پی سکے اور اس کے دوسرے دودھ سے پالنا پڑے تو سب سے ضروری ہے کہ بچے کا دودھ پلانے کا وقت مقرر کیا جائے۔ ہر تین یا چار گھنٹے کے بعد اور معمولی صحت کے بچے کو ہر چار گھنٹے کے بعد دودھ دینا اچھا ہوتا ہے۔ دوماہ سے کم عمر کے بچے کو نصف دودھ اور نصف پانی دیا جائے اور دوماہ سے چھ ماہ کی عمر تک ایک چوتھائی پانی اور تین حصے دودھ دیا جائے اگر بچہ ہضم کرے تو پھر چھ ماہ کے بعد اسے خالص دودھ دیا جاسکتا ہے۔97

بیگم سیف اللہ تارڑ نے اس سلسلے میں ایک ماں کا عبرت انگیز قصہ کچھ یوں بیان کیا ہے کہ ہر ماں اپنے بچے کی پرورش اور دیکھ بھال میں خصوصی توجہ کرتی ہے، مصنفہ نے ایک ایسی ماں کا قصہ بیان کیا جس نے اپنی بیٹی نوکرانی کے حوالے کر رکھی تھی اور خود اس کی کوئی دیکھ بھال نہیں کرتی تھی۔ بچی ہر وقت روتی رہتی تھی۔ ایک دن اس ملازمہ نے تنگ آکر اس کی بازو پر اینٹ مار مار کر اس کی ہڈیاں چکنا چور کر دیں اور اس کے سارے جسم کو دانتوں سے کاٹ کر نیلا کر دیا۔ بچی کئی گھنٹے تک روتی رہی۔ مگر اس کی ماں نے کہا یہ اس کی عادت ہے ہر وقت روتے رہنا اور ماں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ یہاں تک کہ اس بچی کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ آخر دو دن بعد وہ بچی زخموں کی تاب نہ لا کر فوت ہو گئی۔ مصنفہ نے ایسی ماں کو ڈائن سے تشبیہ دی ہے جو اپنی اولاد کی پرورش پر توجہ نہیں دیتیں۔98

سوتیلے بچوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اکلوتے بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ بیگم نصیر الدین کہتی ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان کے علاقوں میں اکلوتا بچہ دوسرے بچوں سے مختلف سمجھ کر پالا جاتا ہے۔ پھر بچہ بگڑ جاتا ہے اور لوگوں کا اس بات پر یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ اکلوتا بچہ، لاڈلا، ضدی اور خود سر ہوتا ہے۔99

اسی طرح ماہنامہ "عصمت" میں بڑے بچوں کے جیب خرچ کے متعلق بھی مضامین شائع ہوتے رہے اور اس طرح والدین کی رہنمائی کی جاتی رہی کہ ایک وقت میں بچوں کو کتنا ماہانہ جیب خرچ دیا جاسکتا ہے۔ اس جیب خرچ کو بچوں کو استعمال کرنے کا طریقہ بھی سکھانا چاہیے۔100

CS CamScanner

۲۔۲۔ معاشرتی اور اخلاقی مضامین:۔

ماہنامہ "عصمت" میں متنوع موضوعات پر بہت سے معاشرتی اور اخلاقی مضامین شامل تھے۔ ان مضامین کے ذریعے نہ صرف معاشرے میں ہونے والی برائیوں کو اجاگر کیا گیا بلکہ وہ اچھی اخلاقی صفات بھی بتائی گئیں جن کے ذریعے معاشرے کی تنزلی کو روکا جا سکتا ہے۔ ان مسائل سے چھٹکارے کا حل یہی ہے کہ آپس میں فرقے اور گروہ میں بٹنے کے بجائے اتفاق، اتحاد اور باہمی یگانگی کو فروغ دیا جائے۔ صرف نصیحت سے یہ کام نہیں ہوتا کہ لوگ صوبائی تعصب چھوڑ دیں گے۔ بلکہ اس میں عمل کی ضرورت ہے اور یہ عمل یوں ہوگا کہ یورپی لوگوں کی سیاسی روش کو چھوڑ کر اسلام کے اصولوں پر چلنے کی اشد ضرورت ہے۔[۱۰۱]

اسی طرح ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے اخلاقی اوصاف پر بھی مضامین لکھے گئے اور عورتوں کو منع کیا گیا کہ وہ لوگوں کی لگائی بجھائی میں نہ آیا کریں۔ سلمیٰ عباسی کہتی ہیں کہ عموماً دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ لوگ ایسی باتوں کو سن کر جو معاشرے میں فساد کا سبب بنتی ہیں، ان پر یقین کر لیتے ہیں۔ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ باتیں کس عمر اور کس قسم کے آدمی کی کہی ہوئی ہیں۔[۱۰۲]

عطیہ ندیم لکھتی ہیں کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو عیب جوئی، طعنہ زنی، غیبت، کسی پر بے بنیاد الزام لگانے اور کسی کا مذاق اڑانے میں کچھ برا نہیں سمجھتے بلکہ اسے دل بہلانے کا مشغلہ سمجھتے ہیں۔ اس طرح ان لوگوں کو بغیر کسی مقصد کے فضول گپ شپ کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو وقت کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔[۱۰۳]

اسی طرح سے کسی کو گالیاں دینا شدید اخلاقی کمزوری کے زمرے میں آتا ہے۔ رخشندہ ناہید لکھتی ہیں کہ پنجابی زبان کی گالیاں سن کر تو ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس میں لفظ اور لہجہ اتنا گھٹیا عامیانہ اور سوقیانہ ہوتا ہے کہ کوئی غیرت مند انسان ان کی اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتا۔ مگر جو لوگ اخلاقی درجے سے گر جاتے ہیں وہ ان کا بے محابا استعمال کرتے ہیں۔[۱۰۴] بیگم شیخ حمید الٰہی لکھتی ہیں کہ دورِ حاضر

یا عصر جدید میں اتنی دگرگوں اخلاقی حالت کی خرابی کا ذمہ دار معاشرہ ہے۔۱۰۵؎ ماہنامہ "عصمت" میں اس بات کی بھی شدید مذمت کی گئی کہ معاشرے میں ہر اشتہار کے اندر عورت کو لاکر خلاقی برائیوں کو مزید پھیلایا جارہا ہے جبکہ ان کو روکنے کے لیے مناسب سد باب کی اشد ضرورت ہے۔ مسرت کا سنگجوی لکھتی ہیں کہ عورت اور اشتہار لازم وملزوم بن گئے ہیں۔۱۰۶؎

اسی طرح خود غرضی بھی ایک اخلاقی برائی ہے۔ اوصاف علی لکھتے ہیں کہ اصل بات یہی ہے کہ خود غرض آدمی کسی دوسرے کے مال، جان، عزت، آبرو کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ وہ آرام سے کسی بھی آدمی کو رنج، غم اور تکلیف پہنچا سکتا ہے۔۱۰۷؎ مصنف اپنے ایک اور مضمون میں لکھتے ہیں کہ کسی ملت اور قوم کے زوال کا سبب ان کے فکر وعمل کی گرانی ہوتی ہے۔ جب کسی ملت کے افراد اپنے دماغوں سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں اور دوسروں کے نقش قدم پر چل کر الٹے سیدھے کام کرتے ہیں۔۱۰۸؎

معاشرے میں اخلاقی برائیوں کا ایک سبب قانون کی عدم فراہمی بھی ہے۔ زبیدہ زریں لکھتی ہیں کہ قانون اور انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ امیری اور فقیری کے فرق کو ملحوظ نہ رکھے اور اس کی نظر میں ایک مزدور کی بیوی اور ایک لکھ پتی کی بیوی برابر ہو۔ یہاں کے قانون کو دیکھ کر ہی لگتا ہے کہ یہاں امیروں کے لیے اور قانون ہے اور غریبوں کے لیے اور قانون ہے۔۱۰۹؎

تعلیم بالغاں کے حوالے سے بیگم پاشا صوفی لکھتی ہیں کہ اس وقت بالغوں کی بہت بڑی تعداد یعنی ۸۱ فیصد غیر تعلیم یافتہ ہے۔ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد اور بھی افسوسناک ہے۔ یعنی ۹۳ فیصد خواتین لکھنے پڑھنے سے محروم ہیں۔ اس لیے جہالت کے باعث خواتین کی بڑی تعداد عضو معطل بن کر رہ جاتی ہے اور معاشرے کی ترقی میں اپنا کردار ادا نہیں سکتی۔۱۱۰؎

ماہنامہ "عصمت" میں معاشرتی مضامین کے زمرے میں مختلف معاشروں کی شادی کی رسومات کے مضامین بھی آتے ہیں۔ صدیقہ بانو ہندوستان میں شادی کی رسموں کے بارے میں تفصیلی

CS CamScanner

مضمون لکھا ہے۔۱۱۱ اس طرح اور بہت سے علاقوں کی شادی کی رسموں کے بارے میں بھی مضامین لکھے گئے۔

ماہنامہ "عصمت" میں نوجوانوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ گداگری کی لعنت پر بھی بے شمار مضامین لکھے گئے۔ ان ہی مسائل میں سے اہم ترین مسئلہ چھوٹے بچوں سے روزگار لینے کا ہے۔ قدسیہ بانو لکھتی ہیں کہ پاکستان میں چھوٹے بچوں سے روزگار لینا عام بات بن کر رہ گئی ہے۔ چایلڈ لیبر ایکٹ بننے کے باوجود پاکستان میں چھوٹے بچوں سے مزدوری کرانا کوئی بڑی بات نہیں سمجھی جاتی۔۱۱۲

یوں پاکستان جن اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ ان سب ہی موضوعات پر ماہنامہ "عصمت" میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھا جاتا رہا۔

۳۔۲۔اسلامی مضامین:۔

پاکستان اسلام کے نام پر بنایا گیا اور اس کے قوانین بھی اسلامی شریعت کے مطابق ہیں۔ ماہنامہ "عصمت" میں اسلامی مذہب اور عقائد سے متعلق بھی بہت سے مضامین شائع ہوئے۔ سید ابن حسن شارق اسلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ دوسری اقوام نے جان بوجھ کر اسلام کے خلاف یہ غلط فہمی پھیلائی ہوئی ہے کہ اسلام ایک جنگ جو مذہب ہے اور اسے تلوار کے زور سے پھیلا دیا گیا ہے۔ خود مسلمانوں کا ایک طبقہ بھی اس بات کو درست مانتا ہے۔۱۱۳

عفت الٰہی لکھتی ہیں کہ کس طرح سے پاکستان کے اندر مختلف علاقوں میں اسلام کے خلاف کتابیں شائع کر کے اسلام کو بدنام کیا جا رہا ہے۔۱۱۴

بیگم پاشا صوفی لکھتی ہیں کہ روزہ ایک مخفی اور خاموش عبادت ہے۔ اس میں ریاکاری اور نمائش نہیں ہو سکتی۔ علما کا کہنا ہے کہ جس طرح کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس طرح گناہ کرنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔۱۱۵

ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی عقیدۂ توحید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عقیدۂ توحید کے مادی فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس عقیدے کے ذریعے انسان دنیا میں اپنا مرتبہ پہچانتا ہے۔ جو لوگ بتوں کو سجدہ کرتے ہیں، پتھروں کو پوجتے ہیں۔ درختوں اور آگ کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ وہ حقیقت میں انسان کے مرتبے سے واقف نہیں ہیں۔۱۱۶

شیخ عبدالحمید سیرتِ رسولؐ کے ایک پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایسے دھوکہ اور فریب سے بچانے کے لیے جس سے کسی ایک فریق کو نقصان پہنچتا ہو اور کسی کا کچھ فائدہ نہ ہوتا ہو۔ رسولؐ نے اس بارے میں حکم دیا کہ فروخت کی جانے والی چیز فروخت کے وقت موجود ہو۔ اور فروخت کے لیے مدعی کے سامنے پیش کی جاسکے۔ اگر وہ اس وقت موجود نہ ہو اور بعد میں مہیا کی جانے والی ہو تو اس کی خوبیاں اور مقدار کی تفصیل وغیرہ پہلے سے سچ سچ بتادی جائیں۔۱۱۷ اس طرح اسلامی قانون کو ماہنامہ "عصمت" کے ذریعے معاشرے کے عام افراد تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔

ماہنامہ "عصمت" کے ۲۰۰۰ء کے بعد شائع ہونے والے ماہناموں میں زیادہ تر انبیاء کرامؑ کے قصے شائع ہوتے رہے۔ مثلاً جنوری ۲۰۰۴ء کے شمارے میں حضرت ابراہیمؑ کا قصہ شائع ہوا۔ جس میں نمرود کا ذکر حضرت سارہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کا ذکر اور زمزم کا واقعہ وغیرہ شامل تھے، بیان کیا گیا۔ اسی طرح فروری ۲۰۰۴ء کے شمارے میں حضرت نوحؑ کا قصہ شائع کیا گیا۔ جس میں طوفان نوح اور ان کے بیٹے کنعان کے ڈوبنے کا ذکر کیا گیا تھا۔ مارچ ۲۰۰۴ء کے شمارے میں حضرت اسحٰقؑ کا واقعہ بیان کیا گیا تھا۔ یوں ان تمام انبیاء کے واقعات کو ماہنامہ "عصمت" کے ذریعے بہت تفصیل سے بیان کیا گیا۔ اس طرح اصحاب رسولؐ کے قصے بھی بیان کیے گئے۔ ان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ شامل تھے۔ ان اصحاب کی پاک زندگیوں سے سبق سیکھنے کا درس دیا گیا۔ اور ان کی زندگی پر چلنے کی راہ دکھلائی گئی۔ اس طرح

CamScanner

ادریس جمال نے ۱۹۹۲ء کے بعد "سیرت ختم الرسلؐ" کے نام سے آنحضورؐ کی سیرت لکھی اور وہ ایک سال تک باقاعدہ ہر شمارے میں شائع ہوتی رہی۔

۴۔۲۔ معلوماتی مضامین:۔

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے مضامین ایسے بھی شائع ہوتے رہتے تھے جو وقت کا ساتھ دیتے ہوئے معاشرے کی معلومات فراہم کرتے تھے۔ رئیس طلعت پٹھانوں کے بارے میں لکھتی ہیں کہ پٹھانوں میں انتقام کا جذبہ بہت مشہور ہے۔ مگر ان کے قانون ان کے رواج کے مطابق ترتیب دیے گئے ہیں۔ اگر دشمن ہو تب بھی معاملہ جرگے کے سپرد کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی فیصلہ قبول کرنے کی ضمانت رائفلوں کی صورت میں تیسرے فریق کے سپرد کی جاتی ہے۔ جرگہ سوچ سمجھ کر اور حالات دیکھ کر جو بھی فیصلہ کرتا ہے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ جب بالکل کوئی اور راہ دکھائی نہ دے تو پھر قتل کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اس طرح انتقام کا طریقہ نسل در نسل جاری رہتا ہے۔[۱۱۸]

مسز الطاف حسین بنگال کے حالات کے بارے میں معلومات دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ بنگال میں لکڑی کا فرنیچر بہت مہنگا ہے۔ حالانکہ یہاں بہت لمبے لمبے اور بڑے بڑے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہاں نواڑ اور بان کی چارپائیاں بہت کم استعمال ہوتی ہیں۔ تخت یا تخت نما مسہری استعمال کی جاتی ہے۔[۱۱۹]

اسی طرح جب ۱۹۶۹ء میں جنرل یحییٰ محمد خان نے فوجی قانون یعنی مارشل لاء لگایا تو ماہنامہ "عصمت" میں اس پر بھی مضامین لکھے گئے اور گھر بیٹھی مستورات کو ملکی حالات کے متعلق معلومات فراہم کی گئیں۔ رازق الخیری لکھتے ہیں کہ بری افواج کے کمانڈر انچیف جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے ملک کا انتظام ۲۵ مارچ کو سنبھالا اور فوجی قانون نافذ کر دیا گیا مارشل لاء کا قیام عمل میں آگیا۔ اگر کچھ دن اور پاکستان میں مارشل لاء نہ لگتا تو اس ملک کا خدا ہی حافظ تھا۔[۱۲۰]

CS CamScanner

ماہنامہ ''عصمت''میں صرف گھریلواور ملکی سطح کے بارے میں معلومات نہیں دی گئیں بلکہ بین الاقوامی سطح کے مضامین لکھ کر ان اقوام کے حالات و واقعات کے متعلق بھی آگاہی فراہم کی گئی۔ مصلح الدین احمد لکھتے ہیں ارجنٹائنا میں مٹرنٹی فنڈ لازم ہے۔ جس سے زچگی کے لیے امداد دی جاتی ہے۔۱۲۱ اسی طرح شائستہ اختر سہروردی انگلستان کے لوگوں کے بارے میں معلومات دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ یہاں کے عوام جو کبھی نہایت محنتی، جفاکش اور دیانتدار تھے انتہائی سست، کام چور، بے ایمان اور لالچی ہوگئے ہیں۔ اس کا واضح اثر ان کی ملکی اقتصادیات پر پڑ رہا ہے۔ ۱۲۲

محمد ظہیر صاحب خواتین کو، کول قوم کی غیر انسانی رسم کے بارے میں معلومات دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ناگپور کے علاقے میں قوم کول آباد ہے۔ کولوں میں بچے کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی کول ایک یا دو لڑکیوں سے زیادہ کو زندہ نہیں رہنے دیتا ہے۔ صرف لڑکوں کو خوشی خوشی پروان چڑھایا جاتا۔ ۱۲۳

ایسے مضامین کا مقصد کم پڑھی لکھی اور گھر کی چار دیواری میں مقید عورت کو باہر کی دنیا کے حالات سے آگہی دینا تھا۔ محمد یامین خان عورتوں کو تیسری پانی پت کی جنگ کے متعلق معلومات فراہم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابراہیم کے بارہ ہزار میں صرف دو ہزار لوگ بچ گئے اور میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ جبکہ نجیب الدولہ گولیوں کی بوچھاڑ برداشت کرتا ہو آگے ہی بڑھتا گیا وہ لشکر کے اس قدر قریب آیا کہ بندوقوں سے لڑائی شروع ہوئی اور سندھیا کو شکست ہوگئی۔ ۱۲۴

مسز الطاف حسین ۱۸۵۶ء کی جنگ آزادی کے بارے میں لکھتی ہیں کہ ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ میں انگریزوں نے دہلی کو فتح کر لیا۔ اور فوج کے کمان افسر نے ایک ہفتہ کے اندر چار پانچ سو افراد کو بیدردی سے قتل کر ڈالا۔ فوجی عدالت میں جس کو بھی پیش کیا جاتا وہ ضرور قتل کر دیا جاتا تھا۔ شہر کے چوک میں ایک بہت بڑی پھانسی گاہ بنائی گئی تھی جہاں ہر روز ۶۔ ۱۵ افراد کو پھانسی دی جاتی تھی۔ ۱۲۵

CamScanner

محمد ظہیر جرمنی کے بارے میں معلومات دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جنگ عظیم اول کے بعد ہی ایک سابق چمار اور بعد میں جرمنی کے لیڈر ایسٹ نے سوشل ڈیماکریٹ حکومت کے صدر کی حیثیت سے اپنی حکومت قائم کی جو بری طرح ناکام ہوگئی۔۱۲۶

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے مضامین سقوط ڈھاکا سے متعلق بھی لکھے گئے۔ پاکستان کے دوسرے علاقوں میں رہنے والی عورتوں کو سقوط ڈھاکا کے اسباب اور محرکات سے آگاہ کیا گیا تھا۔ بیگم آمنہ نازلی لکھتی ہیں کہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ۱۵ دسمبر کی رات تک جنرل نیازی ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں تھے اور بھارت کو دندان شکن جواب دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ بھارت کو جنگ بندی کے لیے ۱۸ دسمبر ۹ بجے کے بعد بھی چھ گھنٹے کا اضافی وقت بڑھانا پڑا۔ تو سوال یہ ہے کہ اس دوران ۱۵ دسمبر کو امریکی بیڑا کس طرح چاٹگام کی طرف روانہ ہوگیا؟ یہی وہ مقام ہے جہاں جنرل اروڑا کا ۲۴ نومبر کو دیا گیا انٹرویو خاصا معنی خیز ہے۔۱۲۷

مشرقی پاکستان کے الگ ہونے کے بعد جب امرتسر میں نیا ٹیلی وژن سٹیشن کھولا گیا تو اس کی بھرپور مخالفت میں مضامین لکھے گئے۔ یہ مضامین اس لحاظ سے بہت معلومات افزا تھے کہ ان کی بدولت معاشرے کو ثقافتی یلغار سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی۔ رخشندہ ناہید کہتی ہیں کہ یہ ہماری قومی بے غیرتی ہے۔ کہ ہم دھڑا دھڑ ٹیلی وژن خرید رہے ہیں اور ہندوؤں کی بنائی ہوئی فلموں کے منتظر ہیں۔ مشرقی پاکستان کو ہم سے الگ کرنے کے بعد ہندو ایک مرتبہ پھر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔۱۲۸

محمودہ حق لکھتی ہیں کہ چار اکتوبر کی رات کو امرتسر سے ٹی وی پر فلم دکھائی جانے والی تھی جس کا نام "پاکیزہ" تھا۔ لاہور کے شہری گزشتہ کئی دنوں سے یہ فلم دیکھنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ سینکڑوں کے حساب سے لوگوں نے نئے ٹی وی اور نئے انٹینا خرید لیے۔ سترہ سو روپے والا ٹیلی وژن ۳۳ سو روپے میں خریدا گیا اور وہ انٹینا جو عام حالات میں پچیس روپے میں بکتا تھا نوے اور سو روپے میں بیچا

گیا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ لوگوں نے ان ہی قیمتوں میں نہ صرف ان کو خریدا بلکہ پہلے جو لوگ کھانے پینے کی اشیا کی مہنگائی کا رونا روتے تھے۔ انھوں نے اُف تک نہ کی۔ ۱۲۹

ماہنامہ "عصمت" میں کچھ مضامین ایسے بھی شائع ہوئے جن میں مختلف مذہبی اور قومی رہنماؤں کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں کے متعلق معلومات فراہم کی گئیں۔ کہیں رابعہ بصری جیسی عظیم دینی شخصیت پر مضمون لکھے گئے تو کہیں شاہ ہمدان جیسے اعلیٰ پائے کے بزرگ پر مضامین لکھے گئے۔ بدرالنساء رحمٰن لکھتی ہیں کہ شاہ ہمدان ایک بہت بڑے اعلیٰ مرتبہ صوفی بزرگ تھے۔ آپ نے تصوف کے موضوع پر بے شمار کتب بھی لکھیں۔ ۱۳۰

لیاقت علی خان کے متعلق خورشید آرا بیگم لکھتی ہیں کہ لیاقت علی خان بچپن سے ہی نہایت متین اور سنجیدہ، خوش فکر اور خوش اخلاق تھے۔ متانت میں ڈوبی ظرافت کی وجہ سے ہر کوئی آپ کو پسند کرتا تھا۔ آپ بہت انصاف اور عدل پسند تھے۔ بڑوں کا ادب چھوٹوں کا لحاظ کرتے تھے اور بہت نرم دل اور ہمدرد انسان تھے۔ ۱۳۲

عالم اسلام جن مسائل سے دوچار رہا ہے ان میں ایک بہت بڑا مسئلہ فلسطین کا ہے۔ جہاں اسرائیل نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ حسن جاوید اس مسئلے کے متعلق تفصیلی معلومات دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مشرقِ وسطیٰ میں دو بڑی طاقتوں نے خود کو مستحکم کرنے کے بعد اپنا مفاد دیکھا ہے ۱۳۳

عالم اسلام کے ان ہی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ کشمیر کا ہے۔ جہاں بھارتی جبری تسلط قائم ہے اور اس تسلط کو توڑنے کے لیے تحریک آزادیٔ کشمیر تحریک پاکستان ہی کا حصہ ہے۔ جب تک یہ تحریک کامیاب نہیں ہوتی تحریک پاکستان کا عمل جاری رہے گا۔ پورے برصغیر کے مسلمانوں کا کسی نہ کسی حوالے سے اس میں کردار ادا کرنا ایک فطری عمل ہے۔ اس لیے پاکستان اور دنیا بھر کے مسلمان کشمیریوں کی حمایت کرنا اپنا اخلاقی اور مذہبی فریضہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ ۱۳۴

CS CamScanner

ماہنامہ "عصمت" میں دی جانے والی ان معلومات کا تعلق صرف قوموں ملکوں کی تاریخ سے نہیں تھا۔ بلکہ وہ قوموں کی ذاتی زندگی کو بھی بیان کررہا تھا۔ بدر النساء رحمٰن اہل یونان کے متعلق لکھتی ہیں کہ اہل یونان کو اپنے اعلیٰ نسب، خاندانی روایات اپنی ذہانت و فطانت، جسمانی طاقت اور توانائی پر بے حد غرور تھا۔ ۱۳۵؎

سانپوں کے متعلق معلومات دیتے ہوئے ایم وصی الحسن لکھتے ہیں کہ سانپ کے جسم میں پچاس فیصد چربی پائی جاتی ہے۔ ہندوستان کے اکثر حصوں میں اس کی چربی سے گھی تیار کیا جاتا ہے۔ اژدھے کے جسم سے تو کئی ہنڈرڈ ویٹ تک گھی نکلتا ہے۔ جنوبی ہندوستان کے کچھ علاقوں میں سانپوں کے چمڑے پکانے کے لیے کارخانے بنے ہوئے ہیں۔ ان چمڑوں سے قیمتی پوشاکیں اور زیورات وغیرہ تیار کرنے میں مدد ملتی ہے کچھ اطبا دواؤں میں شامل کرنے کے لیے اس کا زہر بھی خریدتے ہیں۔ بعض قدیم قومیں اس کا سر بھی کھاتی ہیں۔ ۱۳۶؎ اس طرح بہت سے مضامین لکھ کر فکر و آگاہی کے نئے گوشے وا کیے گئے۔

۵۔۲۔علامہ راشد الخیری پر مضامین:

علامہ راشد الخیری "محسن نسواں" بانئ عصمت تھے۔ ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے مضامین علامہ راشد الخیری کے حوالے سے لکھے گئے۔ جولائی، اگست ۱۹۶۴ء میں "عصمت" سالگرہ نمبر کے تحت ایک ضخیم ماہنامہ "سوانح عمری علامہ راشد الخیری" کے نام سے نکالا گیا۔ جس میں علامہ راشد الخیری کے خاندان، حالات زندگی اور ماہنامہ "عصمت" کے متعلق تفصیلات شامل ہیں۔ ان سب کے علاوہ بھی ماہنامہ "عصمت" میں وقتاً فوقتاً بھی علامہ راشد الخیری پر مضامین لکھے گئے۔ محمد احمد سبز واری لکھتے ہیں کہ علامہ راشد الخیری کی زندگی کا ایک خاص مقصد تھا اس مقصد کو ایک پیغام کی صورت میں انھوں نے رسالوں کتابوں، ناولوں اور افسانوں سے پورا کرنے میں زندگی گزار دی۔ ۱۳۷؎

جمیلہ بیگم لکھتی ہیں کہ مولانا مرحوم نے عورتوں کو مذہب کی تعلیم حاصل کرنے کی ہر ناول اور ہر افسانے میں نصیحت فرمائی ہے۔ جتنی کتابیں انھوں نے معاشرتی اور تعلیمی اصلاح کے لیے لکھی ہیں۔۱۳۸

بیگم برلاس علامہ راشد الخیری کے اسی وصف کو یوں قلم بند کرتی ہیں کہ یہ علامہ راشد الخیری کا ہی کارنامہ تھا کہ انھوں نے اپنے قلم کی طاقت سے عورت کے کردار کو بلند سے بلند کر کے دکھایا۔ عورتوں کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا تاکہ وہ معاشرے میں کامیاب آزاد فرد کی حیثیت سے اپنی زندگی گزار سکیں۔۱۳۹ سیمار حمٰن لکھتی ہیں کہ ہندوستان میں خلع کے حوالے سے سب سے پہلے علامہ راشد الخیری نے ہی عورت کو آگاہی دی اور اپنی تحریروں کے ذریعے یہاں کی عورتوں کو آزادی دلا کر ہی دم لیا۔۱۴۰

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ علامہ راشد الخیری کی افسانہ نگاری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ علامہ راشد الخیری کو افسانہ طرازی کا فن اپنے پھوپھا ڈپٹی نذیر احمد سے ورثے میں ملا۔ علامہ راشد الخیری کا اسلوب ڈپٹی نذیر احمد سے قدرے مختلف ہے۔ لیکن ان کے ہاں تمثیلی رنگ، زبان کا دہلوی انداز ڈپٹی نذیر احمد جیسا ہی ہے۔۱۴۱

حمیرا ثاقب لکھتی ہیں کہ مولانا راشد الخیری کے ناول عصری ادب کی بہترین مثال ہیں۔ اگر کسی تاریخ دان نے غدر کے بعد کی تاریخ لکھنی ہے تو وہ علامہ راشد الخیری کے ناولوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ علامہ راشد الخیری کے ناولوں سے ان کے عہد کی ایک باقاعدہ تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔ ۱۴۲ اس طرح علامہ راشد الخیری کی شخصیت اور فن پر بے شمار مضامین لکھے گئے۔

۶۔۲۔ طبی مضامین:۔

ماہنامہ "عصمت" میں متنوع موضوعات پر مضامین لکھے گئے۔ ان میں سے کچھ مضامین کا تعلق نفسیات، نفسیاتی بیماریوں، میڈیکل اور طبی دنیا سے بھی تھا۔ ڈاکٹر آل مرتضیٰ بلگرامی لکھتے ہیں کہ دل

گوشت کی موٹی تہہ سے بنتا ہے۔ اس کے اندر چار خانے ہوتے ہیں۔ دو خانے اوپر ہوتے ہیں اور دو خانے نیچے ہوتے ہیں۔ اوپر نیچے خانوں کے درمیان گول سوراخ ہوتے ہیں۔ جن سے گزرتا ہوا خون اوپر کے خانے سے نیچے خانے میں آتا ہے۔ ۱۴۳؎ یوں ڈاکٹر صاحب نے اپنے تمام مضمون میں دل کی حرکت اور ساخت کے بارے میں جزیات کے ساتھ تفصیل فراہم کی ہیں۔

سید رضا احمد جعفری، چمبل کی بیماری کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ چمبل ایک سوزشی مرض ہے۔ اس بیماری میں جلد کی سطح پر گلابی رنگ کے داغ نمایاں ہوتے ہیں۔ ان داغوں پر خشک اور سفید چھلکے تہہ در تہہ سفید پھنسیوں اور پیپ کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ چمبل جس جگہ پر ہو وہاں سے جلد پھٹ جاتی ہے۔ یہ مرض خاص کر عورتوں اور لڑکیوں پر بار بار حملہ کرتا ہے مگر عام طور پر اس مرض کی طرف خاص توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ اور یوں یہ مرض بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کے علاج کی جانب خصوصی توجہ دینی انتہائی ضروری ہے۔ ۱۴۴؎

نصرت اکرام ریکٹس کی بیماری کے متعلق معلومات فراہم کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ریکٹس کی بیماری بچوں میں وٹامن اے اور ڈی کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ دونوں وٹامن دھوپ میں موجود ہوتے ہیں۔ ۱۴۵؎

حمیدہ نگہت گردے کی بیماری کے متعلق بتاتی ہیں کہ پھیپھڑے اور گردے کی بیماریوں میں انگور کا رس اب عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے اس کا نتیجہ ہمیشہ اچھا نکلا ہے۔ انگور کا رس پھیپھڑے اور گردے کو تقویت پہنچاتا ہے۔ ۱۴۶؎

ڈاکٹر امانت اے محسن نفسیاتی امراض کی تشخیص کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ نفسیاتی امراض میں نیند کی کمی سب سے اہم ہے۔ اکثر نفسیاتی مریضوں کو نیند ہی نہیں آتی ہے۔ یہ مریض بستر پر کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ تب جا کر رات تین چار کے قریب ان کی آنکھ لگتی ہے۔ کچھ نفسیاتی بیماریوں کو تو یہ خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ ان کے کھانے میں زہر ملا ہوا ہے اور اس شک کی بنا پر کھانا ترک کر دیتے ہیں۔ ۱۴۷؎

ڈاکٹر آل مرتضیٰ بلگرامی لکھتے ہیں کہ انسان کو معتدل خوراک کا انتخاب کرنا چاہیے۔ کھانے میں مرچوں اور ترش اشیا کا استعمال کم سے کم ہونا چاہیے۔ اور کھانے کے دوران بار بار پانی پینا بھی از حد نقصان دہ ہے۔ کھانا کھا کر آدھے گھنٹے کے بعد پانی پینا چاہیے۔ ۱۴۸

اسی نوع کے اور بہت سے مضامین کے ذریعے عورتوں کی بیداری کا کام لینے کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے گھریلو ٹوٹکوں سے انھیں بتایا گیا کہ وہ خود بھی چھوٹی موٹی بیماری کا گھر بیٹھے علاج کر سکتی ہیں۔

۷۔۲۔ متفرق مضامین:۔

ماہنامہ "عصمت" نے ہر شعبہ زندگی سے متعلق متنوع موضوعات پر مضامین شائع کیے۔ ان مضامین کا مقصد شعور و آگاہی پھیلانا تھا۔ ب۔ن۔ آنسہ فرائیڈ کا نفسیاتی تجزیہ تحلیل کے بارے میں اپنے مضمون میں لکھتی ہیں کہ انسانی نفسیات کا مطالعہ بہت دلچسپ حقیقت ہے۔ جو لوگ فطرت کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کے لیے اس میں بہت سے اسرار و رموز پائے جاتے ہیں۔ ۱۴۹

فرمان علی شاد نے ایک طنز و مزاح سے بھرپور مضمون "کرسی" کے عنوان سے لکھا۔ کرسی جو کہ اقتدار کی علامت ہے۔ جس کو ایک بار مل جائے وہ بار بار اس کی تمنا کرتا رہتا ہے۔ وہ آدمی جو کرسی پر بیٹھتا ہے۔ مغرور ہو جاتا ہے۔ احکامات جاری کرنے لگتا ہے۔ حکومت بنانے بیٹھ جاتا ہے۔ ۱۵۰ یہ مضمون ہمارے ملک کی سیاست پر گہرا طنز ہے اور اقتدار میں بیٹھے لوگوں کی منافقت ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح سید ابو تمیم نے "میرے پڑوسی رنگ برنگے" کے عنوان سے ایک مزاحیہ مضمون قلمبند کیا وہ لکھتے ہیں کہ میرے پڑوسی بڑے رنگ برنگے ہیں۔ سب ایسے نہیں ہیں صرف ایک وکیل صاحب بہت رنگ برنگے ہیں۔ ان کا سر بالکل ایک سفید ہیٹ نما ٹوپی سے ڈھکا رہتا ہے۔ ان کو دیکھ کر یوں لگتا ہے۔ کہ جیسے مری کے پہاڑوں پر برف جمی ہو۔ اور اس ہیٹ کے نیچے ان کا سیاہ توے کی طرح چہرہ سورج گہن کی یاد دلا لیتا ہے۔ ۱۵۱

CamScanner

ماہنامہ "عصمت" میں ملک و ملت کے حوالے سے بہت سے مضامین لکھے گئے ان میں سے بہت سے مضامین کا تعلق تہذیب و ثقافت سے بھی تھا۔ کوثر پروین ثقافت کے متعلق لکھتی ہیں کہ ثقافت کو پھیلانا ہمارا قومی فرض بنتا ہے۔ ثقافت کسی قوم کی پہچان ہے۔ ثقافت کسی قوم کے ماضی اور حال کو بیان کرتی ہے یہ مستقبل کی راہ کا تعین کرتی ہے۔ ثقافت کسی قوم کے زندہ ہونے اور آگے بڑھنے کے عمل کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ [۱۵۲]

دور حاضر میں معاشرہ اور بالخصوص پاکستانی معاشرہ جن مسائل سے دوچار ہوا۔ ان میں سے اہم ترین مسائل گھروں میں کیبل اور انٹرنیٹ کا استعمال عام ہونا ہے۔ حوا اقبال انٹرنیٹ کے فوائد اور نقصانات کے بارے میں لکھتی ہیں کہ آج کل کے دور میں جو دہشت گردی عام ہوتی جارہی ہے۔ وہ بھی انٹرنیٹ کے ذریعے ہوتی ہے۔ اور اس کے نقصانات میں سے ایک نقصان یہ بھی ہے کہ نوجوان انٹرنیٹ کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ یعنی وہ الٹی سیدھی ویب سائٹس کھول کر اپنا وقت برباد کرتے ہیں۔ ان سائٹس پر مخرب اخلاق تصویریں دیکھتے ہیں۔ چیٹنگ میں گھنٹوں وقت برباد کرتے ہیں اور کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر اپنی نظر کا ضیاع کرتے ہیں۔ [۱۵۳]

ثنا ملک کیبل کے نقصانات کے بارے میں لکھتی ہیں کہ نوجوانوں کی بے راہ روی کا سب سے بڑا سبب کیبل کے منفی اثرات ہیں۔ کیبل پر دکھائے جانے والے چینلز تیزی سے اپنا اثر دکھا رہے ہیں۔ اور ان اثرات کی لپیٹ میں سب سے زیادہ نوجوان نسل آرہی ہے۔ [۱۵۴]

ماہنامہ "عصمت" کے ۲۰۰۰ء کے بعد کے شماروں پر طائرانہ نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوجاتی ہے کہ ان میں زیادہ تر مضامین کا تعلق نوجوانوں کی اخلاقی حالت سے ہے۔ نوجوان ان مضامین کا موضوع ہیں اور ان کے لیے مفید مشورے دیے جارہے تھے۔

CamScanner

چاند کو تسخیر کرنا انسان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس پر بھی ماہنامہ "عصمت" میں مضامین لکھے گئے ہیں۔ سید سبط نبی نقوی لکھتے ہیں کہ چاند پر پہنچنا اور اس کو تسخیر کرنا انسان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس واقعہ کو انسانی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ ۱۵۵ے

مہنگائی کے اس دور میں انسان کے پاس وسائل کم اور مسائل زیادہ ہیں۔ محدود آمدنی میں گھر کو چلانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں اس حوالے سے بچت کے موضوع پر ام کاشان لکھتی ہیں کہ بچت آج کے دور کی اہم ضرورت ہے۔ بچت کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب آمدنی کم ہو اور انسان کے اخراجات زیادہ ہوں۔ ۱۵۶ے

اس طرح بہت سے مضامین، پھلوں اور سبزیوں کی افادیت کے حوالے سے بھی تحریر کیے گئے۔ طاہرہ انعام "چند مفید پھل" کے عنوان سے عناب کی خاصیت تحریر کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ خشک خوبانی اور آلو بخارا کی طرح خشک عناب بھی خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سرخ رنگ کے بیر نما پھل کے اندر بے شمار فوائد موجود ہیں۔ عناب کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے اس لیے وہ جگر کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ ۱۵۷ے

ماہنامہ "عصمت" میں مختلف تہواروں کی مناسبت سے کھانے بنانے کے مضامین شائع ہوئے۔ جن میں مختلف کھانے بنانے کی تراکیب بھی شامل ہوتی تھیں۔ ثریا جبین بقر عید کے تہوار پر گوشت پکانے کے مختلف طریقوں کو تفصیل سے بیان کرتی ہیں۔ ۱۵۸ے اس طرح اور بہت سے متنوع موضوعات پر مضامین لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔

۸۔ ۲۔ ادبی مضامین:۔

ماہنامہ "عصمت" نے ادب کے حوالے سے بہت سے مضامین شائع کیے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ادب کی بدلتی صورت حال پر بہت سے مضامین لکھے گئے۔ قراۃ العین حیدر ماہنامہ "عصمت" کی اس ادبی روایت کے بارے میں لکھتی ہیں کہ "عصمت" نے کسی ایک طبقے کے بارے میں مضامین نہیں شائع

کیے۔ بلکہ یہ ماہنامہ مسلمانوں کے سارے معاشرے کا نقاد اور ترجمان رہا ہے۔ اس رسالہ کو شائع ہوئے ۹۲ سال پورے ہو گئے ہیں۔ گو زمانہ بدل گیا ہے اقدار، حالات، ماحول، ذہنی پس منظر، ہر چیز بدل کر رہ گئی ہے۔ مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ ماہنامہ "عصمت" نے سماجی ارتقا میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ اس فتنہ انگیز اور پر آشوب دور میں بھی اس ماہنامے نے اپنی ادبی روایات قائم رکھی ہیں اور اس کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ۱۵۹

ماہنامہ "عصمت" میں تنقیدی مضامین، اُردو زبان پر مضامین، اقبالیات اور کچھ متفرق قسم کے ادبی مضامین بھی شامل کیے ہیں۔

۱۔۸۔۲۔ اُردو زبان:۔

پاکستان بننے کے فوراً بعد یہاں کی "قومی زبان کیا ہونی چاہیے" کے مسئلے پر شد و مد سے بحثیں جاری رہیں۔ اُردو کی حیثیت منوانے کی ہر ممکن کوشش کی گئیں۔ مولوی عبدالحق نے اردو کی ترقی کے لیے باقاعدہ تحریک چلائی مگر پھر بھی اُردو کی قومی زبان کی حیثیت واضح ہو کر سامنے نہ آ سکی۔ مقامی بولیوں کو ہی اہمیت ملتی رہی۔ بلقیس عصمت شفیع ۱۹۴۸ء کے شمارے میں اپنے مضمون میں اُردو سیکھنے اور بولنے پر زور دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ اُردو زبان صحیح بولنے کے لیے مطالعہ کی اشد ضرورت ہے۔ جس طرح انگریزی زبان سیکھنے کے لیے مطالعہ کی اشد ضرورت ہے تاکہ تلفظ ٹھیک ہو جائے۔ ۱۶۰ لیکن پھر بھی اُردو کی حیثیت قومی زبان کے حوالے سے زیادہ ابھر نہ سکی۔

۱۹۴۹ء میں مشتاق احمد زاہدی نے اپنے مضمون میں کہا تھا کہ اُردو زبان دوسری مقامی زبانوں کے مقابلے میں اپنی حیثیت منوا رہی ہے۔ آج بھی دیکھا جائے تو اُردو اسی مقام پر کھڑی ہے جہاں سے آج ۴۰ برس قبل موجود تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ اُردو زبان میں بہت زیادہ ترقی کی گنجائش ہے یہ مقامی زبانوں سے زیادہ وسیع زبان ہے۔ ۱۶۱ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اُردو انگریزی کے مقابلے کی ہمت نہیں کر سکی اور فر فر انگریزی بولنے والے کو ہر شعبہ زندگی میں ترجیح دی جاتی ہے۔

CS CamScanner

اُردو زبان کا دامن بہت وسیع ہے۔ اس کے اندر دوسری زبانوں اور مقامی بولیوں کے الفاظ جذب کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے لیکن یہ اضافہ اتنا شدید نہیں ہونا چاہیے کہ اُردو کی اصل شکل مسخ ہو کر رہ جائے۔ نفیس فاطمہ لکھتی ہیں کہ زبان کے عالم اور ادیب اپنی زبان میں غیر زبانوں کے الفاظ اور ان کے اثرات کو نکالنے کی ہر ممکن کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ۱۶۲

جب پاکستان کی قومی زبان کا مسئلہ بار بار اٹھایا گیا تو یہ کہہ کر سب کا منہ بند کرا دیا گیا کہ پاکستان کی دو قومی زبانیں ہوں گی۔ ایک اُردو اور دوسری بنگالی اور دس سال تک انگریزی بھی تیسری زبان کی حیثیت سے شامل رہے گی۔ اس لیے اُردو میں دوسری زبانوں کے الفاظ کا شامل ہونا ناگزیر تھا۔ جب تین تین زبانیں بولی جائیں تو مسائل بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے اُردو کی ترویج و اشاعت کے لیے بہت کوششیں کیں۔ ان کوششوں کے بارے میں ڈاکٹر وفا راشدی لکھتے ہیں کہ بابائے اُردو مولوی عبدالحق کی کوششوں سے آج بنگال کے بڑے بڑے شہروں میں انجمن ترقی اُردو کی شاخیں قائم ہو چکی تھیں۔ کل تک جو لوگ اُردو کے خلاف تھے۔ آج وہ اُردو بولنا، لکھنا اور پڑھنا اپنے لیے باعث فخر تصور کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بنگال میں رہنے والے ہندو اور بنگالی بھی اُردو بولنے اور پڑھنے میں بہت خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ۱۶۳ یوں اُردو زبان کی ترویج کے لیے بہت کوششیں کی گئیں۔

ماجد الباقری اُردو املا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اُردو میں بہت سے لفظ غلط املا کی صورت میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶۴

۲۔۸۔۲۔ تنقیدی مضامین:۔

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے ادبی مضامین ایسے بھی تھے جن میں شاعری، ناول، غزل، خواتین کی شعری تخلیقات اور شخصیات پر تنقیدی مضامین تھے۔ پروفیسر مظفر حسین اظہر عورتوں کی غزل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ معاشرے میں اتنی بیداری آنے کے باوجود اس مضمون کو پڑھ کر لگتا ہے کہ گویا اب بھی یہ معاشرہ عورتوں کی برتری برداشت نہیں کرنا چاہتا ہے۔ اس صنف میں عورتوں کا

آگے آنا معیوب سمجھتا ہے۔ مضمون میں مصنف نے بار بار یہ اشارہ کیا کہ عورتوں کو غزل نہیں کہنی چاہیے۔ ۱۶۵

قراۃ العین حیدر خواتین اور ادب کے عنوان سے لکھتی ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے آنے سے پندرہ سو سال پہلے چین میں خواتین نرم و نازک اشعار لکھ رہی تھیں۔ رگ وید کی کتابیں آج سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال ادھر شمالی ہند میں تصنیف کی گئی تھیں۔ رگ وید میں حمدیں خواتین کہی ہوئی ہیں۔ گوتم بدھ کی راہبات خواتین نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے چار سو سال قبل مگدھ اور اتر پردیش خانقاہوں اور جنگلوں میں بہت سے لافانی نغمے تصنیف کیے تھے۔ ان شاعرات کے نام آج تک خواتین شاعرات کے نام سے تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ۱۶۶ اس طرح نثر نگار خواتین پر مضامین لکھے گئے۔ ام سلمیٰ فیاض کے نزدیک خواتین نے جب نثر نگاری میں قدم رکھا۔ تو ان سے یہ توقع کی جارہی تھی کہ وہ ادب میں پاکیزگی، خلوص، سادگی، حسن اور نزاکت کے عناصر کو سمیٹ لیں گی۔ تو اپنی ہر تحریر میں شرم و حیا کو ملحوظ خاطر رکھیں گی۔ جو عورت کا زیور ہے۔ لیکن عورتوں نے غیروں کی روش اپنا کر ان جیسا ادب تخلیق کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ عورتوں نے اپنی چال ڈھال، عادات و خصائل، بلکہ ذہن و خیال کو بھی غیر کا محکوم بنالیا۔ ان کا تخلیق کردہ ادب پڑھنے کے قابل نہیں ہے۔ ۱۶۷

اقبال قاضی عورت کو جدید شعرا کی نظر سے بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جیسے جیسے سیاسی شعور بیدار ہوا معاشرے میں انقلاب کے آثار واضح ہوگئے۔ وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ دور حاضر میں جب شعرا نے ڈگر بدلی اور حقیقت نگاری کو مکمل طور پر اپنالیا تو جدید شعرا جیسے جوش، ساغر، ماہر القادری وغیرہ نے عورت کے متعلق خوب اشعار لکھے لیکن عورت کو زمین پر رہنے والی ایک مخلوق بتایا ہے۔ اس کو آسمانی حور نہیں کرکے بتایا۔ عورت کو عورت کرکے ہی مخاطب کیا ہے۔ ۱۶۸

امام اکبر آبادی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اصل شاعر وہی ہوتا ہے جو ماحول سے متاثر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ماحول پر خود چھا جاتا ہے۔ لیکن اس کے لیے شاعر کے پاس غیر معمولی ذہن اور

CamScanner

دماغ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ شاعر جب یہ محسوس کرتا ہے کہ دنیا کے راستے میری مرضی کے مطابق نہیں۔ تو وہ اپنے کلام میں اس دنیا کو تباہ و برباد کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ پھر ادب کی یہ طاقت اسی وقت سامنے آتی ہے۔ جب اس کے روبرو تحقیر و تذلیل کی مشکلیں، درد و کرب کی اذیتیں ہوں۔ آلام و مصائب اور چیخ و پکار کی صدائیں بلند ہوں۔ یہ سارے حالات اچھی شاعری کو جنم دیتے ہیں۔ ان ہی حالات سے متاثر ہو کر شاعر و ادیب بہترین شاعری کرتے ہیں۔۱۶۹

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے ادبی مضامین افسانوں ناولوں کے تجزیے کی صورت میں بھی شائع ہوئے۔ محمد شفیع عارف عرفان علی شاد کے افسانوی مجموعے "نام کی زندگی" پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عرفان علی شاد کے افسانوں میں گہرائی اور گیرائی بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس نے اپنے مجموعے کے افسانوں میں زندگی کے ہر مرحلے اور معاشرے کے ہر پہلو پر ناقدانہ انداز میں بحث کی ہے انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑا ہے۔۱۷۰

ڈاکٹر وقار احمد رضوی جگر کی شاعری پر تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جگر کے نزدیک محبت ایک آدرش ہے۔ عشق زندگی ہے۔ جگر جذبے کے شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں میں زندہ احساس اور نغمات موجود ہیں۔ جگر کی شاعری کا پیمانہ پرانا ہے۔ مگر اس میں شراب بالکل نئی ہے۔ اگرچہ ان کی غزلوں میں غالب اور اقبال کا فلسفہ نہیں ہے۔ تاہم ان کی شاعری میں فکر کا عنصر موجود ہے۔۱۷۱

اسی طرح عزیزہ ناز غالب کے فلسفیانہ افکار پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتی ہیں کہ غالب نے اپنی ذہنی اور دلی کیفیتوں کو شاعری میں بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں فلسفیانہ خیالات بکثرت موجود ہیں۔۱۷۲

ماہنامہ "عصمت" میں لکھنے والی شخصیات صرف غیر معروف و غیر ادبی نہیں ہیں بلکہ بہت سی ادبی اور معروف شخصیات نے بھی مضامین تحریر کیے ہیں۔ ان کی تحریروں میں ادبی چاشنی واضح نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی فانی بدایونی کی غزلیہ شاعری کا تجزیہ کچھ یوں کرتے ہیں کہ فانی کا اپنا ایک

CS CamScanner

نکتہ نظر ہے۔ وہ ہر چیز کو اپنے ذہنی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ وہ بہار میں خزاں اور خزاں میں بہار اور خوشی کے پہلو تلاش کر لیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک خوشی عارضی اور ناپائیدار ہے۔ ۱۷۳؎

ڈاکٹر رشید موسوی طنز و مزاح نگار خواتین کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں حجاب امتیاز علی، ہاجرہ مسرور اور خدیجہ مستور کو بنیادی طور پر افسانہ نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے یہاں طنز و مزاح والی تحریروں کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ حجاب امتیاز علی نے اپنی تحریروں میں جہاں مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ بالکل ہلکا پھلکا مزاح ہے اس کو شگفتگی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور دونوں کی تحریروں کو دیکھا جائے تو ان کے افسانوں میں مزاح سے زیادہ طنز کا پہلو نظر آتا ہے۔ یہ دونوں واقعات اور کرداروں کے ذریعے مزاح پیدا کرتی ہیں اور معاشرے کی برائیوں کو اجاگر کرنے کے لیے طنز کا پہلو اختیار کرتی ہیں۔ ۱۷۴؎

سید ضمیر جعفری کی" ضمیر حاضر ضمیر غائب " ماہنامہ "عصمت "میں تسلسل کے ساتھ شائع ہوئی۔ سید ضمیر جعفری مولانا حسرت موہانی کی دہلی آمد کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ دہلی میں ان کے آنے کی خبر ملی۔ مولوی محمد سعید (جو کہ روزنامہ پاکستان ٹائمز کے سابق ایڈیٹر تھے) کے ہمراہ کھدر کا لباس پہنتے اور مولوی ظفر علی خان کی طرح بولتے ہیں۔ مولانا کی خدمت میں گئے۔ مولانا حسرت موہانی سے ملنا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ ان کے ہاں دربان کے تکلف کی گنجائش نہ تھی۔ فقیر آدمی تھے مسجد میں قیام رکھتے تھے۔ آدمی نماز بھی پڑھ لے اور نیاز بھی حاصل کرلے۔ میری بدقسمتی یہ تھی کہ میں دہلی میں ان سے ملاقات نہ حاصل کر سکا۔ اور وہ یہاں سے چلے گئے۔ اور سفر میں اللہ کی مہربانی سے ہماری ملاقات ہو گئی۔ ۱۷۵؎

ماہنامہ "عصمت" میں کچھ ادبی مضامین ایسے تھے جن میں اصناف سخن کی ہیئت اور ان کے ارتقا کے بارے میں مکمل بحث کی گئی تھی۔ احسن فاروقی ناول کی ہیئت کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں اُردو میں شاید ہی کوئی ایسا نقاد ہو جو ناول کی ہیئت اور تعمیر کا اندازہ لگا سکتا ہو۔ ۱۷۶؎

CamScanner

اُردو ادب میں تحقیق کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور اس میں پیش رفت کی بہت گنجائش موجود ہے۔ ادبی تحقیق کیسے کی جاتی ہے؟ ماہنامہ "عصمت" میں اس سے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے کہ مصدر کون کون سے ہوتے ہیں؟ بنیادی مصادر میں مخطوطات (ذاتی کاغذات، دستاویزی ریکارڈ، انٹرویو، متفرق معلومات) ثانوی مصادر، (کتابیں، جنتریاں، دائرۃ المعارف، اطلاعات وغیرہ ثانوی مصادر ہیں۔) مصنف ادریس جمال اپنے مضمون ادبی تحقیق میں بنیادی اور ثانوی مآخذ ذرائع پر بحث کرتے ہوئے اس زمانے کی تمام ادبی تحقیق کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش "اُردو میں اصول تحقیق"، عبدالستار دلوی کی "تحقیقی عمل کے مراحل"، سید خلیل احمد رضوی "دستاویزی طریقہ تحقیق" شامل ہیں۔ اس مضمون کو چھ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ اور ان تمام میں ادبی تحقیقی مصادر پر مفصل بحث موجود ہے۔ مصنف کے نزدیک تحقیقی عمل میں فن تنقید مرکزی کردار ادا کرتا ہے اور ان تمام مراحل سے گزر کر ہی کوئی تصنیف یا دستاویز معتبر اور غیر معتبر ہوتی ہے جنھیں ہم مآخذ یا مصارد کی حیثیت دیتے ہیں اور اسی کی بنا پر بنیادی اور ثانوی مصادر کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔۱۷۷

ماہنامہ "عصمت" میں کچھ مضامین بین الاقوامی ادب سے متعلق بھی شائع ہوتے رہے ہیں تا کہ اس دور میں گھروں میں بیٹھی مستورات اعلیٰ پایہ کے ادب سے بھی محفوظ ہو سکیں۔ فریحہ فرح جدید انگریزی شاعری کے متعلق لکھتی ہیں کہ ایلیٹ کی نظم "جے ایلفرڈ پرویز اکا نغمہ محبت" جدید انگریزی شاعری کے لہجے اور رجحانات میں تبدیلی کی طرف پہلا قدم ثابت ہوا ہے۔ ایلیٹ کی اس نظم پر بہت تنقید کی گئی ہے جس طرح کسی بھی نئی تبدیلی اور ہر جدید چیز پر کی جاتی ہے۔ لیکن اس نظم کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نظم میں پہلی مرتبہ راعیانہ منظر نگاری اور تشبیہات سے اجتناب کرتے ہوئے خالصتاً شہری منظر نگاری کی گئی ہے تبھی اس پر اتنی تنقید کی گئی ہے۔۱۷۸

اشرف حسینی ہومر کی اوڈیسی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اوڈیسی کو اس لیے پسند کیا جاتا ہے کہ اس میں کیلسپو جیسے حسن و جمال کے مجسمے ہیں۔ نوسیسکا جیسی بانکی البیلی ہے جو اپنے ناز نخرے سے

اوڈوسیس کو متاثر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن اسے گھر کی یاد چین نہیں لینے دیتی۔ جہاں ۲۰ سال سے اس کی وفاشعار بیوی اپنے باپ کے گھر جا کر بیٹھ گئی ہے اور باپ کا کفن کات رہی ہے۔ سینکڑوں عشاق اس کے محل میں بیٹھے اس بات کے منتظر ہیں کہ کب اوڈیسس کی موت کی خبر آئے اور ہم سوئمبر رچائیں۔۱۷۹ اس طرح انھوں نے اوڈیسی کی تمام کہانی بیان کر دی ہے۔

ماہنامہ "عصمت" میں عصر حاضر کے تنقیدی رجحان کی بدولت بہت سے افسانوں اور ناولوں پر بحث کی گئی ہے۔ سید وقار عظیم مجالس النساء کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ مجالس النساء ایک سیدھی سادی اصلاحی اور مقصدی کہانی ہے۔ لیکن کہانی کہنے والے نے قصے کی ترتیب اور نظم وضبط کے معاملے میں خاصی احتیاط سے کام لیا ہے اور کسی جگہ ناول کو بے ہنگم اور بے ڈھنگا نہیں ہونے دیا۔ اس نے اس بات کے اظہار میں نہ کہیں جوش سے کام لیا ہے کہ قصے کی فضا غیر فطری ہو جائے اور نہ انھوں نے اتنے مبالغے سے کام لیا ہے کہ سچ پر جھوٹ کا گمان ہونے لگے۔۱۸۰

علامہ اقبال شاعر مشرق کے فلسفۂ افکار سے بر عظیم کے مسلمان بہت متاثر ہوئے۔ ماہنامہ "عصمت" کے مضامین میں علامہ اقبال کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا۔ اقبال کی شاعری کے ہر پہلو کے بارے میں لکھا گیا۔ جہاں آراء چوہدری اقبال کے تصور عورت کے بارے میں لکھتی ہیں کہ عورت کے متعلق علامہ اقبال کا نظریہ خالص اسلامی تھا۔ ان کے خیال میں اسلام ہی وہ واحد راستہ ہے۔ جس راستے پر چل کر اس کے زریں اصولوں کو اپنا کر ہی انسانیت کے اعلیٰ مدارج طے کر سکتا ہے۔ اسلام نے جو عزت اور مرتبہ عورت کو دیا ہے۔ اقبال کے نزدیک عورت کو وہی درجہ ملنا چاہیے۔ جو اسلام میں عطا کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال عورت کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی خوبیوں کے مداح ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ اس کی بے پردگی اور بے حیائی کے بھی سخت مخالف ہیں۔۱۸۱

اسی طرح طارق بن عمر اقبال کا مسلمان کے بارے میں نظریہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ علامہ اقبال کے نزدیک دین و دنیا دونوں کے متعلق اسلام کا نظریہ تبدیل ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کی

CS CamScanner

خواہشات اور آرزوئیں بدل گئی ہیں۔ علامہ اقبال اپنی اثر انگیز شاعری کے ذریعے وہ جادو دکھانا چاہتے ہیں کہ معاشرے میں جو تبدیلی آئے وہ دین اسلام کے عین مطابق ہو۔ اسلامی عقیدہ تو یہی ہے کہ مسلمان مر کر پھر زندہ ہوں گے۔ اس طرح اسلام کی تہذیب کبھی ختم نہیں ہوگی وہ مر کر پھر زندہ ہو جائے گی اور مٹنے کے باوجود باقی رہ جائے گی۔ اس طرح مسلمان امت دوبارہ کامیابی حاصل کر سکتی ہے۔ ۱۸۲؎

۳۔۸۔۲۔ ادبی شخصیات پر مضامین:۔

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے مضامین ادبی شخصیات کے حوالے سے شائع ہوئے۔ ان مضامین میں ان شخصیات کے فن اور شخصیت کے حوالے سے مدلل بحث کی گئی۔ ان مضامین کا مقصد ان ادبی شخصیات کے فنی پہلوؤں کو اجاگر کرنا تھا۔ جہاں بانو نقوی شیخ سعدی کے متعلق بتاتی ہیں شیخ سعدی جس نے بلاغت کے میدان میں بہت بڑے کارنامے دکھائے ہیں۔ بو بکر بن سعد کے زمانے میں پیدا ہوا تھا۔ اس طرح شیخ سعدی کے زمانے کا تعین خود ان کے شعر سے ہوتا ہے۔ ۱۸۳؎

اسی طرح بہت سی ادبی شخصیات کے متعلق بھی مضامین تحریر کیے گئے۔ ڈاکٹر وفا راشدی ڈاکٹر عندلیب شادانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر عندلیب شادانی فارسی اور اُردو ادب کے ماہر مستند استاد اور بہت بڑے دانش ور تھے۔ علم حاصل کرنا اور علم کی روشنی کو معاشرے میں پھیلانا ان کی زندگی کا واحد مقصد تھا۔ اپنی آخری سانس تک انھوں نے اپنی تعلیم و تدریس کے فرائض بڑی جانفشانی سے ادا کیے ہیں۔ ۱۸۴؎

عارف لکھنوی زہرہ نگاہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ زہرہ نگاہ شاعرہ تھیں۔ وہ ۱۹۴۸ء میں پاکستان آئی تھیں اور ۱۹۵۳ء میں لاہور کے پاک وہند کے مشاعرے میں پہلی مرتبہ غزل سنائی تھی۔ وہ برصغیر پاک وہند کی مشہور شاعرہ بن گئی تھیں۔ خوش گو ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت مترنم آواز بھی رکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے انھیں تھوڑے ہی عرصے میں ملک کے علمی وادبی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہو گئی۔ ۱۸۵؎

CS CamScanner

برعظیم پاک و ہند میں بہت سی ادبی خواتین سامنے آئیں جنھوں نے اپنے خیالات و افکار سے معاشرے کو متاثر کیا انھیں خواتین میں سے ایک صغریٰ سبز واری ہیں جن کا تعلق بنگال سے ہے۔ کنیز بتول ان کے متعلق لکھتی ہیں کہ مغربی بنگال کے اُردو ادب میں سیدہ صغریٰ سبز واری کا تعارف معلمہ، شاعرہ، مضمون نگار، افسانہ نگار اور ناول نویس کی حیثیت سے ہے۔ صغریٰ سبز واری کا تعلق بیسویں صدی اوائل کی ان خواتین میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے بنگال میں بیگم رقیہ سخاوت کی آواز میں آواز ملائی۔ جو کہ تعلیم نسواں کی علمبردار خاتون تھیں۔ ۱۸۶ے

اس طرح "عصمت چغتائی "جو کہ بہترین اُردو افسانہ نگار خاتون ہیں۔ ان کی شخصیت پر مضمون لکھتے ہوئے ڈاکٹر رشید موسوی لکھتے ہیں کہ عصمت چغتائی بہترین انشاپرداز، ناول نگار اور افسانہ نگار ہیں۔ ان کی تحریر میں طنز و مزاح کی چاشنی بھی موجود ہوتی ہے۔ ان کے مزاح کے مختلف انداز ہیں۔ کبھی وہ واقعات اور کرداروں کے ذریعے مزاح پیدا کرتی ہیں کبھی نشتر چبھونے والے تیز طنز کے ذریعہ مزاح کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ ۱۸۷ے

ادا جعفری جو کہ اردو ادب میں منفرد شاعرہ کی حیثیت سے ممتاز ہیں۔ ان کی شخصیت کے بارے میں محسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ ادا جعفری جو شادی سے پہلے ادا بدایونی کے نام سے لکھتی تھیں۔ وہ پہلی شاعرہ ہیں جنھوں نے اُردو ادب کی تاریخ میں طبقہ نسواں کی شاعری کو مرد حضرات کی شاعری سے ممتاز و منفرد بنایا۔ ۱۸۸ے

اسلام شبنم صاحب لکھتے ہیں کہ درد تصوف اور سلوک و معرفت کی تمام راہوں اور اس کی کیفیتوں سے باخبر تھے۔ انھوں نے محرم راز کی طرح حریم ناز کے رازوں کا پردہ فاش کیا ہے۔ وہاں کے ہر طرح کے اسرار و رموز کو ظاہر کیا ہے۔ انھوں نے وحدت اور کثرت کے موضوع کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ۱۸۹ے

اُردو میں تاریخی ناول نگاروں میں مولانا شرر کا نام سب سے اہم ہے۔ انھوں نے ایسے ناول لکھے جن سے اسلامی اور ہندوستانی ہر دو طرح کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ ممتاز مدراسی لکھتے ہیں کہ شرر مضمون نگار بھی تھے، ناول نگار اور اخبار نویس بھی۔ لیکن اُردو میں وہ تاریخی ناول نگار کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے ہیں۔ شاید اسی لیے ان کو سب سے زیادہ تنقید کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ان کے ناولوں پر سب سے زیادہ اعتراض یہ ہوتا تھا کہ شرر کو جزئیات پر قدرت نہیں تھی۔ ۱۹۰

محمد محی الدین بدایونی ڈاکٹر شوکت سبزواری کے بارے میں مضمون تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ادبی، سماجی اور سیاسی ہر قسم کے معاملات میں بہت زبردست تجزیہ کرتے تھے۔ ان کے اخذ کردہ نتائج بہت صحیح ہوتے تھے۔ ۱۹۱

اس طرح ماہنامہ "عصمت" میں متنوع موضوعات پر ہر شعبہ زندگی سے متعلق مضامین تحریر کیے گئے۔ اور ان مضامین نے ہر شعبہ زندگی میں انقلاب برپا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

مضامین کا فنی جائزہ:

فنی نکتہ نگاہ سے ماہنامہ "عصمت" کے مضامین کو دیکھا جائے تو وہ ادبی لحاظ سے کسی بلند مقام پر نظر نہیں آتے۔ یہ تمام مضامین اصلاحی اور مقصدی ہیں۔ کہیں ان کا مقصد عورتوں کی بیداری اور آزادی ہے اور کہیں مذہبی و معاشرتی اصلاح۔ ماہنامہ "عصمت" کے مضامین کا مقصد بھی عورتوں اور معاشرے کی اصلاح ہے۔ اس لیے ان مضامین کی زبان بھی سادہ اور سلیس ہے۔ و۔ ا۔ صاحبہ اپنے مضمون میں لکھتی ہیں کہ

> مشرق ہو یا مغرب۔ عورت ذات ہر جگہ خانہ داری کے فرائض انجام دینے پر مجبور ہے۔ خواہ خود انھیں پورا کرے خواہ نوکروں کے ذریعے گھر کو اس قابل بنائے کہ جو گھر والوں کو خوش و خرم اور تندرست رکھنے میں مدد و معاون ہو

۔ساتھ ہی آنے جانے والوں کی نظروں میں اپنے مکینوں کی
قدر بڑھائے۔جو عورت تعلیم حاصل کر کے اپنے فرائض سے
غافل ہو جائے وہ قابل قدر نہیں ہے۔ ۱۹۲؎

اختر سلمٰی اپنے مضمون "ہمارے حقوق" میں سادہ اور سلیس انداز میں عورت کے حق میں
آواز اٹھاتے ہوئے کہتی ہیں کہ

جہالت کا دور اگرچہ ختم ہو گیا ہے۔ لیکن اب بھی یہ کیفیت
ہے کہ لڑکیوں کو اپنے حق کا احساس ہوتا بھی ہے تو ان میں اتنی
جرأت نہیں ہوتی کہ انکار کر دیں۔ تعلیم یافتہ لڑکیوں کا بھی
یہی حال ہے وہ اپنے حقوق کو اچھی طرح سمجھتی ہیں۔اپنی
زندگی کو صحیح راہ پر گامزن کر سکتی ہیں۔ لیکن وہ بھی بے بس کر
دی جاتی ہیں۔اور لغو اعتراض کر کے ان کو خاموش کر دیا جاتا
ہے۔ ۱۹۳؎

ان امثال کو دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ماہنامہ "عصمت" کے مضامین میں لفاظی اور ناہمواری با
لکل بھی نہیں ہے۔اعتدال اور موزونیت واضح نظر آتی ہے۔و۔ا۔صاحبہ کا مضمون "موقع "اس
اعتدال اور موزونیت کی عمدہ مثال ہے۔وہ لکھتی ہیں کہ

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ چند روز کی بری صحبت کا سیلاب عالی
خاندانی، بہترین تربیت، علم و فضل اور آبائی عزت و نیک نامی
کے جواہر کو اس طرح بہالے گیا۔ گویا یہ خوبیاں انسان میں
کبھی تھیں ہی نہیں۔ بلکہ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی پستی
کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ ۱۹۴؎

CamScanner

ماہنامہ "عصمت" کے مضمون نگاروں نے ادبیت پر علمیت کو ترجیح دی ہے۔ نثر کو آسان اور سہل زبان میں لکھ کر ادب کو عام اجتماعی زندگی کا ترجمان اور اپنے مطالب کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ ان مضامین کی زبان سادہ اور پر لطف ہے۔ ممتاز لکھتے ہیں کہ

> ہم کو چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو اس قدر منظم کر لیں کہ دشمن کے تمام ارادے خاک میں مل جائیں۔ لیکن ہاں ہم فوجی تربیت لیتے ہیں وہاں دوسرے گھریلو فرائض اور اپنی تعلیم کو بھی برابر جاری رکھیں کیوں کہ تعلیم کو ہر چیز پر فوقیت حاصل ہے۔ ۱۹۵

ماہنامہ "عصمت" کے مضامین کی نثر میں رنگینی ورعنائی کی کمی ہے۔ ادبی چاشنی اور حسن موجود نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مضمون نگار کوئی باقاعدہ لکھاری نہیں تھے بس کبھی کبھی کچھ تحریر کر لیا کرتے تھے۔ ان مضامین کا بنیادی مقصد خواتین کو آگے بڑھانا تھا۔ اس لیے ان مضامین کی زبان عام فہم ہے۔ مثال کے طور پر

> "کہاں ہیں؟ پاکستان کی عورتیں" جو اپنے اس کام کو جس کی وہ اہل ہیں۔ سنبھالیں اور مردوں کو عورتوں کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر دوسرے بہت ضروری کاموں میں منہمک ہونے کا موقع دیں۔" ۱۹۶

ملا واحدی لکھتے ہیں کہ

> اشتراکی نظام کا سیلاب مسلمان ملکوں ہی کا خاتمہ کر دے گا۔ آج کل مسلمانوں کے امیر طبقے نے مسلمان غربا کی جیسی حالت خراب کر رکھی ہے۔ ایسی کسی اور قوم کے امرا نے اپنے

غریب طبقے کی نہیں کی ہے۔ اس لیے مسلمان اشتراکیوں کا
نرم نوالہ ہیں۔۱۹۷

ماہنامہ "عصمت" کے مضمون نگاروں نے سادہ اسلوب تحریر کے ذریعے ادب کو ابلاغ کا ذریعہ بنایا۔ وہ ادب کو ایسے وسیلے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں جس کے ذریعے وہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں اور یہ مقصد اصلاح نسواں و اصلاح معاشرہ ہے۔ مضامین نگاروں نے لفظوں کی خوبصورتی اور جملوں کی ہم آہنگی پر توجہ دینے کے بجائے مقصدیت کو اہمیت دی ہے۔ مثال کے طور پر

آج کل جو لوگ نماز پڑھنے میں کاہلی کرتے ہیں یا کھلم کھلا
جھوٹ بولتے ہیں یا کسی اور ناجائز کام کے کرنے سے نہیں
ڈرتے۔ ان میں سے اکثر کو یہ دیکھا ہے کہ اگر کوئی انھیں
سمجھائے تو نصیحت کا اثر نہیں لیتے بلکہ یہ جواب دیتے ہیں کہ
ارے آج کل سب ہی ایسے ہوتے ہیں۔۱۹۸

ماہنامہ "عصمت" کے مضامین میں سادگی اور سلاست کے باوجود کہیں کہیں محاورات کی چاشنی موجود ہے۔ امام اکبر آبادی دنیاداری کے حوالے سے کہتے ہیں کہ

اس راہ میں خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے۔ فولاد کے چنے چبانے
پڑتے ہیں۔ منہ سے خون ڈالنا پڑتا ہے انگاروں پر لیٹنا پڑتا ہے
یعنی جذبات کی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ خواہشات کو مارنا پڑتا ہے
اور کبھی کبھی مالی نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ تب کہیں دنیاداری
کا فرض ادا ہوتا ہے۔۱۹۹

رخشندہ ناہید اپنے مضمون "آم کے آم" میں محاورات کا درست استعمال کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ

آج کل، گلی گلی اور محلہ محلہ میں کچھ لوگ پھرتے ہیں جو کہ
پرانے کپڑے اور جوتے وغیرہ سے نئی چیزیں دیتے ہیں۔ مثلاً
چینی یا دھات کے برتن وغیرہ۔ آم کے آم گٹھلیوں کے
دام، خانہ دار خواتین اس موقع سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ ورنہ
لٹانے کو قارون کا خزانہ بھی ناکافی ہے۔ ۲۰۰؎

بیگم صوفی اپنے مضمون "ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں" میں خوشامد کی مذمت کرتی ہیں اور خوشامدی لوگوں کو لیموں نچوڑ سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ

بعض لوگوں کو خوشامد کرنے اور ہاں میں ہاں ملانے کی عادت
ہوتی ہے۔ یہ لیموں نچوڑ لوگ تعریفوں کے ایسے پل باندھتے
ہیں کہ سننے والوں کو تکلیف ہونے لگتی ہے۔ ۲۰۱؎

اس طرح رخشندہ ناہید کہتی ہیں کہ

خاندانی لوگ رذیل باتوں سے ضرور اجتناب کریں گے۔ مثل
مشہور ہے کہ کم اصل سے وفا نہیں اور اصل سے خطا نہیں۔
۲۰۲؎

جہاں بانو نقوی اپنے مضمون "بہکے قدم" میں کہتی ہیں کہ

آج کل کی بچیاں فلمیں دیکھتی ہیں۔ ریڈیو سیلون تو ان کے
روزمرہ میں شریک ہے۔ اس کے گانے بڑے غور اور توجہ
سے سنتی اور ساتھ ہی ساتھ گاتی جاتی ہیں۔ ناچ کی دھن پر
آنگن ٹیڑھا سہی مگر ناچیں گی ضرور۔ والدین فخر محسوس کریں
گے کہ میری لڑکی گاتی بھی ہے اور ناچتی بھی۔ اگرچہ مستقبل کا
علم نہیں کہ یہی ناچ انھیں بھی نچادے گا۔ ۲۰۳؎

۳۔ سفر نامے:۔

ہر سیاح جب اپنے سفر کے حالات تحریر کرے تو وہ سفر نامہ کہلاتا ہے۔ چاہے وہ حالات روزمرہ کی شکل میں تحریر ہوں یا سفر کے حالات و واقعات کو مد نظر رکھ کر مرتب کیے گئے ہوں۔ اُردو ادب میں سفر نامہ کی صنف خاصی بے اعتنائی کا شکار رہی۔ اور بہت کم معیاری سفر نامے لکھے گئے ہیں۔ ان ہی معیاری سفر ناموں میں سے ایک "سیر یورپ" ہے۔ جو کہ ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہوا۔ ماہنامہ "عصمت" کے پاکستانی پچاس سالوں پر نظر دوڑائیں تو محسوس ہو گا کہ اس صنف پر مختصر اور طویل بہت سے سفر نامے تحریر کیے گئے ان میں حج کے سفر نامے، پاکستان کی وادیوں کے سفر نامے، بیرون ملک اور یورپ کے سفر نامے ملتے ہیں۔

۳۔۱۔ حج کے سفر نامے:۔

حج سے واپسی پر بہت سے سفر نامے ماہنامہ "عصمت" میں ملتے ہیں۔ جس میں سفر نامہ نگار اپنی زندگی کے ان سعید لمحوں کا احوال قاری سے بیان کرتا ہے۔ شائستہ اکرام اللہ سہروردی لکھتی ہیں کہ جب حج کے سفر کا اعلان ہوا اور سب مسافر جہاز میں سوار ہو کر چل دیے۔ جہاز میں تھوڑی دیر بعد لبیک اللھم لبیک کی دل ہلا دینے والی آواز سے گونجنے لگتا تھا۔ انسان جب احرم باندھ لیتا ہے تو اس کے دل کی عجیب حالت ہو جاتی ہے ۲۰۴ مشتاق احمد اپنے سفر نامے میں حج کے تاثرات کے بارے میں تحریر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس مقام پر جو ایک بار آجاتا ہے۔ پھر وہ بار بار اس در پر جانے کی خواہش کرتا ہے۔ اس انسان کا دل کبھی نہیں بھرا ہے۔۲۰۵

شرافت حسین سفر نامہ حج میں زم زم کے کنویں کی تفصیل بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ زم زم کا کنواں خانہ خدا کے مشرق کی جانب تقریباً ایک سو فٹ کے فاصلے پر ہے، جو پہلے کھلا تھا۔ مگر اب اس پر

چھت ڈال کر اسے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ اور اندر ہی اندر زمین کے نیچے سے بڑے بڑے پائپوں کے ذریعے اس کا پانی باب عمرہ کے نیچے پہنچا دیا گیا۔۲۰۶

۲۔۳۔ اندرون ملک سفر نامے:۔

پاکستان ایک دلکش اور حسین ملک ہے۔ قدرت کی فیاضی نے اس کو ہر طرح کی نعمت سے مالا مال کیا ہے۔ بلند بانگ آہنی پہاڑ، برف پوش پہاڑ اور وادیاں اور خوب صورت جھیلیں، دریا سمندر سب اس ایک ملک میں موجود ہیں۔ بالخصوص شمالی علاقہ جات کا حسن قابل دید ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں مختصر سفر نامے پاکستان کی سیر کے متعلق لکھے گئے ہیں۔ اور عام قارئین تک پاکستان کی خوبصورت وادیوں کی تفصیل بہم پہنچائی گئی ہے۔ سیدہ نفیسہ صاحبہ شمالی علاقہ جات میں وادی کرم کا سفر نامہ تحریر کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ یہ بہت دلکش، خوبصورت اور حسین مقام ہے۔ یہ خطہ نہایت حسین اور قابل دید ہے۔۲۰۷

ثریا انصاری ٹھٹھہ کی سیر کے متعلق لکھتی ہیں کہ ٹھٹھہ میں مزاروں کا ایک لامتناہی سلسلہ یہاں سے وہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ مصنفہ اور ان کے ساتھیوں نے ایک مقبرہ دیکھا اس کا گنبد نیلے اور لال رنگ کے پتھروں سے بنا ہوا ہے اور کافی بڑا گنبد ہے۔ یہ مرزا غازی بیگ کا مقبرہ ہے اس پر تاریخ درج کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۹۰۵ء کا بنا ہوا ہے۔ اس جگہ کا نام مکلی ہے۔۲۰۸

ماہنامہ "عصمت" گھریلو سطح پر خواتین کا پسندیدہ رسالہ تھا۔ اس کے ذریعے ایسے سفر ناموں کی ترویج یقیناً خواتین کے لیے مفید و کارآمد رہی ہے۔ اور انھوں نے ملکی علاقوں کی تاریخ سے متعلق بہت سے دلچسپ حقائق جان لیے ہیں۔

CamScanner

۳۔۳۔ بیرون ملک سفر نامے:۔

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے سفر نامے یورپ اور دوسرے ممالک کی سیر و تفریح کے متعلق بھی لکھے گئے ہیں۔ مس ثریا جبین ایک "عجیب جزیرہ" کے نام سے سفر نامے میں اس جزیرے کی معلومات دیتی ہیں۔ یہ جزیرہ اسپنشن ویلز تناؤ کی بندر گاہ سے سو میل مشرق میں واقع ہے۔ یہ صرف دو میل اور چند سو گز چوڑا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے چھوٹا جزیرہ ہے۔۲۰۹؎

بیرون ملک سفر ناموں میں ماہنامہ "عصمت" میں سب سے زیادہ سفر نامے لندن اور یورپ کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔ عابدہ معین لکھتی ہیں کہ وہ اوران کی سہیلی برٹش میوزیم میں گئے تو انھوں نے آثار قدیمہ کی بہت سی نادر اشیاوہاں پر دیکھیں۔ان میں مٹی یا پتھر، چینی، ہڈی کے برتنوں اوراوزاروں کے علاوہ قسم قسم کی عجیب و غریب گھڑیاں بھی شامل تھیں۔بہت اشیا قبل مسیح اور بعد مسیح کی تھیں۔ فارسی کے جواہر ریزوں میں "انوار سہیلی"اور "شاہنامہ" کے علاوہ بھی فارسی کی بہت سی کتب وہاں موجود تھیں۔ ۲۱۰؎

قانتہ بیگم لندن کے لوگوں کے رویے کے بارے میں لکھتی ہیں کہ انگریز بہت خوش خلق ہوتے ہیں۔ بچوں سے بڑی محبت سے پیش آتے ہیں۔ سفر نامہ نگار اپنے بیٹے احمد کا بتاتی ہیں کہ اس کو دیکھ کر اکثر انگریز عورتیں رک جاتی ہیں اور پیار سے اسے بلاتی ہیں۔ ۲۱۱؎

سید علی الہاشمی لندن کے سفر نامہ میں وہاں کی عورتوں کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ قدامت پسند خواتین کے سوگ، عزلت نشینی، سیاہ پوشی کے برخلاف لندن میں مرنے والا بس اس قدر اہم ہے کہ اس کو دفناؤ اور بھول جاؤ۔ انگریز اقوام پر یہ جملہ صحیح آتا ہے کہ مرنے والا مر چکا ہے، رونے والا رو چکا ہے۔ ۲۱۲؎

یہ سفر نامہ انگریز ذہنیت کی عمدہ عکاسی کرتے ہیں۔ان سفر ناموں کو جتنی بار پڑھیں۔ انگریز قوم کا یہ رویہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ کہ وہ انتہائی مادہ پرست قوم ہے۔ دوسری اقوام سے تحقیر آمیز

CS CamScanner

سلوک کرنے میں پیش پیش ہے۔ بدرالنساء رحمٰن امریکہ کے سفر کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ لندن، فرانس، یورپ میں لوگ زیادہ لیے دیے رہتے ہیں۔ امریکہ میں اس کے برعکس لوگ بے تکلف ہو جاتے ہیں۔ گفتگو میں بھی خود پہل کر لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ بول چال میں بھی بے تکلف رہتے ہیں۔ ۲۱۳؎

صغرا سبزواری "سفر نامہ یورپ" میں ہالینڈ کے واقعات تحریر کرتی ہیں کہ ہالینڈ میں جس قدر مکانات ہیں سب ایک ہی طرز اور ایک جیسی وضع قطع کے ہیں جیسے ایک ہی معمار نے بنائے ہوں۔ وہاں کے بازار میں جائیں تو ہر طرح کی رنگ برنگی اور انواع و اقسام کی اشیا سجی نظر آئیں گی۔ ان کے سکہ کو گلڈ کہتے ہیں۔ سمندر کے کنارے ایک جگہ ماڈورڈرم ہے یہ جگہ یوں لگتا ہے جیسے پورے ہالینڈ کا نقشہ ہو۔ گویا یہ شہر ایک چھوٹا ہالینڈ ہے۔ ۲۱۴؎

روح افزاء حیدر ماسکو میں دوران سفر کرسمس کے موقعہ پر موجود تھیں۔ وہ اپنے سفر نامے میں بتاتی ہیں کہ روس میں کرسمس کا تہوار سرکاری طور پر نہیں منایا جاتا۔ مگر کرسمس سے ہفتوں پہلے ماسکو کے بازاروں میں گھر کی سجاوٹ کی اشیا اور کرسمس کے درخت ڈھیروں خریدے جاتے ہیں۔ ماسکو کے بڑے پر رونق بازاروں اور پارکوں میں نئے سال کے اونچے اونچے سرسبز درخت روشن شمعوں سے جگمگا رہے ہیں اور ان پر برف بہت دلکش سماں پیش کرتی ہے۔ ماسکو کو اکثر روکھا پھیکا شہر کہا جاتا ہے۔ گرمیوں میں اس کا حسن اتنا خوبصورت ہے تو سردیوں میں کیا ہوگا۔ ۲۱۵؎

مسز صوفی (ایم اے) نے "سفر جرمنی" کے عنوان سے ایک طویل سفر نامہ قلم بند کیا ہے۔ اپنے اس سفر نامے میں انھوں نے جرمنی کی تاریخی عمارتوں کی تفصیل اور شاہ بلوط کے بنے ہوئے تمام سجاوٹی، آرائشی اور گھریلو فرنیچر کی جزئیات بیان کی ہیں۔ ۲۱۶؎

مسز صوفی اپنے ایک دوسرے سفر نامے میں ترکی کے حالات اور واقعات تفصیل سے بیان کرتی ہیں۔ ان کے سفر ناموں میں یہ خوبی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ہر چیز میں جزئیات نگاری کو ملحوظِ خاطر

CS CamScanner

رکھا گیا ہے۔ اس سفر نامے میں انھوں نے کمال مصطفیٰ اتاترک کے گھر کا نقشہ، ترکی خواتین کی معاشرت اور ثقافت کے بارے میں بتایا ہے۔ انھوں نے نہایت مفصل انداز میں ترکی خواتین کی میزبانی، ترکی کے شہروں، مساجد، مقبروں اور بازاروں کا حال بیان کیا ہے۔ ۲۱۷ے

بدرالنساء رحمٰن ترکی کے سفر نامے میں لکھتی ہیں کہ انھوں نے استنبول جانے سے پہلے قونیہ کو دیکھنے کا پروگرام بنایا جو سلجوقیوں کا دارالحکومت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت پرانا اور تاریخی شہر ہے۔ قونیہ کا شہر انقرہ سے تقریباً ڈیڑھ سو میل کے فاصلے ہے۔ اس کا تمام راستہ پہاڑی ہے۔ قونیہ چھوٹا سا مگر صاف ستھرا قصبہ ہے۔ یہاں زیادہ تر عورتیں دس پندرہ گز کپڑے کی گھیر دار شلوار پہنتی ہیں، سر پر رومال بھی باندھتی ہیں۔ ملنسار، خوش اخلاق اور اعلیٰ درجے کی مہمان نواز ہوتی ہے۔ ۲۱۸ے

ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والے ان تمام سفر ناموں کی ایک خصوصی بات یہی تھی کہ سب سفر نامے سادہ، رواں اور سلیس زبان میں لکھے گئے ہیں۔ تمام سفر نامہ نگاروں نے چاہے وہ خواتین ہوں یا مرد حضرات اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا ہے کہ ان کو گھروں میں بیٹھی کم پڑھی لکھی مستورات بھی پڑھتی ہیں۔ لہٰذا زبان و بیان نہایت صاف اور رواں رکھا گیا ہے۔ اور تفصیل مع جزئیات بیان کی گئی ہے۔

۴۔ تراجم:۔

ماہنامہ "عصمت" میں گاہے بہ گاہے دوسری زبانوں کی تخلیقات آسان اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کی گئی ہیں۔ ان تراجم میں زیادہ تر دوسری زبانوں کی کہانیاں ہیں کچھ افسانے بھی تراجم شدہ ہیں۔ زیادہ تر ہندی بنگالی اور انگریزی کے ادب پاروں کو ترجمہ کیا گیا ہے۔ تقریباً ہر اس کہانی کو ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو قاری کے لیے دلچسپی کا باعث بنی ہے۔ محمودہ حق نے "بے رحم قاتل" کے عنوان سے انگریزی سے ایک کہانی ترجمہ کی ہے۔ اس کہانی میں ایک عجیب و غریب پاگل شخص کی جنونی کیفیتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جان ہاکنز جس کو بے رحم قاتل کہا گیا ہے دراصل ایک جذباتی شخص ہے۔ جو جذبات میں آکر اپنی محبوبہ کے نوجوان بچوں کا قتل بے رحمی سے کرتا ہے۔ وہ اپنی محبوبہ مسز والچ کے بچوں ۱۶

سالہ بولی نی اور ۱۴ سالہ فریڈی واچ کو محض اس لیے ہتھوڑے مار مار کر لہولہان کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کو برا بھلا کہتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ماں کو بھی گالیاں دیتے تھے۔ یہ کہانی امریکی معاشرے کی جنون خیزی کو ظاہر کرتی ہے۔ جہاں محض کسی کو برا بھلا کہنے پر اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کرنی پڑتی ہے اور قاتل محض اس شک میں چھوڑ دیا جاتا ہے، یا بری کر دیا جاتا ہے کہ وہ ایک جنونی شخص ہے اور اس کو علاج کی سخت ضرورت ہے۔۲۱۹

"ڈاکٹر فاؤسٹ کا گھر" کے عنوان سے ایک کہانی انگریزی سے ترجمہ کی گئی ہے۔ یہ کہانی تجسس اور پر اسرار واقعات پر مبنی ہے۔ پروفیسر فاؤسٹ بہت ماہر علم اور سائنس دان تھا۔ جو کہ مختلف تجربے کرنے کے بعد بالآخر شیطان کو اپنے گھر میں بلانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس سارے کام کے بدلے میں وہ شیطان کو اپنی روح دے دیتا ہے اور اُسے اپنے جائز ناجائز تمام کام کرواتا ہے۔ ایک دن وقت مقررہ پر شیطان ڈاکٹر فاؤسٹ کی روح کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاس لے جانے کے لیے آتا ہے۔ ہر چند کہ ڈاکٹر فاؤسٹ اسے اس امر سے روکنے کی بہت کوشش کرتا ہے اور شیطان سے بہت جھگڑا کرتا ہے مگر اس کے باوجود شیطان اس کی روح لے کر اڑ جاتا ہے۔ اور جس کمرے میں سے وہ اس کی روح کو لے کر اُڑتا ہے۔ اس میں ایک بڑا شگاف پڑ جاتا ہے۔ چونکہ ڈاکٹر فاؤسٹ شیطان سے اپنے کام نکلواتا تھا اس لیے وہ جادوگر کے نام سے مشہور تھا۔ وہ خود جادو کی کتابیں پڑھتا رہا تھا۔ بہت سالوں تک ڈاکٹر فاؤسٹ کے گھر کوئی نہ جاسکا۔ وہ گھر ویران پڑا رہتا تھا۔ آخر کار ایک مفوک الحال طالبعلم جس کی حالت ایک آوارہ کتے سے بھی مخدوش تھی۔ اس نے جائے پناہ کے طور پر اس مکان کو اپنایا۔ جب یہاں اس کے ساتھ کوئی پر اسرار واقعہ نہ پیش آیا۔ تو اس نے پچھلی سب باتوں کو بھلا دیا اور اس نے اس گھر کو مسکن کے طور پر اپنا لیا۔ اس نے گھوم پھر کر مکان کا جائزہ لیا۔ وہ ڈاکٹر فاؤسٹ کی لائبریری تک پہنچ گیا۔ لائبریری دیکھ کر اس کو شدید حیرانگی ہوئی کیونکہ یوں لگتا تھا جیسے ابھی ابھی کوئی اس کی صفائی کر کے گیا ہے یہاں ہر چیز قرینے اور سلیقے سے رکھی گئی ہے۔ اس طالب علم نے وہاں رہ کر ڈاکٹر فاؤسٹ کی تحریروں اور جادو کی

کتابوں کو پڑھنا شروع کر دیا۔ شیطان کو انسان کی روحوں پر قبضہ کرنا بہت پسند تھا۔ لہٰذا اس نے اس طالبعلم کو بہکانے کے لیے چاندی کا سکہ اس کی کتابوں میں رکھنا شروع کر دیا۔ وہ طالبعلم پیسے کی ہوس میں اتنا اندھا ہو گیا کہ اس نے بھی ڈاکٹر فاؤسٹ کے طریقے سے شیطان کو بلایا اور شیطان نے اپنے شکار کو پھر اڑا لیا۔ یہ کہانی شیطانی دماغ اور جادو کرنے والوں کے لیے تنبیہ کا کام کرتی ہے نیز ہوس کے انجام سے قاری کو آگاہ بھی کرتی ہے۔۲۲۰

کچھ کہانیوں کے تراجم ہندی زبان سے کیے گئے ہیں ان میں ہندوستانی معاشرت اور ثقافت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ سنجیدہ اشرف نے افسانہ "بدنصیب" ہندی زبان سے ترجمہ کی ہے جو ہندوستانی پست ذہنیت کی عمدہ ترجمان ہے۔ افسانے کی ہیروئن سرلا کی شادی اپنے سے غریب گھرانے کے ایک پروفیسر راکیش کمار سے ہوئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ بیاہ پر رضامند نہیں تھے۔ لیکن سرلا کی دولت دیکھ کر اسے شادی پر راضی ہو گئے۔ لیکن اب انھیں اور ان کی ماں کو لگتا ہے کہ سرلا دولت مند اور مغرور ہے۔ اور ان لوگوں کو خود سے کم تر اور ذلیل سمجھتی ہے۔ اس لیے یہ لوگ سرلا کو صبح شام طعنوں سے نوازتے اور اسے کم تر اور ذلیل ہونے کا طعنہ دیتے۔ حتیٰ کہ وہ اس کو گھر سے باہر نکلنے اور ماں باپ سے ملنے کی اجازت بھی نہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ اس کا بھائی کمل اس سے ملنے آیا تو اس پر بھی سرلا کی ساس نے فساد کھڑا کر دیا۔ اس کا بھائی سوچنے لگتا ہے کہ نا جانے ہندوستان میں عورت کب تک سماج کے بندھنوں میں جکڑی رہے گی اور کب تک خود کو اس کے رسم ورواج کی بھینٹ چڑھاتی رہے گی۔ ہندوستان میں شادی کے بعد بھائی کو بہن سے ملنے کا اختیار بھی نہیں؟ یہ سوچتے سوچتے وہ سرلا کے گھر سے باہر نکل جاتا ہے۔ دراصل اس کی یہ سوچ ہندوستان میں عورت پر ہونے والے مظالم کے المیے کو ظاہر کرتی ہے۔ جب اس کی بہن اس کو رخصت کرنے بھی نہیں آئی۔ تو اس کے ذہن میں یہ سوچ سر اٹھاتی ہے کہ صدیوں کے دباؤ اور بے جا ظلم نے عورت کی ذہنیت کس قدر پست بنا دی ہے۔ جس گھر میں وہ بیاہ دی جاتی ہے۔ دم نکلنے تک بھی وہ ان کے متعلق کوئی لفظ سننا گوارا نہیں کرتی۔ جس گھر میں اس کی ڈولی اترتی ہے۔ وہاں اس پر لاکھ

CS CamScanner

مظالم ہوں وہ اف بھی نہیں کرتی اور وہیں سے اس کا جنازہ نکلتا ہے۔ سرلا کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے کہ مسلسل بخار ٹائیفائیڈ کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور سرلا کی جان لے کر چھوڑتا ہے۔ لیکن جس گھر میں اپنی بیچارگی میں سرلا کی ارتھی اٹھتی ہے۔ وہیں ایک مہینے بعد پروفیسر راکیش کمار کی شادی کے نغمے بج رہے ہوتے ہیں۔ مصنف کے نزدیک ہندوستان مردم خیز ملک ہے اور یہاں لڑکیاں کچھ زیادہ ہی پیدا ہوتی ہیں۔ یہ آخری جملہ ہندوستانی ذہن کو بیدار کرنے کے لیے بہت اہم ہے۔ کیونکہ یہاں ہر عورت سرلا ہے اور ہر عورت سرلا کی طرح بدنصیب ہے۔ ۲۱۱

ماہنامہ "عصمت" میں بنگالی زبان کے افسانوں کے بہت سے تراجم بھی شائع ہوئے۔ رابندر ناتھ ٹیگور کے افسانے کا ترجمہ غوثیہ الجبار نے "میری آنکھیں" کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ افسانہ بھی ہندوستانی مردوں کی خراب ذہنیت کا عمدہ عکاس ہے۔ افسانہ ہیروئن کملا کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔ وہ اپنی کہانی بیان کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اس کے شوہر سوامی ڈاکٹر بن رہے تھے۔ ابھی میڈیکل کے طالبعلم ہی تھے کہ ان کا پہلا بچہ ضائع ہو گیا اور اس کا نتیجہ کملا کو کمزور بینائی کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ اس کے شوہر سوامی نے اس کا علاج کسی اچھے ڈاکٹر سے کرانے کے بجائے خود کرنا شروع کر دیا۔ جب بھی اس کو کہا جاتا کہ اپنی بیوی کا علاج کہیں اور سے کراؤ تو وہ کہتا کہ کوئی ڈاکٹر مجھ سے زیادہ ہمدردی سے اس کا علاج نہیں کر سکتا۔ یوں اس کے علاج کے عوض کملا دونوں انکھوں کی بصارت سے محروم ہو کر رہ گئی۔ پھر جب سوامی بڑا ڈاکٹر بن گیا۔ تو اس کی چچی اپنی بھتیجی سروجنی کے ساتھ ان کے گھر آ کے رہنے لگی۔ سوامی سروجنی میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی دلچسپی رکھنے لگا۔ لیکن دوسری جانب کملا کا بھائی جو اسے بہت محبت رکھتا تھا وہ سارے معاملے کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھ گیا۔ ایک دن کملا کے شوہر سوامی نے اسے کہا کہ وہ سروجنی سے شادی کرنے کے لیے شہر جارہا ہے تو یہ سن کر کملا بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ محسوس کرتی ہے کہ سروجنی دلھن کے لباس میں موجود ہے۔ سروجنی جھک کر کملا کے کان میں کہتی ہے کہ میں

CS CamScanner

اپنے بیاہ کی خوشخبری سنانے آئی ہوں۔ کملا یہ سن کر دھک سے رہ جاتی ہے۔ لیکن اسی لمحے اس کے کانوں میں اپنے بھائی کی آواز سنائی دیتی ہے کہ کملا اپنی بھابھی کو مبارک باد دو۔ تو وہ بہت خوش ہوتی ہے۔ ۲۲۲؎

ماہنامہ "عصمت" میں بنگالی زبان کے افسانوں کے بہت سے تراجم بھی شائع ہوئے۔ چونکہ یہ مشرقی پاکستان کبھی اسی پاکستان کا حصہ تھا۔ اس لیے اس کے افسانوں کے تراجم کی تعداد سب سے نمایاں ہے۔ بنگال کے مشہور افسانہ نگار مسٹر چارو چندر بندو پادیہ کا افسانہ "چوڑی والا" ہے۔ جسے اعظم کریوی نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ افسانہ احساسات و جذبات کے حوالے سے قاری پر ایک واضح تاثر چھوڑتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار بوڑھا علی جان چوڑی والا ہے۔ جو محلوں، گلیوں میں جا کر چوڑیاں فروخت کرتا تھا۔ ایک گلی میں وہ جب چوڑیاں فروخت کر رہا تھا۔ تو اس نے ایک خوبصورت لڑکی کستوری کو ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے دیکھا۔ سندور لگائے دیکھا تو اس کا حسن بوڑھے علی جان کو بہت متاثر کرتا ہے۔ وہ اسے ایک بیٹے کی نظر سے دیکھتا ہے جس کے لیے کستوری ماں کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ اس لڑکی کو ڈھیر ساری چوڑیاں دے کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ وہ اس کو کچھ کھلونے بھی دینے کی کوشش کرتا ہے تاکہ کستوری کے بچے ان کھلونوں سے کھیل سکیں۔ مگر کستوری کی ساس کہتی ہے کہ کستوری کے ہاں کوئی بچہ نہیں ہے۔ بوڑھا علی جان کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں ان کھلونوں سے میری ماں کھیلے گی۔ جب کستوری کی ساس ان کھلونوں کی قیمت کی بابت دریافت کرتی ہے تو وہ کہتا ہے کچھ نہیں۔ یہ سب کھلونے میری ماں کے لیے ہیں۔ وہ ہر روز اس گلی میں کچھ نہ کچھ بیچنے کے لیے ضرور آتا اور کستوری کا دیدار کرتا۔ مگر رفتہ رفتہ کستوری نے کھڑکی میں آنا بند کر دیا اور جب وہ مسلسل کچھ دن تک کھڑکی میں نہ آئی تو چوڑی والے نے ہمت کر کے دروازہ بجایا اور پوچھا کہ میری ماں کہاں ہے؟ تو گھر سے انتہائی سخت لہجے میں جواب دیا گیا کہ یہاں نہیں رہتی ہے۔ بوڑھا مایوس ہو کر وہاں سے چل دیا۔ اس طرح کئی مہینے گزر گئے۔ درگاہ پوجا کا زمانہ آگیا۔ بوڑھا پھر اس اُمید پر چوڑیاں بیچنے لگا کہ شاید کستوری کا دیدار میسر آسکے مگر وہ پھر بھی نظر نہ آئی۔ آخر بہت منت سماجت کے بعد کستوری کی ساس نے کستوری کو اس بوڑھے کے سامنے لایا۔ وہ یہ دیکھ کر

حیران رہ گیا کہ وہ ایک سفید ساڑھی اور سفید دھوتی میں ملبوس تھی وہ ایک بے جان مورتی کی مانند لگ رہی تھی۔ بوڑھے نے کہا۔ کاش یہ دیکھنے سے پہلے وہ مر جاتا کستوری سر جھکائے چل پڑتی ہے۔ ۲۲۳

افسانہ "مستقبل کا آدمی" بنگال کی غربت اور انسان کی ان اُمیدوں کی عکاسی کرتا ہے۔ جو اس نے دھوکے سے حاصل کیں۔ حرام رزق پر بچوں کو پروان چڑھانے کے بعد اُن سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ افسانہ نگار نے اس افسانے کے ذریعے ہی سبق دیا ہے کہ جو بھی غلط طریقے سے بچے کی پرورش کرے گا۔ اس کا نتیجہ بگڑی ہوئی اولاد کی صورت میں نکلے گا۔ افسانے میں قدیر اور سروری غربت اور پسماندہ علاقے سے تعلق کے باوجود اپنے بچے کے مستقبل سے بہت سی امیدیں وابستہ کر کے بیٹھے ہیں۔ مگر ان کے بچے کو ٹی بی کا خطرناک مرض لاحق ہو جاتا ہے اور مسلسل بیمار رہنے لگتا ہے۔ دونوں میاں بیوی اس کو صحت یاب بنانے کے لیے ان تھک محنت کرتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر نے جواب دے دیا تھا کہ اگر اس کو صحتمند بنانا ہے۔ تو اس کی آب وہوا اور ماحول تبدیل کرنے کے لیے کسی پہاڑی مقام پر لے جاؤ۔ قدیر ایک ادنیٰ درجے کا ڈپٹی کلرک تھا اور اس کا کام بندرگاہ پر لدے ہوئے مال کی دیکھ بھال اور اس کو چیک کرنا تھا۔ اس کے پاس انتہائی کم وسائل تھے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو پہاڑی مقام پر نہیں لے جاسکتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے بیٹے کی ہر جائز ناجائز خواہش کو تسلیم کرتے ہوئے کہتا کہ یہ مستقبل کا آدمی ہے اور اس کو ہر چیز مانگنے کا حق حاصل ہے۔ کوئی بڑی سے بڑی قربانی بھی اس کے لیے کافی نہیں ہے۔ ایک دن اچانک قدیر اپنے بیٹے کو لے کو پہاڑی مقام پر چلا جاتا ہے اور اس کا بہترین علاج کروانے لگتا ہے۔ جب وہ صحت یاب ہو کر آیا تو اس نے اڑوس پڑوس کے بچوں کو مارنا شروع کر دیا۔ قدیر اپنے بیٹے کی اس خود غرضانہ صفت سے بہت مایوس ہوتا ہے۔ جیسے اس کی تمام آرزوئیں اور خواہشات خاک میں مل گئی ہوں۔ وہ اپنی بیوی سروری سے ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ ہمارا لڑکا پلے گا بڑھے گا اور مستقبل کا آدمی بنے گا۔ وہ ہماری طرح گھر چلائے گا۔ یہ بیٹا ہمارے مستقبل کی امید ہے۔ اس کے بیٹے اور پوتے دنیا پر حکومت کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس کے لیے جاں توڑ جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ دیوانہ وار چلاتا رہتا ہے کہ

CamScanner

اس بیٹے کے لیے میں نے مال سے چوری کی ہے تاکہ یہ تندرست ہو سکے۔ ہم نے اس کے لیے زیادہ زیادہ سے قربانی کی ہے۔ ہم نے زیادہ سے زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں۔ تاکہ ہمارا بچہ زندہ رہے۔ ہمارے بچے جیسے لاکھوں بچے اس دنیا میں زندہ رہیں گے۔ دراصل یہ بچہ غاصبانہ حق چھیننے والوں کی ایک علامت ہے۔ اس جیسے لاکھوں بچے جو حرام پر بڑھے ہوں گے۔ وہ حسد کریں گے، ماریں گے، لڑیں گے، دنیا ان کے شور وغل سے گرم رہے گی۔ ورنہ یہ جو حرام کی جد و جہد ہے یہ بیکار جائے گی اور یہی مستقبل کے آدمی ہوں گے۔ ۲۱۱

"پگوڈے کا کنواں" برکلے ماتھ کے افسانے کا ترجمہ ہے۔ یہ افسانہ تجسس اور پر اسرار واقعات پر مبنی ہے۔ یہ افسانہ بنگال کی تاریخ بھی بیان کرتا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار مسٹر سوفٹن ہیں۔ کہانی کا آغاز یوں ہے کہ پروفیسر نیولے کو بنگال کے راستے برما میں جانے کے لیے ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو کہ نہ صرف راستوں سے واقف ہو بلکہ معاوضہ بھی کم طلب کرتا ہو۔ مسٹر سوفٹن انٹرویو دینے والوں میں سب سے بہترین تھا۔ کیونکہ وہ نہ صرف برما کے راستے اچھی طرح پہچانتا تھا بلکہ اس نے انتہائی کم معاوضہ طلب کیا تھا۔ جب پروفیسر نیولے اور مسٹر سوفٹن سفر پر نکلتے ہیں۔ تو مسٹر سوفٹن انتہائی خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماضی کے ان دنوں کو یاد کرتا ہے۔ جب وہ جنگ کے دنوں میں فنڈلے اور این گوپا (نرس) کے ساتھ بھاگ کر پگوڈے کے کنویں کے پاس جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو پانی کی تلاش تھی۔ تب وہ ان کنوؤں کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔ این گوپا کے پاس انتہائی قیمتی زیورات تھے۔ جو اس نے چمڑے کے تھیلے میں چھپا رکھے تھے۔ ان تینوں کو پگوڈے میں ایک کنواں نظر آیا۔ انھوں نے یہ سوچ کر این گوپا کو کنویں میں اتارا کہ اس کا وزن کم ہے۔ اس کو اتارنے اور نکالنے میں آسانی ہو گی۔ این گوپا نے نیچے اترنے کا ارادہ کرنے کے باوجود چمڑے کے تھیلے کو خود سے جدا نہ کیا۔ جب سوفٹن اور فنڈلے نے اس کو کنویں میں اتارا تھا تو اس کو حادثہ پیش آگیا۔ تو ان دونوں نے مشکل سے اس کی جان بچائی تھی۔ رات گزرنے کے ساتھ ساتھ مسٹر سوفٹن نے ایک منصوبہ بنایا اور اس کا وہ تھیلا چرا کر بھاگ نکلا۔ اس تھیلے کے

ساتھ ساتھ اس نے این گوپا اور فنڈلے کا سارا کھانا بھی چرالیا تھا۔ اس کے نتیجے کے طور پر این گوپا بھوک اور پیاس کی شدت سے فوت ہوگئی۔ اور فنڈلے بیماری کا شکار ہو کر اپنے دونوں بازوؤں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اب جبکہ سوفٹن کئی سالوں بعد پروفیسر کے ساتھ برما میں پگوڈے کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ تو بڑا خوش ہوتا ہے کہ اس نے پگوڈے میں اس کنویں تک رسائی حاصل کر ہی لی۔ جہاں این گوپا نے زیوارت چھپائے تھے۔ وہ پروفیسر سے پیٹ درد کا بہانہ کر کے پگوڈے میں رہ جاتا ہے۔ اور پروفیسر اپنے مقصد کے لیے آگے نکل جاتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر اس کو کھلی چھوٹ مل جاتی ہے اور رات وہ خاموشی سے اس کنویں میں اترتا ہے۔ چونکہ وہ کنواں ویران تھا۔ اس لیے امکان نہیں تھا کہ کوئی اس طرف آئے گا۔ وہ اطمینان سے ٹارچ لے کر مضبوط رسی کے ساتھ نیچے اترتا ہے قیمتی جواہرات وہاں پا کر انتہائی خوشی محسوس کرتا ہے کہ آخر اس نے برسوں بعد ان جواہرات کو پایا ہوتا ہے۔ جب وہ واپس نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اس کو رسی کی گرفت ڈھیلی معلوم ہوتی ہے اس کو پتہ چلتا ہے کہ اس کی رسی کاٹ دی گئی ہے۔ تب اس کو جو آواز سنائی دیتی ہے۔ جو فنڈلے کی ہوتی ہے وہ سوفٹن سے کہتا ہے کہ مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ یہ وہ جواہرات ہیں جن کے لیے تم نے ہم سے دغا کیا تھا۔ حالانکہ این گوپا جب کنویں میں اتری تھی۔ تب اس نے یہ جواہرات کنویں میں پھینک کر تھیلے میں ریت بھر دی تھی۔ میرے بازو نہیں رہے۔ جو میں ان کو نکال سکتا۔ اب اگر تم باہر نکلنا چاہتے ہو تو تم کو یہ جواہرات گاؤں کے لوگوں کے حوالے کرنا ہوں گے ورنہ تم باقی ماندہ زندگی یہیں گزارو گے۔ بالآخر سوفٹن نے یہ جواہرات راہبوں کی نذر کر کے زندگی کی امان پائی ہے۔ یہ کہانی تجسس سے بھرپور ہے اور کہانی کہنے والے نے آخر تک اس کی دلچسپی برقرار رکھی ہے۔ ۲۲۴

۵۔ سیر بین:

ماہنامہ "عصمت" میں ایک مستقل سلسلہ سیر بین کے نام سے چل رہا تھا۔ جس کے مصنف مولوی محمد ظفر صاحب تھے۔ ۱۹۶۰ میں مولوی محمد ظفر کی وفات کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ہر چند

CS CamScanner

کہ بعد میں سید رضا احمد جعفری نے کچھ عرصہ بے قاعدگی سے یہ سلسلہ شروع کرنے کی کوشش کی مگر پھر بھی یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ سیر بین کے عنوانات کے تحت دنیا بھر کی انوکھی خبریں اور معلومات ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہوتی تھیں۔ گھروں میں بیٹھی خواتین کے لیے یہ معلومات نہ صرف دلچسپ بلکہ فائدہ مند بھی ہوتی تھیں۔ یہ معلومات مختلف ممالک، اقوام، تہذیب اور رسوم ورواج کے متعلق ہوتی تھی۔ سیر بین میں ایک جگہ وہ امریکی جزیرے کا راز بتاتے ہیں۔ جہاں کے قید خانہ سے وہاں کا بڑے سے بڑا دل گردہ والا مجرم کانپتا ہے اور سرکش سے سرکش جرائم پیشہ وہاں جھک جاتا ہے۔ شکاگو کا مشہور بیر شراب کا لکھ پتی الکپوں یہیں رکھا گیا۔ چند سال کی سختی اس نے یہاں برداشت کی۔ اور اس کا دماغ ڈھیلا پڑ گیا۔ اس کو صحت کی بنا پر دوسری جگہ بھیجنا پڑا اور اس نے شراب پینی بھی بند کر دی۔ ۲۲۵

ایک دوسری جگہ شملہ پہاڑی کے لوگوں کے رہن سہن کے بارے میں کچھ یوں بتایا گیا ہے شملہ کی پہاڑیوں کے جنگلات میں چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہیں۔ ان کی آبادی دو سو نفوس سے زیادہ نہیں ہوتی۔ مردوں کی تعداد عورتوں سے تین گنا زیادہ ہے۔ یہ لوگ پالتو جانوروں کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اپنی آبادی میں وہ ان جانوروں کو بھی شمار کرتے ہیں۔ اس طرح ان لوگوں کے رہن سہن کے بارے میں معلومات افزاء خبریں شائع کی گئی۔ ۲۲۶

"سیر بین" میں دنیا میں ہونے والی جغرافیائی تبدیلیوں اور سائنسی واقعات کی خبریں بھی شامل ہوتی تھیں۔ چاند پر اترنے اور تسخیر کرنے کے متعلق ۶۰ سال سے پہلے صرف پیشگوئی کی جاسکتی تھی جسے بعد کے سائنسدانوں نے سچ کر دکھایا۔ محمد ظفر "سیر بین" میں چاند کی تسخیر کے متعلق بتاتے ہیں کہ چاند پر جانے کے لیے آکسیجن سے بھرے ہوئے سوٹ اور ہلکے کیے ہوئے بوٹ پہننے کی ضرورت ہوگی۔ ورنہ چاند کی باریک ریت میں آدمی ڈوب سکتا ہے۔ ۲۱۵ اس طرح وہ سائنسی معلومات بہم پہنچا رہے تھے۔

"سیر بین" کے سلسلے میں عورتوں کی دلچسپی کے لیے بہت ساری خبریں شائع ہوتی تھیں۔ جو عورتوں کو متحرک کرنے میں مدد دے سکتی تھیں۔ روس میں ایک بحری جہاز کپتان کے بارے میں خبر

CamScanner

شائع کی گئی کہ روس کا ایک تربیتی جہاز جاپان کے ایک بندر گاہ یوکوہاما پر لنگر انداز ہوا تو جاپان کے تمام اخباروں میں یہ خبر موٹی موٹی سرخیوں میں چھپی کہ اس جہاز کی کپتان ایک عورت ہے جو کہ معلمی کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہے۔ اس کا نام نا شیجے تنی نا ہے۔ یہ عورت دنیا بھر میں جہاز کی پہلی خاتون کپتان ہے۔۲۲۷

اسی طرح امریکہ میں مردوں کے حوالے سے تحقیق کی گئی کہ زیادہ عرصے تک کنوارے رہنے والے مرد خطرناک ہوتے ہیں۔ ماہر نفسیات ڈاکٹر جنیوی نفر نے ایک سروے کے ذریعے ۲۳ سال سے زائد عمر کے ۸۵۷ بالغوں کی دماغی حالتوں کا جائزہ لیا اس سے معلوم ہوا کہ کنوارے مرد زیادہ ترغیر مطمئن اور اکھڑے اکھڑے رہتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کے مطابق بالغ ہوتے ہی شادی کرنا عین فطرت ہے یوں ماہنامہ "عصمت" کے ذریعے شعور و آگہی کے در وا کیے گئے۔۲۲۸

دنیا میں کوئی بھی نئی ایجاد یا نئی بات ہوئی اس کا تذکرہ سیر بین میں ضرور ہوتا ہے۔ جب ڈاک کے نئے ٹکٹ جاری کیے گئے تو اس کے بارے میں بھی خبر دی گئی کہ حکومت سیر الیون نے ۱۹۶۴ء میں خود چپک جانے والے ڈاک ٹکٹ جاری کر کے نئی تاریخ کا آغاز کیا ہے۔ ٹکٹ پر ایک نکلس کی تصویر ہے۔ تصویر لینے کے لیے ہیروں کا یہ نکلس خصوصی طور پر ۶۰ ہزار پونڈ سے تیار کیا گیا ہے۔ ان ٹکٹوں میں بس یہ خوبی ہے کہ ان کو چپکانے کی جگہ پر رکھ کر صرف انگلیوں سے دبا دینا پڑتا ہے۔ گوند یا لئی کی بالکل ضرورت نہیں پڑتی۔ ٹکٹ نہایت مضبوطی سے چپک جاتا ہے۔۲۲۹ اس طرح "سیر بین" میں بہت سی معلومات شائع ہوئی ہیں۔

۶۔ دور بین:

پاکستان میں ماہنامہ "عصمت" کی منتقلی کے کچھ عرصہ بعد "دور بین" کے نام سے مستقل سلسلہ جاری رہا۔ مگر پھر ختم ہو گیا۔ "دور بین" میں ماہنامہ "عصمت" کے ادارے کی طرف سے خبریں شائع ہوتی تھیں۔ ملک میں جو نئی بات، کوئی حادثہ، کوئی واقعہ وقوع پذیر ہوتا، اس کی خبر شائع ہوتی تھی۔

مثلاً جون ۱۹۴۰ء کے شمارے میں محترمہ فاطمہ جناح کے دورۂ لاہور کی خبر یوں شائع کی گئی محترمہ فاطمہ جناح نے مغربی پنجاب کا دورہ کیا اور لاہور میں قیام فرمایا۔ لاہور میں جگہ جگہ عورتوں کی ترقی کو ملاحظہ کیا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ موجودہ حالات میں ہر مسلمان عورت کو اور تعلیم یافتہ عورتوں کی جنگی تربیت حاصل کرنی چاہیے۔ انھیں دفاع کرنے کے طریقوں میں ماہر ہونا چاہیے تا کہ وہ اپنی حفاظت کر سکیں اور مرد بے فکری سے جنگ میں دشمن کے مدمقابل ہو سکیں۔ ۲۳۰؎

اس طرح جب ڈاکٹر عبدالسلام کو ایٹم برائے امن کا ایوارڈ ملا تو اس کی خبر بھی شائع کی گئی۔ صدر پاکستان کے مشیر سائنس ڈاکٹر عبدالسلام کو ایٹم برائے امن کا ایوارڈ ملا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس رقم سے ایک فلاحی ادارہ قائم کریں گے۔ اس طرح سائنس کے طالب علموں کی سرپرستی جاری رکھیں گے۔ ۲۳۱؎

ایک خبر اس عنوان سے شائع ہوئی کہ ایک خاتون میجر کو اعزاز دیا گیا۔ پاک فوج میں نصرت جہاں بیگ واحد میجر خاتون تھیں۔ جنھوں نے جنگ کے دوران بے لوث خدمات انجام دیں۔ میجر نصرت جہاں ایک ہسپتال میں تھیٹر کی انچارج تھیں ان کو ان کی اعلیٰ جنگی خدمات کے عوض قائداعظم تمغہ دیا گیا ہے۔ ۲۳۲؎

کچھ خبریں عام گھریلو واقعات پر مشتمل تھیں مثلاً ایک نوجوان عورت کے بارے میں خبر دی گئی کہ بشیراں گھر میں آگ لگنے کی وجہ سے جل کر جاں بحق ہو گئی۔ اس نے ریشمی کپڑے پہن رکھے تھے اور کھانا پکانے کے لیے اس نے جونہی ماچس کی تیلی جلائی اس کے چاروں طرف آگ لگ گئی۔ اس وقت گھر میں بشیراں کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا۔ وہ گھبراہٹ میں مکان کے اندر بھاگی تو مٹی کے تیل کے ٹین سے ٹکرا گئی اور آگ پھیل گئی اور جب لوگ چیخ پکار سن کر اس کو بچانے آئے تب تک یہ وفات پا چکی تھی۔ ۲۳۳؎

ایک دوسری خبر کچھ یوں تھی کہ پشاور کے ایک گاؤں میں ایک پٹھان نے اپنی بیوی کو اس جرم میں پھانسی دے دی کہ وہ بچہ پیدا کرنے کی اہل نہیں تھی۔ اس عورت کے باپ نے پٹھان کے خلاف رپورٹ درج کرا دی۔ پٹھان نے اقرار جرم کرتے ہوئے کہا کہ میری بیوی بچے پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے میں نے اسے پھانسی دے دی۔ ۲۳۴ے

تقسیم پاکستان کے بعد مسلمانوں کو اپنے بہت سے اثاثوں سے محروم ہونا پڑا تھا۔ ان میں بہت سی چیزوں پر اختلاف رہا۔ جنوری ۱۹۷۰ء کے شمارے میں ایک خبر یوں شائع ہوئی کہ عظیم لائبریری انڈیا آفس لائبریری کی تقسیم کا مسئلہ ہنوز حل طلب ہے۔ اس لائبریری میں پاکستان کا ۲۰ فیصد حصہ ہے مگر اس میں جھگڑا پڑا ہوا ہے۔ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے ۱۹۷۱ء میں ایک ٹریبونل قائم کیا جائے گا۔ انڈیا آفس لائبریری کا مستقبل اس فیصلے سے وابستہ ہے کہ یہ کس کی ملکیت ہے۔ اگر وہ انڈیا کی ملکیت میں جاتی ہے تو انڈیا کو اس کا ۲۰ فیصد پاکستان کے حوالے کرنا ہوگا۔ ۲۳۵ے

اس طرح ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والی غیر افسانوی نثر نے ذہن و دل میں ایک وسیع انقلاب برپا کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرتی اقدار کا بھی دامن مضبوطی سے تھامے رکھا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ ادارہ، "مضمون نگاری کے قواعد"، عصمت، جولائی ۱۹۶۹ء، ص: ۰۱۔

۲۔ آنسہ باصرہ صدیقی، "مضمون"، عصمت، جنوری ۱۹۴۸ء، ص: ۲۹۔

۳۔ علامہ راشد الخیری، "بیوہ کا نکاح"، عصمت، جولائی ۱۹۴۸ء، ص: ۰۸۔

۴۔ بلقیس عصمت شفیع، "مکمل عورت"، عصمت، اگست ۱۹۴۹ء، ص: ۷۱۔

۵۔ عقیلہ سلطانہ، "نسوانی تعلیم و تربیت"، عصمت، فروری ۱۹۵۴ء، ص: ۱۰۴۔

۶۔ حمیدہ بیگم، "خدمت قوم"، عصمت، اگست ۱۹۵۰ء، ص: ۱۱۳۔

۷۔ سلمٰی عباسی "اصلاح کی ضرورت"، عصمت، ستمبر ۱۹۵۱ء، ص: ۳۳۔

۸۔ فاطمہ بیگم، "مسلمان خواتین اور کلب"، عصمت، ستمبر ۱۹۵۲ء، ص: ۸۴۱۔

۹۔ ڈاکٹر اصغر جلیس، "ازبکستان میں عورتوں کا مقام"، عصمت، جنوری ۱۹۴۸ء، ص: ۱۰۔

۱۰۔ بدر النساء رحمٰن، "تعلیم نسواں اور ہمارا معاشرہ"، عصمت، اکتوبر ۱۹۶۵ء، ص: ۲۱۹۔

۱۱۔ صدیقہ بانو، "راہ بھول گئے"عصمت، اکتوبر ۱۹۶۱ء، ص: ۲۲۳۔

۱۲۔ حمیدہ بانو ملک، "خواتین کی تعلیم کا نظام"، عصمت، مارچ ۱۹۸۲ء، ص: ۰۶۔

۱۳۔ فتح محمد برقت، "ناخواندہ خواتین اور معاشی ترقی"، عصمت، اپریل ۱۹۹۸ء، ص: ۵۱۔

۱۴۔ بلقیس عصمت شفیع، "پاکستانی عورت"، عصمت، اپریل ۱۹۴۸ء، ص: ۱۶۷۔

۱۵۔ قیصر سراج نظامی، "روسی خاتون"، عصمت، جون ۱۹۴۸ء، ص: ۲۶۴۔

۱۶۔ شہیر الدین علوی، "اسلامی عہد زریں کی حکمت"، عصمت، جولائی ۱۹۴۸ء، ص: ۳۰۔

۱۷۔ شائستہ اختر سہروردی، "آج کل کی عورت"، عصمت، ستمبر ۱۹۴۸ء، ص: ۱۳۱۔

۱۸۔ بیگم نصیر الدین، "ہم کیا کریں"، عصمت، دسمبر ۱۹۴۸ء، ص:۔ ۶۶۔

۱۹۔ اختر سلمٰی، "ہمارے حقوق"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص: ۲۵۵۔

۲۰۔ مولانا عبد الغفار الخیری، "عورت کی آزادی"، عصمت، فروری ۱۹۵۰ء، ص: ۷۱۔

۲۱۔ نفیس فاطمہ، "عورت اور اسلام"، عصمت، مارچ ۱۹۵۰ء، ص:۱۴۳۔

۲۲۔ سیدہ قانتہ بیگم، "عورتوں کی کتابیں"، عصمت، ستمبر ۱۹۵۹ء، ص:۱۶۸۔

۲۳۔ صغرا عبد السبحان، "آج کی لڑکی"، عصمت، نومبر ۱۹۵۷ء، ص:۲۹۲۔

۲۴۔ عائشہ صدیقہ، "برابر کا مقابلہ"، عصمت، اپریل ۱۹۵۲ء، ص:۱۹۰۔

۲۵۔ بدر النساء رحمٰن، "اغیار کی نظر میں مسلمان عورت"، عصمت، نومبر ۱۹۸۱ء، ص:۹۱۔

۲۶۔ بیگم آمنہ نازلی، "پرائیویٹ سیکرٹری"، عصمت، مارچ ۱۹۸۲ء، ص:۰۳۔

۲۷۔ نصیر الدین ہاشمی، "مہر اور جہیز"، عصمت، جولائی ۱۹۴۸ء، ص:۲۵۔

۲۸۔ نصیر الدین ہاشمی، "طلاق اور خلع"، عصمت، اگست ۱۹۴۸ء، ص:۸۷۔

۲۹۔ مسز صوفی ایم اے، "نان نفقہ"، عصمت، اپریل ۱۹۶۲ء، ص:۱۸۴۔

۳۰۔ محمد احتشام الدین، "آزادیٔ نکاح و شادی"، عصمت، اگست ۱۹۹۲ء، ص:۳۰۔

۳۱۔ جمیلہ بیگم، "عورتوں میں اقتصادی بیداری"، عصمت، جولائی ۱۹۴۸ء، ص:۱۹۔

۳۲۔ محمد احمد سبز واری، "عورتوں میں معاشی بیداری"، عصمت، ستمبر ۱۹۴۸ء، ص:۱۲۵۔

۳۳۔ بلقیس عصمت شفیع، "آزاد عورت"، عصمت، ستمبر ۱۹۴۸ء، ص:۱۳۲۔

۳۴۔ زہرہ نورانی، "نرسنگ اور مسلم خواتین"، عصمت، دسمبر ۱۹۴۸ء، ص:۲۷۶۔

۳۵۔ شائستہ اختر سہروردی، "عورتوں کی اقتصادی بیداری"، عصمت، اگست ۱۹۵۰ء، ص:۹۵۔

۳۶۔ بلقیس درانی، "خواتین کی شہری اور دفاعی تنظیم"، عصمت، ستمبر ۱۹۵۱ء، ص:۱۳۶۔

۳۷۔ جمیلہ بیگم، "لڑکیوں کے لیے شریفانہ پیشے"، عصمت، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۲۰۹۔

۳۸۔ عامرہ خاتون، "خواتین اور ملک کی ترقی"، عصمت، دسمبر ۱۹۷۸ء، ص:۱۹۔

۳۹۔ امت الحمید خانم، "تحریک اصلاح نسواں"، عصمت، جنوری ۱۹۹۹ء، ص:۱۱۔

۴۰۔ پروفیسر منورہ رؤف، "تحریک پاکستان میں خواتین کا کردار"، عصمت، جولائی ۱۹۹۷ء، ص:۳۰۔

۴۱۔ مصلح الدین احمد، "حق رائے دہی اور خواتین"، عصمت، جون ۱۹۶۳ء، ص:۳۱۳۔

۴۲۔ جمیلہ بیگم، "فرانسس ہاجکنز"، عصمت، جنوری ۱۹۴۹ء، ص:۰۵۔

۴۳۔ نصیر الدین ہاشمی، "قرون اولیٰ کی مسلم خواتین کے مشاغل"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۱۱۔

۴۴۔ شائستہ اختر سہروردی، "نورالنساء عنایت خان"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۱۷۔

۴۵۔ نذر سجاد حیدر، "بلبل ہند کی یاد میں"، عصمت، جولائی ۱۹۴۹ء ص:۴۷۔

۴۶۔ شائستہ اکرام اللہ، "مسز سروجنی نائیڈو کی یاد میں"، عصمت، جون ۱۹۹۴۹ء ص:۲۴۷۔

۴۷۔ ضیاء الدین احمد برنی، "بلبل ہند سروجنی نائیڈو"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۲۲۔

۴۸۔ جمیلہ بیگم، "راحت آراء بیگم"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۲۸۔

۴۹۔ زہرہ جمال بھوپال، "خواتین اسلام کے کارنامے"، عصمت، جولائی ۱۹۴۹ء، ص:۲۴۔

۵۰۔ عابدہ معین، "خواتین بلوچستان"، عصمت، ستمبر ۱۹۵۶ء، ص:۹۹۔

۵۱۔ نصیر الدین ہاشمی، "مسلمان خواتین اور رقص"، عصمت، مئی ۱۹۵۷ء، ص:۳۱۲۔

۵۲۔ ح بیگم، "امریکن عورتوں میں سلائی کا شوق"، عصمت، جون ۱۹۵۸ء، ص:۱۶۶۔

۵۳۔ بیگم برلاس، "جاپانی عورت میرے مشاہدہ میں"، عصمت، دسمبر ۱۹۶۳ء، ص:۳۵۱۔

۵۴۔ ج بیگم، "ایک ہفت زبان مسلمان خاتون"، عصمت، ستمبر ۱۹۱۵ء، ص:۲۰۷۔

۵۵۔ نصیر الدین ہاشمی، "لباس اور پردہ"، عصمت، ستمبر ۱۹۴۸ء، ص:۱۱۶۔

۵۶۔ نصیر الدین ہاشمی، "مسلمان خواتین کے لباس کی مختصر تاریخ"، عصمت، نومبر ۱۹۵۰ء، ص:۳۶۳۔

۵۷۔ محمودہ حق، "لباس تنگ و چست"، عصمت، جنوری ۱۹۹۲ء، ص:۳۷۔

۵۸۔ عائشہ صدیقہ، "غرارہ اور فیشن"، عصمت، ستمبر ۱۹۹۸ء، ص:۴۴۔

۵۹۔ صدیقہ بانو، "ہم کیا چاہتے ہیں"، عصمت، نومبر ۱۹۴۸ء، ص:۲۳۵۔

۶۰۔ زینب گلشن، "لڑکیوں کا رواجی پردہ"، عصمت، مارچ ۱۹۵۰ء ص:۱۲۷۔

۶۱۔ ظفر الاسلام منہاس، "ساس بہو کا جھگڑا"، عصمت، دسمبر ۱۹۴۸ء، ص:۲۸۱۔

۶۲۔ جہاں بانو، "ازدواجی زندگی"، عصمت، اپریل ۱۹۴۹ء، ص:۱۴۷۔

CS CamScanner

۶۳۔ نصیر الدین ہاشمی، "میاں بیوی کے جھگڑے کے اسباب"، عصمت، جون ۱۹۵۰ء، ص:۳۰۱۔

۶۴۔ مسرت ادریس، "ساس بہو"، عصمت، اکتوبر ۱۹۵۲ء، ص:۲۰۹۔

۶۵۔ بیگم نصیر الدین، "ازدواجی زندگی"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۴۹۱۔

۶۶۔ نصیر الدین ہاشمی، "شوہروں کے جرائم"، عصمت، جون ۱۹۵۲ء، ص:۲۹۱۔

۶۷۔ سید امتیاز علی تاج، "ازدواجی زندگی اور اسراف"، عصمت، اکتوبر ۱۹۹۹ء، ص:۰۶۔

۶۸۔ صدیقہ بانو، "ریل کا سفر"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۲۱۔

۶۹۔ سید رضا احمد جعفری، "گھر اور اس کی آرائش"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۲۹۔

۷۰۔ مولوی محمد ظفر، "خانہ داری"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۳۳۔

۷۱۔ نزہت آراء بیگم، "حسن کی نگہداشت"، عصمت، مارچ ۱۹۵۰ء، ص:۱۶۶۔

۷۲۔ آمنہ نازلی، "عورتوں کا سلیقہ"، عصمت، اکتوبر ۱۹۵۲ء، ص:۱۹۹۔

۷۳۔ آنسہ ایم ایس جے، "ہماری الجھنیں"، عصمت، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۱۸۰۔

۷۴۔ مسرت ادریس، "میزبان اور مہمان"، عصمت، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۱۸۹۔

۷۵۔ سیدہ قانتہ بیگم، "لڑکیوں کی خود غرضی"، عصمت، اکتوبر ۱۹۵۹ء، ص:۲۲۰۔

۷۶۔ نقی محمد خان، "بردہ فروشی"، عصمت، جنوری ۱۹۶۲ء، ص:۱۹۔

۷۷۔ زبیدہ زریں، "مسئلہ آبادی"، عصمت، جنوری ۱۹۶۲ء، ص:۴۸۔

۷۸۔ زبیدہ زریں، "دنیا کی ایک تہائی آبادی موت کے منہ میں"، عصمت، جون ۱۹۹۱ء، ص:۳۱۴۔

۷۹۔ ماہ منیر، "آپ کی اولاد اور شادی"، عصمت، جولائی ۱۹۶۶ء، ص:۹۹۔

۸۰۔ ڈاکٹر سید محمد حسن، "زچگی"، عصمت، اگست ۱۹۷۶ء، ص:۷۷۔

۸۱۔ بنی فاطمہ، "ماں بننے والی عورت کی غذا"، عصمت، اگست ۱۹۹۱ء، ص:۸۸۔

۸۲۔ شائستہ اختر سہروردی، "جہیز"، عصمت، فروری ۱۹۴۸ء، ص:۶۵۔

۸۳۔ محمودہ حق، "جہیز بل"، عصمت، فروری ۱۹۷۶ء، ص:۷۸۔

CamScanner

۸۴۔ امتہ الوحی، "چشم دید واقعات"، عصمت، مارچ ۱۹۴۹ء، ص:۱۰۱۔

۸۵۔ بیگم برلاس، "نسوانی وقار کو گرانے والیاں"، عصمت، مارچ ۱۹۷۶ء، ص:۱۱۷۔

۸۶۔ سید مظہر علی، "گھریلو عورت اور معاشرہ"، عصمت، جون ۱۹۷۸ء، ص:۴۲۔

۸۷۔ مہناز زبیری، "سزاؤں کا ایک ہولناک درد"، عصمت، مئی ۱۹۷۳ء، ص:۲۴۱۔

۸۸۔ سلمیٰ صدیق قاضی، "ایندھن کا مسئلہ"، عصمت، مارچ ۱۹۷۶ء، ص:۱۳۴۔

۸۹۔ ستارہ اکرام، "یہ قومی خدمتگار"، عصمت، اکتوبر ۱۹۹۳ء، ص:۱۳۔

۹۰۔ نفیس فاطمہ، "دوسرے بچوں کی اہمیت"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۱۹۹۔

۹۱۔ رخشندہ ناہید، "ایک جان لیوا حقیقت"، عصمت، دسمبر ۱۹۶۳ء، ص:۳۶۴۔

۹۲۔ ب۔ن۔ ابراہیم، "بچوں کے مجرمانہ رجحانات"، عصمت، اپریل ۱۹۶۲ء، ص:۲۱۸۔

۹۳۔ ماہ منیر، "قصور کس کا"، عصمت، اکتوبر ۱۹۴۸ء، ص:۱۲۔

۹۴۔ سید ابن حسن شارق، "طفولیت"، عصمت، مارچ ۱۹۹۴ء، ص:۱۷۔

۹۵۔ بیگم نصیر الدین، "اوپری دودھ کے بچے"، عصمت، فروری ۱۹۹۹ء، ص:۴۹۔

۹۶۔ بیگم سیف اللہ تارڑ، "ماں یا ڈائن"، عصمت، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۱۸۴۔

۹۷۔ بیگم نصیر الدین، "اکلوتا بچہ"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۶۴۔

۹۸۔ بدر النساء رحمٰن، "جیب خرچ"، عصمت، دسمبر ۱۹۶۶ء ص:۲۵۰۔

۹۹۔ مشتاق احمد زاہدی، "صوبائی تعصب"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۴۴۔

۱۰۰۔ سلمیٰ عباس، "لگائی بجھائی"، عصمت، جون ۱۹۵۰ء، ص:۳۰۵۔

۱۰۱۔ عطیہ ندیم، "ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں"، عصمت، اپریل ۱۹۶۶ء، ص:۱۷۷۔

۱۰۲۔ رخشندہ ناہید، "جیو اور جینے دو"، عصمت، جون ۱۹۷۲ء، ص:۲۶۶۔

۱۰۳۔ بیگم شیخ حمید الٰہی، "برائیوں کی جڑ"، عصمت، ستمبر ۱۹۹۴ء، ص:۳۹۔

۱۰۴۔ مسرت کاسنگجوی، "اشتہار"، عصمت، اپریل ۱۹۹۵ء، ص:۱۷۔

CamScanner

۱۰۵۔ اوصاف علی، "خود غرض آدمی کی نفسیات"، عصمت، اگست ۱۹۹۱ء، ص:۱۴۔

۱۰۶۔ اوصاف علی، "خیالات وافکار"، عصمت، جولائی ۱۹۹۳ء، ص:۱۳۔

۱۰۷۔ زبیدہ زریں، "انصاف کہاں ہے"، عصمت، ۱۹۹۳ء، ص:۱۹۔

۱۰۸۔ بیگم پاشاصوفی، "تعلیم بالغاں"، عصمت، اکتوبر ۱۹۶۸ء، ص:۰۵۔

۱۰۹۔ صدیقہ بانو، "شادی کی رسمیں"، عصمت، جون ۱۹۹۲ء، ص:۴۷۔

۱۱۰۔ قدسیہ بانو، "کچھ علاج اس کا بھی"، عصمت، نومبر ۲۰۰۴ء، ص:۲۶۔

۱۱۱۔ سید ابن حسن شارق، "اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۲۷۔

۱۱۲۔ عفت الٰہی، "خبر بھی ہے تم کو کہ کیا ہو رہا ہے"، عصمت، جون ۱۹۶۱ء، ص:۲۸۳۔

۱۱۳۔ بیگم پاشاصوفی، "روزہ"، عصمت، نومبر ۱۹۷۱ء، ص:۰۳۔

۱۱۴۔ ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی، "عقیدہ توحید کے مادی فوائد"، عصمت، ستمبر ۱۹۹۱ء، ص:۰۳۔

۱۱۵۔ شیخ عبدالحمید صاحب، "آنحضرتؐ بحیثیت منصف اور قانون ساز"، عصمت، مئی ۱۹۹۷ء، ص:۱۷۔

۱۱۶۔ رئیس طلعت، "پاکستان کے بازوئے بندوق زن"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۰۹۔

۱۱۷۔ مسز الطاف حسین، "مشرقی پاکستان"، عصمت، اپریل ۱۹۵۳ء، ص:۲۰۲۔

۱۱۸۔ رازق الخیری، "چند باتیں"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۰۱۔

۱۱۹۔ مصلح الدین احمد، "معلمات اور شادی"، عصمت، دسمبر ۱۹۶۳ء، ص:۳۴۹۔

۱۲۰۔ شائستہ اختر سہروردی، "انگلستان کا سوشلسٹ نظام معاشرت"، عصمت، جون ۱۹۶۲ء ص:۱۹۲۔

۱۲۱۔ محمد ظہیر صاحب، "ہند کی قدیم اقوام کی رسمیں"، عصمت، اپریل ۱۹۶۶ء، ص:۲۰۸۔

۱۲۲۔ محمد یامین خان، "پانی پت کی تیسری لڑائی"، عصمت، اپریل ۱۹۶۶ء، ص:۲۱۱۔

۱۲۳۔ مسز الطاف حسین، "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا دوسرا رخ"، عصمت، جولائی ۱۹۶۶ء، ص:۴۷۔

۱۲۴۔ محمد ظہیر، "ہٹلر"، عصمت، اگست ۱۹۶۶ء، ص:۱۲۱۔

۱۲۵۔ بیگم آمنہ نازلی، "انجام کیا ہوگا"، عصمت، مارچ ۱۹۷۲ء، ص:۱۲۵۔

CS CamScanner

۱۲۶۔ رخشندہ ناہید، "سادہ لوحی یا بے غیرتی"، عصمت، دسمبر ۱۹۷۳ء، ص:۳۱۲۔

۱۲۷۔ محمودہ حق، "تیری غیرت تیری حمیت کیا ہوئی"، عصمت، دسمبر ۱۹۷۳ء، ص:۳۱۴۔

۱۲۸۔ بدرالنساء، "حضرت شاہ ہمدان"، عصمت، مئی ۱۹۷۳ء، ص:۲۳۷۔

۱۲۹۔ خورشید آراء بیگم، "روشنی کا مینار"، عصمت، نومبر ۱۹۸۱ء، ص:۱۶۔

۱۳۰۔ حسن جاوید، "مشرقِ وسطیٰ اور بڑی طاقتیں"، عصمت، جنوری ۱۹۸۱ء، ص:۲۷۔

۱۳۱۔ بشیر مسعود زئی، "یوم یکجہتی کشمیر"، عصمت فروری ۲۰۰۴ء ص:۱۷۔

۱۳۲۔ بدرالنساء رحمٰن، "غلام کی حیثیت یونانی معاشرہ میں"، عصمت، فروری ۱۹۹۹ء، ص:۳۵۔

۱۳۳۔ ایم وصی الحسن، "سانپوں کی باتیں"، عصمت، فروری ۱۹۹۹ء، ص:۱۶۔

۱۳۴۔ محمد احمد سبز واری، "محسن نسواں کی یاد"، عصمت، فروری ۱۹۴۹ء، ص:۵۱۔

۱۳۵۔ جمیلہ بیگم، "مصورِ غم کی یاد میں"، عصمت، فروری ۱۹۴۹ء ص:۵۴۔

۱۳۶۔ بیگم برلاس، "علامہ راشد الخیری کی تصانیف اور آج کل کے حالات"، عصمت، فروری ۱۹۷۱ء، ص:۰۶۔

۱۳۷۔ سیمار حمٰن، "مولانا راشد الخیری اور ہماری نئی نسل"، عصمت، فروری ۱۹۶۷ء، ص:۴۵۔

۱۳۸۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، "اردو کے پہلے افسانہ نگار علامہ راشد الخیری، عصمت، فروری ۱۹۹۵ء، ص:۱۶۔

۱۳۹۔ حمیرا ثاقب، "مصور غم کی ناول نگاری"، عصمت، فروری ۱۹۹۹ء، ص:۱۱۔

۱۴۰۔ ڈاکٹر آل مرتضیٰ بلگرامی، "حکایت دل"، عصمت، جنوری ۱۹۶۲ء، ص:۳۰۔

۱۴۱۔ سید رضا احمد جعفری، "سنگھار اور آرائش"، عصمت، مئی ۱۹۷۳ء، ص:۲۵۳۔

۱۴۲۔ اوصاف علی، "ذہنی امراض"، عصمت، مئی ۱۹۸۶ء، ص:۳۳۔

۱۴۳۔ نصرت اکرم، "معذوروں کا مسئلہ"، عصمت، ستمبر ۱۹۹۸ء، ص:۱۷۔

۱۴۴۔ حمیدہ نگہت، "ہماری صحت پر انگور کے اثرات"، عصمت، فروری ۱۹۹۹ء ص:۲۳۔

۱۴۵۔ ڈاکٹر امانت اے محسن، "نفسیاتی امراض کی پہچان"، عصمت، مارچ ۲۰۰۴ء، ص:۲۵۔

۱۴۶۔ ڈاکٹر سید آل مرتضیٰ بلگرامی، "معدہ کی خود کار فیکٹریاں"، عصمت، جون ۲۰۰۴ء، ص:۰۴۔

CS CamScanner

۱۴۷۔ ب۔ن۔ آنسہ، "فرائیڈ کا نظریہ تحلیل نفسی"، عصمت، ستمبر ۱۹۴۸ء، ص:۱۴۸۔

۱۴۸۔ عرفان علی شاد، "کرسی"، عصمت، اپریل ۱۹۸۹ء، ص:۱۵۔

۱۴۹۔ سید ابو تمیم، "میرے پڑوسی رنگ برنگے"، عصمت، فروری ۱۹۵۹ء، ص:۴۹۔

۱۵۰۔ کوثر پروین، "میوزیم اور ثقافت کی ترسیل"، عصمت، اپریل ۱۹۹۸ء، ص:۵۲۔

۱۵۱۔ حوا اقبال، "انٹرنیٹ کے فوائد اور نقصانات"، عصمت، مارچ ۲۰۰۴ء، ص:۲۵۔

۱۵۲۔ ثنا ملک، "نوجوانوں کی بے راہ روی کے اسباب"، عصمت، مارچ ۲۰۰۷ء، ص:۰۵۔

۱۵۳۔ سید سبط نبی نقوی، "تسخیر قمر"، عصمت، جون ۲۰۰۴ء، ص:۲۵۔

۱۵۴۔ ام کاشان، "بچت مگر کیسے"، عصمت، اگست ۲۰۰۴ء، ص:۲۰۔

۱۵۵۔ طاہرہ انعام، "چند مفید پھل"، عصمت، ستمبر ۲۰۰۷ء، ص:۰۵۔

۱۵۶۔ ثریا جبین، "گوشت پکانے کے مختلف طریقے"، عصمت، اپریل ۱۹۶۶ء، ص:۲۰۹۔

۱۵۷۔ قراۃ العین حیدر، "ادب اور خواتین"، عصمت، اگست ۱۹۹۹ء، ص:۰۲۔

۱۵۸۔ بلقیس عصمت شفیع، "ہماری قومی زبان"، عصمت، نومبر ۱۹۴۸ء، ص:۲۳۹۔

۱۵۹۔ مشتاق احمد زاہدی، "پاکستان کی زبان"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۱۹۵۔

۱۶۰۔ نفیس فاطمہ، "سیاست کا اثر زبان پر"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۴۹۔

۱۶۱۔ ڈاکٹر وفا راشدی، "بابائے اُردو مولوی عبدالحق"، عصمت، اپریل ۱۹۹۵ء، ص:۳۵۔

۱۶۲۔ ماجد الباقری، "الفاظ کا صحیح استعمال"، عصمت، اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص:۴۱۔

۱۶۳۔ پروفیسر مظفر حسین، "عورت اور غزل گوئی"، عصمت، اگست ۱۹۴۸ء، ص:۹۴۔

۱۶۴۔ قراۃ العین حیدر، "ادب اور خواتین"، عصمت، پلاٹینم جوبلی نمبر ۱۹۸۳ء، ص:۴۹۔

۱۶۵۔ ام سلمیٰ فیاض علی، "افسانہ نویسی"، عصمت، ستمبر ۱۹۴۸ء، ص:۲۱۷۔

۱۶۶۔ اقبال اے قاضی، "عورت اور شعراء"، عصمت، فروری ۱۹۵۹ء، ص:۱۰۰۔

۱۶۷۔ امام اکبر آبادی، "شعر و ادب"، عصمت، اگست ۱۹۹۹ء، ص:۵۲۔

CS CamScanner

۱۶۸۔ محمد شفیع عارف، "تبصرہ افسانوی مجموعہ"، عصمت، فروری ۱۹۹۷ء، ص:۳۹۔

۱۶۹۔ ڈاکٹر وقار احمد رضوی، "جگر صاحب"، عصمت، اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص:۲۷۔

۱۷۰۔ عزیزہ ناز، "غالب کا فلسفہ حیات"، عصمت، اپریل ۲۰۰۴ء، ص:۲۵۔

۱۷۱۔ ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی، "فانی بدایونی کی غزلیہ شاعری"، عصمت، اگست ۲۰۰۴ء، ص:۶۲۔

۱۷۲۔ ڈاکٹر رشید موسوی، "طنز و مزاح نگار خواتین"، عصمت، دسمبر ۲۰۰۵ء، ص:۳۵۔

۱۷۳۔ سید ضمیر جعفری، "حسرت موہانی کا انگریز ار دلی"، عصمت، مارچ ۱۹۸۲ء، ص:۰۷۔

۱۷۴۔ احسن فاروقی، "ناول اور قصہ گوئی"، عصمت، مئی ۱۹۷۳ء، ص:۲۲۴۔

۱۷۵۔ ادریس جمال، "ادبی تحقیق میں بنیادی اور ثانوی مآخذ"، عصمت، فروری ۱۹۹۵ء، ص:۰۹۔

۱۷۶۔ فریحہ فرح، "جدید انگریزی شاعری پر ایک نظر"، عصمت، مارچ ۲۰۰۴ء، ص:۲۷۔

۱۷۷۔ اشرف حسینی، "چمنستان کائنات کا لطیف ترین پھول"، عصمت، اپریل ۱۹۸۶ء، ص:۱۶۔

۱۷۸۔ سید وقار عظیم، "کہانی کے میٹھے بول"، عصمت، اکتوبر ۱۹۶۸ء، ص:۲۵۔

۱۷۹۔ جہاں آرا چوہدری، "اقبال کی شاعری میں عورت کا تصور"، عصمت، ستمبر ۱۹۶۳ء، ص:۱۷۱۔

۱۸۰۔ طارق بن عمر، "اقبال کا نظریہ اور آج کے مسلمان"، عصمت، فروری ۲۰۰۴ء، ص:۰۹۔

۱۸۱۔ جہاں بانو نقوی، "فارسی کے جواہر پارے"، عصمت، جون ۱۹۴۱ء، ص:۳۰۳۔

۱۸۲۔ ڈاکٹر وفا راشدی، "عندلیب شادانی"، عصمت، ستمبر ۱۹۹۵ء، ص:۲۳۔

۱۸۳۔ عارف لکھنوی، "زہرہ نگاہ"، عصمت، ستمبر ۱۹۹۸ء، ص:۶۱۔

۱۸۴۔ کنیز بتول، "آہ! سیدہ صغریٰ سبزواری"، عصمت، ستمبر ۱۹۹۸ء، ص:۱۱۔

۱۸۵۔ ڈاکٹر رشید موسوی، "طنز و مزاح نگار خواتین"، عصمت، فروری ۱۹۹۵ء، ص:۱۷۔

۱۸۶۔ محسن بھوپالی، "ادا جعفری"، عصمت، مارچ ۱۹۹۵ء، ص:۱۸۔

۱۸۷۔ اسلام شبنم صاحب، "خواجہ میر درد کا سرمایہ غزل"، عصمت، جولائی ۱۹۹۱ء، ص:۱۶۔

۱۸۸۔ ممتاز مدراسی، "مولانا شرر کے تاریخی ناول"، عصمت، جنوری ۱۹۷۰ء، ص:۲۳۔

۱۸۹۔ محمد محی الدین بدایونی، "ڈاکٹر شوکت سبز واری"، عصمت، مئی ۱۹۷۳ء، ص:۲۴۷۔

۱۹۰۔ و۔ ا صاحبہ، "اپنوں کی ناقدری"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۳۵۹۔

۱۹۲۔ سلمٰی اختر، "ہمارے حقوق"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۰۲۔

۱۹۳۔ و۔ ا۔ صاحبہ، "موقع"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۰۲۔

۱۹۴۔ ممتاز، "زنانہ نیشنل گارڈ"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۸۰۔

۱۹۵۔ ڈاکٹر نصیر الدین احمد، "کہاں ہیں پاکستانی عورتیں؟"، عصمت، جنوری ۱۹۴۹ء، ص:۰۹۔

۱۹۶۔ ملا واحدی، "تاثرات"، عصمت، جنوری ۱۹۷۰ء، ص:۱۴۔

۱۹۷۔ و۔ ا۔ صاحبہ، "پاپ کی ناؤ"، عصمت، اپریل ۱۹۶۶ء، ص:۱۸۵۔

۱۹۸۔ امام اکبر آبادی، "دنیاداری کے معنی"، عصمت، جون ۱۹۶۱ء، ص:۳۰۶۔

۱۹۹۔ رخشندہ ناہید، "آم کے آم"، عصمت، جون ۱۹۶۱ء، ص:۲۸۷۔

۲۰۰۔ بیگم صوفی، "ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں"، عصمت، اپریل ۱۹۶۶ء، ص:۱۷۸۔

۲۰۱۔ رخشندہ ناہید، "نو دولتیے"، عصمت، اپریل ۱۹۶۶ء، ص:۱۸۸۔

۲۰۲۔ جہاں بانو نقوی، "بہکے قدم"، عصمت، اپریل ۱۹۶۶ء، ص:۱۹۴۔

۱۹۰۔ شائستہ اکرام اللہ، "سفر حج"، عصمت، جولائی ۱۹۶۶ء، ص:۹۴۔

۱۹۱۔ مشتاق احمد خان، "ایک عاجز بندے کی مکہ مدینہ میں حاضری"، عصمت، جون ۱۹۹۱ء، ص:۰۹۔

۱۹۲۔ شرافت حسین، "حجاز بائی روڈ"، عصمت، اپریل ۲۰۰۴ء، ص:۳۷۔

۱۹۳۔ سیدہ نصیبہ صاحبہ، "وادی کرم"، عصمت، جون ۱۹۵۲ء، ص:۳۲۰۔

۱۹۴۔ ثریا انصاری، "ٹھٹھہ کی سیر"، عصمت، فروری ۲۰۰۰ء، ص:۳۴۔

۱۹۵۔ مس ثریا جبین، "عجیب جزیرہ"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۷۔

۱۹۶۔ عابدہ معین، "لندن سے خط"، عصمت، فروری ۱۹۴۹ء، ص:۷۴۔

۱۹۷۔ قانتہ بیگم، "لندن سے خط"، عصمت، دسمبر ۱۹۴۸ء، ص:۲۸۶۔

CS CamScanner

۱۹۸۔ سید علی الہاشمی، "کچھ اور واقعات قیام انگلستان کے"، عصمت، جنوری ۱۹۳۰ء، ص:۳۵۔

۱۹۹۔ بدر النساء رحمٰن، "فلاریڈا میں چند دن"، عصمت، مارچ ۲۰۰۸ء، ص:۴۹۔

۲۰۰۔ صغرا سبز واری، "سفر نامہ یورپ"، عصمت، فروری ۲۰۰۴ء، ص:۱۳۔

۲۰۱۔ روح افزا حیدر، "ماسکو سے خط"، عصمت، مارچ ۱۹۷۶ء، ص:۱۵۴۔

۲۰۲۔ مسز صوفی ایم اے، "سفر جرمنی"، عصمت، جنوری ۱۹۶۲ء، ص:۳۹۔

۲۰۳۔ مسز صوفی ایم اے، "ترکی کا سفر"، عصمت، جون ۱۹۶۱ء، ص:۲۹۴۔

۲۰۴۔ بدر النساء رحمٰن، "ترکی کا سفر"، عصمت، اپریل ۱۹۹۸ء، ص:۳۵۔

۲۰۵۔ محمودہ حق، "بے رحم قاتل"، عصمت، دسمبر ۱۹۹۸ء، ص:۵۸۔

۲۰۶۔ محمودہ حق، "ڈاکٹر فاسٹ کا گھر"، عصمت، جنوری ۲۰۰۴ء، ص:۱۱۔

۲۰۷۔ سنجیدہ اشرف، "بدنصیب"، عصمت، جنوری ۱۹۶۲ء، ص:۵۱۔

۲۰۸۔ غوثیہ عبدالجبار، "میری آنکھیں"، عصمت، اگست ۱۹۹۱ء، ص:۳۲۔

۲۰۹۔ سید رضا احمد جعفری، "مستقبل کا آدمی"، عصمت، نومبر ۲۰۰۴ء، ص:۴۵۔

۲۱۰۔ حبیبہ بانو، "پگوڈے کا کنواں"، عصمت، مارچ ۱۹۹۷ء، ص:۴۱۔

۲۱۱۔ مولوی محمد ظفر، "سیر بین"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۳۵۔

۲۱۲۔ مولوی محمد ظفر، "سیر بین"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۸۳۔

۲۱۳۔ مولوی محمد ظفر، "سیر بین"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۸۴۔

۲۱۴۔ سید احمد رضا جعفری، "سیر بین"، عصمت، جنوری ۱۹۷۰ء، ص:۴۷۔

۲۱۵۔ سید احمد رضا جعفری، "سیر بین"، عصمت، اگست ۱۹۶۶ء، ص:۱۳۶۔

۲۱۶۔ سید احمد رضا جعفری، "سیر بین"، عصمت، اپریل ۱۹۶۶ء، ص:۲۱۵۔

۲۱۷۔ ادارہ، "دور بین"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۸۷۔

۲۱۸۔ ادارہ، "دور بین"، عصمت، اکتوبر ۱۹۶۸ء، ص:۶۳۔

CamScanner

۲۱۹۔ ادارہ، "دور بین"، عصمت، اپریل ۱۹۶۶ء، ص: ۲۲۲۔

۲۲۰۔ ادارہ، "دور بین"، عصمت، اگست ۱۹۶۶ء، ص: ۱۴۸۔

۲۲۱۔ ادارہ، "دور بین"، عصمت، اگست ۱۹۶۶ء، ص: ۱۴۹۔

۲۲۲۔ ادارہ، "دور بین"، عصمت، جنوری ۱۹۷۰ء، ص: ۵۶۔

CamScanner

باب سوم

ماہنامہ "عصمت" (۱۹۴۸ء تا ۲۰۰۸ء) "افسانوی نثر کا تنقیدی مطالعہ

ماہنامہ "عصمت" میں متنوع اصناف سخن تحریر کی گئیں۔ اس ماہنامے میں بہت سے افسانے، ناول اور ڈرامے شائع کیے گئے۔ ان تمام اصناف نے وقت کے ساتھ اپنے موضوعات اور اسالیب تبدیل کیے اور ہر تحریر کو معاشرے سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا گیا۔ ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے افسانے بھی لکھے گئے اس ماہنامے میں پیش کیے گئے تمام افسانے معاشرے کے حالات اور رجحانات کو واضح کرتے ہیں۔

ا۔ افسانے:

ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والے تمام افسانے با مقصد اور اصلاحی ہیں۔ خالص ادب کی کسوٹی پر مقصدی افسانہ کم درجہ تصور کیا جاتا ہے۔ ماہنامہ "عصمت" کے مشمولات کو ادبی معیارات کی کسوٹی پر پرکھ کر انھیں اعلیٰ ادب میں شمار کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ تاہم اس ماہنامے کی سماجی و معاشرتی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے اور یہی اس کی انفرادیت ہے کہ اس نے معاشرتی سدھار کو اپنا مطمح نظر بنایا۔ ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والے زیادہ تر افسانوں کا موضوع مسلمانوں، خاص طور پر مسلمان عورتوں کی اخلاقی اور تعلیمی دگرگوں حالت ہے۔

ا۔ا۔ افسانوں کا اُسلوب:

ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والے تمام افسانوں کا اسلوب سادہ، شستہ اور عام فہم ہے۔ ان افسانوں کا پلاٹ سادہ ہے۔ کردار عام زندگی سے لیے گئے ہیں۔ کہانی کی بنت سیدھی سادہ ہے اور اسلوب بھی سادہ ہے۔ چونکہ یہ ماہنامہ صرف اعلیٰ، باذوق اور تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے ہی شائع نہیں ہوتا تھا، بلکہ گھروں میں بیٹھی بہت سی نیم خواندہ مستورات بھی اس ماہنامے کو پڑھتی تھیں اور بعض ان

CamScanner

پڑھ عورتیں اس کو دوسروں سے پڑھوا کے سنتی تھیں۔ اس لیے ان تمام افسانوں کا انداز بیان انتہائی رواں اور آسان ہے کہ پڑھنے والے کو تمام بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ ابلاغِ خیال ان افسانوی تحریروں کا حقیقی مقصد ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلوب کی پیچیدگیوں کی بجائے، خیال یا نقطۂ نظر کی وضاحت و صراحت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

۲۔ا۔افسانہ نگار:

ماہنامہ "عصمت" میں کئی معروف اور غیر معروف افسانہ نگار متنوع موضوعات پر افسانے لکھ رہے تھے۔ ان میں مرد اور خواتین دونوں کے موضوعات تقریباً یکساں ہی تھے۔ ان میں منشی پریم چند، قیصر جہاں بیگم، امتہ الوحی، زیب سعید، کنیز فاطمہ، سید رضا احمد جعفری، کوثر چاند پوری، ماہِ منیر، علی احمد شاہدی، سید انصار الہدیٰ، مریم مدنی، بدرالنساء رحمٰن، کیفی عظمت، وحیدہ نسیم، عفت فریدی، محمد رمضان، نور جہاں تنویر، اختر بیگانہ، آثیم مرزا، صغرا سبزواری، مہر النساء مہر، شہناز، سید ابو عاصم، رضیہ فصیح احمد، بلقیس بیگم، عائشہ صدیقہ، ادریس جمال، شانتی دیوی، عبدالمعید خان، اختر جہاں، امام اکبر آبادی، طارق احمد، وحیدہ نسیم، شمیم احمد پرویز، محمودہ حق، آمنہ نازلی، زینب گلشن، ملکہ افروز، ڈاکٹر صدیق احمد، عصمت رضوان اور بہت سے دوسرے افسانہ نگار شامل ہیں۔

۳۔ا۔افسانوں کے موضوعات:۔

تقسیم برعظیم کے بعد نوزائیدہ مملکت اور ماہنامہ "عصمت" دونوں مشکلات کا شکار تھے۔ ماہنامہ "عصمت" کو دہلی سے کراچی منتقل کیا گیا تو مضامین لکھنے والے بہت تھے مگر افسانہ نگاری میں گنے چنے نام سامنے آئے۔۔ اور ہر شمارے میں ایک آدھ افسانہ ہی نظر آتا ہے۔ مگر یہ افسانے اپنے موضوعات کے لحاظ سے تاریخ کی عمدہ عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ نوزائیدہ مملکت میں مسائل کے انبار، دین سے دوری، امیر کا مزید دولت کے حصول کے لیے پست سطح تک گرنا، اور امیر تر ہوتے جانا، غریب کا

غربت کی سطح سے نیچے بد حال زندگی گزارنا، مزدور کے مسائل، ہر طرف عریانی و فحاشی، پھر خانگی زندگی کے مسائل، روپیہ پیسہ کی فروانی مگر سکون ندادر، شوہر بیوی کی موجودگی میں کسی سوسائٹی گرل سے شادی کر رہا ہے، تعلیم یافتہ لڑکیاں اپنی سہیلیوں کے گھر اجاڑ کر خود ان کے شوہروں سے شادیاں کر رہی ہیں۔ کچھ عورتیں مخلص ہو کر خدمتِ قوم کا فریضہ سرانجام دے رہی ہیں تو وہیں ایسی عورتیں بھی موجود ہیں جو مذہب و حیا سے دور ہو کر اس مقدس کام کو خواتین کے لیے طعنہ بنا رہی ہیں۔ مسلمانوں کا معاشرہ اس قدر تباہ حال ہو گیا ہے کہ چوری ڈکیتی ہی نہیں، قتل و اغوا کے واقعات جو پہلے کبھی کبھار سننے میں آتے تھے اب روزمرہ ہو رہے ہیں۔ رشوت کا بازار گرم ہے۔ جو شخص با اقتدار ہے وہ ہر ممکن طریقے سے لوٹ رہا ہے۔ ہر چیز مہنگی سے مہنگی تر ہوتی جا رہی ہے۔ جس کے پاس دولت ہے اصل حکمرانی اسی کی ہے۔ جدید عہد میں عزت کا تصور بدل گیا ہے۔ پہلے خاندانی شرافت دیکھ کر عزت کی جاتی تھی اب پیسے کو دیکھ کر عزت کی جاتی ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں ان سب موضوعات پر مختلف افسانے تحریر کیے گئے۔

۱۔۳۔۱۔ تقسیم بر عظیم:۔

ماہنامہ "عصمت" کے دہلی سے پاکستان منتقل ہوتے ہی سب سے نمایاں موضوع تقسیم اور اس کی تباہ کاری تھی۔ قافلوں کا لٹنا، لڑکیوں کا اغوا اور تقسیم کے تنازع پر بہت کچھ تحریر کیا گیا۔ افسانہ "اس کی بہن" اس درد آشوب دور کی تحریر ہے جہاں لڑکیوں کا جسم چیرنا، انھیں پامال کرنا اور جسم کی دھجیاں بکھیر نا معمول کی بات ہے۔ جہاں لوگ بچھڑ رہے ہیں، بچھڑ کر پھر مل رہے ہیں۔ افسانے کا مرکزی کردار زینو اور اس کی بیٹی ہیں۔ جن کے محلے میں ہندو جنونیوں نے آگ لگا دی۔ آگ لگنے کے باعث یہ پورا محلہ قافلے کی صورت پاکستان کی جانب ہجرت کرنے لگتا ہے۔ مگر افرا تفری میں زینو اور اس کی بیٹی قافلے سے بچھڑ جاتی ہیں۔ ان کو ایک ویران جگہ پر ایک نوجوان ملتا ہے جو کہ ان کو حفاظت سے قافلے تک پہنچانے کا وعدہ کرتا ہے۔ زینو کو وہ نوجوان حملہ آوروں کا سرغنہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ زینو کو لے کر جب قافلے کے ساتھ ملتا ہے۔ تو کافی پر سکون ہو جاتا ہے۔ زینو وہاں ہر طرح کے اجڑے بد

CamScanner

حال لوگ دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہے۔ مگر جب وہ اپنے شوہر سے ملتی ہے تو قدرے مطمئن ہو جاتی ہے۔ اچانک زینو کی نظر اس نوجوان پر پڑتی ہے جو زینو کو قافلے تک لایا تھا۔ وہ اپنی ماں کو بتا رہا تھا کہ اس نے اپنی بہن کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مگر ہندوؤں نے اس کی عزت تار تار کرنے کے بعد اس کو قتل کر کے ٹکڑوں کی صورت میں پھینک دیا تھا۔ مگر وہ اس پر شکر ادا کر رہا تھا کہ وہ ایک بہن کو تو نہیں بچا سکا۔ مگر دوسری بہن کو بچانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور وہ بہن زینو تھی۔[۱]

ان ہی حالات و واقعات کے تناظر میں لکھا گیا افسانہ "کلو ایکہ بان" غریب طبقے کا نمائندہ افسانہ ہے۔ یہ طبقہ تقسیم برعظیم کی ہنگامہ خیزیوں میں سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ کلو جو تانگہ چلاتا ہے۔ لگا تار فسادات اور تقسیم کی بدولت اس کو سواریاں نہیں ملتیں۔ وہ مسلسل یہی سوچتا رہتا ہے کہ اگر اس کو سواریاں نہ ملیں تو گزارا کیسے ہو گا؟ مسلمانوں تو پاکستان مل گیا۔ کانگرس کو حکومت مل گئی۔ دولت جمع کرنے والوں کو ہاتھ رنگنے کا موقع مل گیا۔ اور غرب بیچارا ان باتوں میں پس کر رہ گیا ہے۔ کلو اور اس کا خاندان فسادات سے بری طرح متاثر ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ٹھیکیدار نے تانگہ اس سے لے کر کسی دوسرے کو دے دیا۔ کیونکہ وہ پچھلے کئی دنوں سے سواریاں نہ ملنے کی وجہ سے پیسوں کے معاملے میں ٹھیکیدار کو ٹال رہا تھا۔ دوسری طرف کلو کے گھر میں پیسے نہ آنے کی وجہ سے بھی جھگڑا چل رہا تھا۔ کلو ان سب حالات کا ذمہ دار تقسیم پاکستان کو ٹھہراتا ہے۔ کلو برعظیم کے اس طبقے کی مثال ہے جو تقسیم پاکستان سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔[۲]

۲۔۳۔۱:۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ اور معاشرے پر اثرات:۔

۱۹۷۱ء کی جنگ نے بنگال کو الگ کر کے بنگلہ دیش بنا دیا۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات کی کہانیاں ایک مرتبہ پھر دہرائی گئیں۔ مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ مسلمانوں نے اپنی ہی عصمتوں اور عزتوں کو نہ صرف سرعام پامال کیا۔ بلکہ درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھول گئے کہ وہ مسلمان ہیں۔ بہت سے افسانے اس موضوع پر ان ہی حالات کے بارے میں ماہنامہ "عصمت" میں تحریر کیے گئے۔

CamScanner

افسانہ "اس گھر کو آگ لگ گئی" بنگال کی پاکستان سے علیحدگی کی المناک تاریخ بیان کرتا ہے۔ یہ افسانہ بے حد اثر انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کا بہترین عکاس بھی ہے۔ افسانے کے تمام کردار بنگال میں ہونے والی خون ریزی سے متاثر ہیں۔ سائرہ جو تمام واقعات کی چشم دید گواہ ہے۔ بنگال میں ہونے والے لرزہ خیز واقعات دیکھنے کے بعد خوف کے حصار سے باہر نہیں نکل پاتی۔ ہر چند کہ ملٹری والے اسے بحفاظت راولپنڈی اس کے والدین کے گھر پہنچا گئے ہیں۔ مگر اس نے اپنے سامنے ایسے دلدوز مناظر دیکھے تھے کہ روح تک کانپ اٹھتی تھی۔ سائرہ نے والدین کو بتایا کہ ۳ جنوری کو شیخ مجیب نے جو تقریر کی اس کے نتیجے میں پنجابیوں کو چن چن کر قتل کر دیا گیا۔ سائرہ کی بہن طاہرہ اور بہنوئی سعید بھی پنجابی ہونے کے جرم کی پاداش میں درندگی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ چونکہ سعید فوج کے ادارے سے منسلک تھا۔ اس لیے بنگالی حملہ آوروں کا بآسانی ہدف بن گیا تھا۔ بنگالیوں نے پاکستانی افواج کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ قائد اعظم کی تصاویر جلادی گئی تھیں۔ پاکستانی جھنڈوں کو جلا کر خاکستر بنادیا گیا۔ پاکستانی افسروں کو قتل کر کے ان کی قبریں ان کی بیویوں سے کھدوائی گئیں۔ پھر ان عورتوں کی آبروریزی کر کے ان کو بھی قتل کیا گیا۔ اس زمانے کے ان تمام واقعات کو اس ایک افسانے میں سمیٹا گیا ہے۔

سائرہ اپنی بہن اور بہنوئی کی موت کا قصہ بیان کرتی ہے کہ اس کی آٹھ ماہ کی حاملہ بہن کا ایک بنگالی میجر نے خنجر گھونپ کر پیٹ چیر دیا۔ یہ وہی میجر تھا جو پہلے طاہرہ کو بہن بہن کہتے تھکتا نہ تھا۔ یہ افسانہ ہر اس پنجابی گھر کی کہانی ہے جو بنگال میں رہتا تھا اور تقسیم بنگال سے متاثر تھا۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگامے اور فسادات میں ہندو اور سکھ بھی شامل تھے۔ جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ یہ سب کچھ کیا تھا۔ وہ غیر مذاہب کے لوگ تھے۔ مگر یہاں مسلمان خود دوسرے مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے۔ اپنے بھائیوں کے خون کی ندیاں بہا رہا ہے۔ معصوم بچوں کا قتل عام کر رہا ہے۔ اور عورتوں کی عزتیں لوٹنے کے بعد سفاکی سے قتل کیا جا رہا ہے۔ اس طرح ۱۹۷۱ء کی تباہ کاریوں کے واقعات بنگال کی تقسیم کو مزید درد انگیز بناتے ہیں۔

۳۔

اسی طرح تقسیم بنگال کے بعد پاکستان میں امید اور خوشحالی کے لیے رجائیت پر مبنی افسانے لکھے گئے۔ جن میں یہاں کے باسیوں کے لیے پیغام تھا کہ وہ خود اپنے اندر ہمت، حوصلہ اور طاقت پیدا کریں۔ تب ہی وہ اصل کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ امید نو کے بارے میں افسانے لکھے گئے۔ جیسے افسانہ "مٹی ہمارا سونا" ۱۹۷۱ کی جنگ میں تباہ ہونے والے خاندان کی کہانی ہے۔ یہ گاؤں بھارتی حملے کے بعد مکمل طور پر تباہ ہو جاتا ہے۔ مگر یہ خاندان ہمت چھوڑنے کے بجائے مل کر اپنے گھر کی تعمیر نو کا آغاز کرتا ہے۔ بوڑھا، اس کی بیوی اور ان کی بہو تینوں مل کر اپنے گرے ہوئے مکان کا ملبہ اٹھاتے ہیں۔ اور ان کا چھوٹا بچہ ٹین کے ڈبے میں مٹی بھر کر ان کو دیتا ہے۔ بوڑھا شخص اپنے پوتے کو مستقبل کی روشن بنیاد رکھتے دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ وہ اپنے پوتے کو سامنے رکھ کر تمام بچوں کو جذبہ تعمیر، زمانہ، وطن، چمن سب کا خطاب بیک وقت دیتا ہے۔ وہ آنے والے مستقبل کی نوید اور ضمانت ہیں۔[۴]

۳۔۳۔۱۔ عورت:۔

ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والے افسانوں کا زیادہ تر موضوع "عورت" ہے۔ قیصر جہاں بیگم کا افسانہ "آنسو" ایک مظلوم عورت اور مرد کی بالادستی کا عمدہ عکاس ہے۔ مرد ہر جرم کا قصور وار عورت ہی کو ٹھہراتا ہے خود کسی جرم کا اقرار نہیں کرتا۔ عورت کی خواہشات کو بری طرح کچلا جاتا ہے۔ عورت کو گھر کے اندر نوکرانی سے زیادہ وقعت حاصل نہیں ہے۔ اس کو گھر کے کسی معاملے میں بولنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ رادھا اس افسانے میں مرکزی کردار کی صورت نمایاں ہوتی ہے۔ جو تمام عمر شوہر اور سسرال والوں کی خدمت کرتی رہتی ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کا شوہر اس کو گھر سے نکال باہر کرتا ہے اور آرام سے دوسری شادی کر لیتا ہے۔ رادھا آخری وقت تک یہی سوچتی رہتی ہے کہ معاشرے میں اس کی حیثیت اور وقعت کیا ہے؟[۵]

افسانہ "مدھ بھرے نین" بھی مرد کی بالادستی اور عورت کی مظلومیت کی ترجمانی کرتا ہے۔ جس میں شوہر اپنی شکی طبیعت کی بنا پر اپنی بیوی کو ذہنی و جسمانی تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ انعم کو معلوم ہے

کہ اس کا شوہر نفسیاتی طور پر بیمار ہے لیکن اگر وہ شوہر کے نفسیاتی علاج کے لیے کسی ڈاکٹر سے رجوع کرتی۔ تو اس کا شوہر اس کو ہمیشہ کہتا کہ تم اس ڈاکٹر کو کیسے جانتی تھیں۔ اگر وہ کہتی کہ میں اس کو نہیں جانتی تو وہ ہمیشہ یہ اعتراض کرتا کہ پھر وہ ڈاکٹر انعم سے ہنس ہنس کر باتیں کیوں کر رہا تھا۔ افسانے میں عروج اس وقت آتا ہے جب انعم کا شوہر اس پر شدید شک کرتا ہے اور اس کو گھر سے باہر نکال دیتا ہے۔ انعم جب ماں باپ کے گھر آتی ہے تو سب اسے ہی قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ شوہر اگر صرف ذرا سے شک کی بنا پر بیوی کے کردار کی دھجیاں بکھیر دے تب بھی اس کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ معاشرے کی اس خرابی کو واضح طور پر اس افسانے میں پیش کیا گیا ہے۔ انعم شوہر کے ہاتھوں اتنی اذیت اٹھاتی ہے کہ خود کو ختم کرنے کے منصوبے بنانے لگتی ہے۔ اور پھر جب اس کا شوہر اس کو کہتا ہے کہ وہ گلی میں کھڑے ہو کر کس کو دیکھتی ہے۔ تو انعم شدید غصے میں اپنی آنکھیں پھوڑنے کا ارادہ کر لیتی ہے۔ مگر چشم تصور سے وہ دیکھتی ہے۔ کہ اس کے شکی مزاج شوہر نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اور اس کی سوتن اس کے بچوں کے ساتھ بہت برا سلوک کر رہی ہے۔ انعم یہ دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوتی ہے۔ مگر پھر وہ اپنی آنکھیں پھوڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اپنے مدھ بھرے نین نہیں پھوڑوں گی۔ جن کی وجہ سے میرا شوہر مجھ پر شک کرتا ہے۔ بلکہ میں حالات کی تلخی کا مقابلہ کروں گی۔ اور شوہر کے ظلم کا سامنا کر کے حالات کو بدلنے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔[۶]

یہ افسانہ اور اس جیسے کئی دوسرے افسانے عورت کو ظلم و ستم کے خلاف مقابلہ کرنے کی طاقت بخشتے ہیں۔ تو دوسری جانب ایسے بھی افسانے لکھے گئے جن میں عورتوں کو ان کی غلط روش کی بنا پر ٹوکا گیا۔ ایسی عورتوں کی کہانیاں پیش کی گئیں جو وقتی طور پر جذبات کی رو میں بہہ کر عبرت کا نقشہ بن جاتی ہے۔ جیسے افسانے "روشن راہیں، تاریک منزل" میں افسانے کا مرکزی کردار رابعہ اپنے کالج کی سب سے حسین لڑکی تھی۔ غلط دوستوں کی صحبت میں پڑ کر اپنا آپ گنوا دیتی ہے۔ غیر مردوں کے ساتھ مل کر پارٹیاں اور پکنک منانا اس کا دلچسپ مشغلہ بن جاتا ہے۔ وہ جن دوستوں کے ساتھ پکنک پر جاتی

تھی۔ اس سارے گروپ کو "قادر چاچا" کی نگرانی حاصل تھی۔ "قادر چاچا" جو دلالی کا کام کرتا تھا۔ اس کا عین نشانہ ایسی بے وقوف لڑکیاں تھیں۔ جن کے حسن کی تعریف کر دی جائے تو وہ اپنا آپ بھی آسانی سے پیش کر دیتی ہیں۔ رابعہ جب تک کنواری تھی۔ ہر مرتبہ کالج میں کسی جلسے، تقریب، پارٹی یا فنکشن کا بہانہ کر کے چلی جاتی۔ اکثر تو وہ کالج جاتی ہی نہ تھی مگر جب رابعہ کی شادی ہو گئی تو قادر چاچا پھر بھی اپنی پارٹیاں رنگین کرنے کے لیے رابعہ کو بلاتا تھا۔ مگر جب رابعہ نہیں گئی تو اس نے دھمکی دی کہ وہ اس کی قابل اعتراض تصویریں اس کے شوہر تک پہنچا دے گا۔ مجبوراً رابعہ کو قادر چاچا کے پاس جانا پڑتا۔ جب رابعہ کے شوہر کو اس سارے قصے کا پتہ چلا تو اس نے رابعہ کو طلاق دے دی اور اس کی بیٹی کو بھی اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ قادر چاچا نے رابعہ کی بیٹی کو ایک مسجد میں پھینک دیا اور رابعہ کو دن میں فیکٹری کی ملازمت پر لگا کر رات کو اسے مختلف ہوٹلوں میں بھیجتا۔ جہاں رابعہ کی راتیں عیاش آدمیوں کی سنگت میں گزرتیں۔ اس طرح وہ اپنی زندگی کے دن پورے کرنے میں مصروف ہے۔ ۷

یہ افسانہ اور اس جیسے کئی دوسرے افسانے عورت کو ظلم و ستم کے خلاف مقابلہ کرنے کی طاقت بخشتے ہیں۔ اور جب ان کی آنکھیں کھلتی ہیں تو سب کچھ برباد ہو چکا ہوتا ہے۔ افسانے "ہفت اغلاط" میں ثریا کا کردار ایسی عورتوں کو ظاہر کرتا ہے جو اپنے گھروں کو نظر انداز کر کے باہر کی دنیا میں پناہ ڈھونڈتی ہیں۔ ثریا دو معصوم بچوں اور اپنے فرشتہ صفت شوہر کو چھوڑ کر حامد سے شادی کرتی ہے۔ جو دراصل ثریا کی جائیداد کو حاصل کرنے کے چکر میں تھا اور جب وہ ثریا سے شادی کے بعد وہ سب کچھ پالیتا ہے جس کی اسے تمنا تھی۔ تو وہ ثریا کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے شادی کر لیتا ہے۔ اس وقت ثریا خالی دامن رہ جاتی ہے نہ شوہر کا پیار اور نہ ہی بچوں کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ ۸

افسانہ "نگار" بھی راہ سے بھٹکی ہوئی عورت کی کہانی ہے۔ افسانے کا عنوان ہی اپنے اندر یہ معنی پوشیدہ رکھتا ہے کہ یہ نگار نامی کسی عورت کی کہانی ہے۔ نگار ایک امیر باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ جس کی پرورش بڑے ناز و نعم سے ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی ہر بات میں غرور در آتا ہے۔ اور وہ اخلاقی

تباہی سے دوچار ہو جاتی ہے۔ زندگی میں بہت سے مسائل کا شکار ہونے کے بعد بھی وہ اپنی آزاد خیالی کی ڈگر سے نہیں ہٹتی اور نہ ہی معاشرے کی بنائی ہوئی حدود وقیود کا کوئی خیال کرتی ہے۔ ماں باپ سے بغاوت کر کے من پسند شادی کر لیتی ہے۔ مگر حالات کی سنگینی کا اندازہ نگار کو اس وقت ہوتا ہے جس وقت اس کا شوہر اسے بتاتا ہے کہ اس نے نگار سے شادی صرف پیسے کے لیے کی ہے۔ جب نگار اس کو مطلوبہ دولت دینے میں ناکام ہوتی ہے تو وہ نگار کو چھوڑ کر کسی نئی عورت کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ نگار شوہر سے ٹھکرائے جانے کے بعد باپ سے دوبارہ رجوع کرتی ہے۔ یہاں نگار ایک باغی، سرکش اور ضدی عورت کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ جو انتہائی خود غرض ہے اور اسے اپنے سوا کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ نگار اپنے باپ کو دھمکی دیتی ہے کہ اگر انھوں نے نگار کو جائیداد میں حصہ نہ دیا تو وہ عدالت میں جا کر ان کی عزت کی دھجیاں بکھیر دے گی۔ یہ بات اس کے والد کو سخت صدمہ پہنچاتی ہے مگر وہ عزت کے ڈر سے نگار کا حصہ تمام کا تمام اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ نگار اس تمام دولت کو اپنی شاہ خرچیوں میں ضائع کر دیتی ہے۔ وہ ایک فلم ڈائیریکٹر کی باتوں میں آکر اپنا تمام سرمایہ ایک فلم پر لگا دیتی ہے۔ جس کے بارے میں اسے سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ وہ اس فلم میں ہیروئن آئے گی۔ مگر جب نگار کے پاس پیسہ ختم ہو جاتا ہے تو ڈائریکٹر اس کو مکھن سے بال کی طرح نکال کر الگ کر دیتا ہے۔ شہر بھر میں نگار کے حسن کے چرچے ہوتے تھے اور اس کے پیسے کی وجہ سے سب آگے پیچھے پھرتے تھے۔ مگر جب پیسہ نہ رہا تو سب لوگوں نے منہ موڑ لیا۔ [9]

یہ افسانہ اور اس جیسے کئی دوسرے افسانے عورت کو ظلم وستم کے خلاف مقابلہ کرنے کی طاقت بخشتے ہیں۔ ورنہ لوگ جو پہلے پیسے کی بدولت انسان کے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔ جب دولت ختم ہوتی ہے تو سب سے پہلے بھاگ نکلتے ہیں۔ تب ہی عورتوں کو سدھارنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ بہت سے افسانے ایسے لکھے گئے جن میں مذہبی حوالے سے عورتوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ اپنے آپ کو سدھارنے کی ہر ممکن کوشش کریں تب ہی وہ معاشرے میں کامیاب ہو سکیں گی۔ افسانہ "ٹی

پارٹی" مذہبی حوالے سے لکھا گیا ہے۔ اس افسانے میں زرینہ ایک مرکزی کردار کی صورت میں نمایاں اور باقی تین دوستیں تھوڑی دیر کے لیے اظہار خیال کرنے کے لیے نمایاں ہوتی رہتی ہیں۔ زرینہ بی اے پاس کرنے کی خوشی میں اپنی چار سہیلیوں کو اپنے گھر مدعو کرتی ہے۔ چائے کے دوران چاروں نے عصر حاضر کے ہر مسئلے کو زیر غور لایا۔ چونکہ یہ افسانہ تقسیم پاکستان کے فوراً بعد لکھا گیا۔ اس لیے اس افسانے میں زیر بحث تمام موضوعات کا تعلق اس وقت کے مسائل سے ہے۔ جن سے پاکستانی معاشرہ دوچار تھا۔ دراصل افسانہ نگار ان سہیلیوں کی بحث کے ذریعے اسلام، اسلامی عقائد، عورت اور معاشرے کے مسائل کو واضح کرنے کی کوشش میں ہے۔ پاکستان نیا نیا آزاد ہوا ہے ایسی مملکت کو سنبھالنے کے لیے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا بھی آگے بڑھنا ازحد ضروری ہے۔ افسانے کے چاروں کردار اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ اب عورتیں آزاد ہیں۔ وہ مردوں کی غلام نہیں ہیں۔ مسلمان اسی وقت ترقی کریں گے جب عورتیں ان کے دوش بدوش چلیں گی۔ دراصل افسانہ نگار عورتوں کی تعلیم و ترقی کے لیے کوشاں ہے۔ وہ اپنے کرداروں کی بحث میں یہی دکھا رہی ہیں کہ بڑے بڑے قومی رہنماؤں کی بیگمات نہ صرف خود زندگی کے ہر شعبے میں آگے بڑھ رہی ہیں بلکہ دوسری عورتوں کو بھی جہد مسلسل اور گھروں سے نکل کر قومی خدمت سرانجام دینے کی ترغیب دے رہی ہیں وہ کہتی ہیں کہ جب عورتیں خود کو سدھار لیں گی تو معاشرہ اور ملک دونوں ترقی کریں گے۔ ۱۰

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے افسانے ایسے لکھے گئے جن میں خواتین کو سکھایا گیا کہ وہ مردوں کے دوش بدوش تمام اخراجات میں حصہ ڈالنے کے لیے کوئی نہ کوئی کام ضرور کریں۔ اس طرح گھریلو جھگڑے کم سے کم ہوں گے اور ان سے نجات پائی جا سکے گی۔ افسانہ "بکواس تو نہ تھی" دو میاں بیوی کے گھریلو اخراجات کے تنازع اور پڑوسن کی نصیحت پر مشتمل ہے۔ افسانہ نگار اس افسانے کے ذریعے گھر بیٹھی خواتین کو گھریلو دستکاریوں کی جانب متوجہ کر رہی ہیں اور کہتی ہیں کہ گھر بیٹھ کر کوئی باہنر اور فائدہ مند کام کر کے نہ صرف گھریلو آمدنی میں اضافہ کر سکتی ہیں بلکہ گھروں میں رہ کر اپنے بچوں کی

CS CamScanner

پرورش اور نگہداشت بھی پر سکون طریقے سے کر سکتی ہیں۔ پڑوسن یہی نصیحت دونوں میاں بیوی کو کرتی ہے جو آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ وہ ان کو مشورہ دیتی ہے کہ اگر بیوی شوہر سے لڑنے جھگڑنے کے بجائے گھریلو اخراجات کم کرنے کے لیے گھر میں کوئی معمولی سا کام بھی شروع کر دیں تو وہ اچھا خاصا کما سکتی ہیں۔ وہ دونوں میاں بیوی اس تجویز پر متفق ہو جاتے ہیں۔ آخر میں افسانہ نگار یہی کہتی ہیں کہ یہ سب نصیحت جو انھوں نے دو میاں بیوی کو کی، وہ کوئی بکواس نہیں تھی۔ بلکہ گھر بیٹھی مستورات اس سے قدرے استفادہ کر سکتی ہیں اور گھریلو جھگڑوں سے آزاد ہوا جا سکتا ہے۔[۱۱]

افسانہ "وہ احمق نہ تھی" بھی مقصدی اور اصلاحی ہے۔ اس افسانے کا موضوع عورت کو دلیری اور بہادری کی طرف راغب کرنا ہے اور مرد کی ناجائز مداخلت سے خود کو بچانے کی ترغیب دینا ہے۔ افسانے میں سلیم کا کردار انتہائی جابر اور ظالم مرد کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ جو نہ صرف نکما تھا بلکہ ہر وقت نشے میں دھت رہنے کی وجہ سے اپنی بیوی عائشہ پر تشدد اور مار پیٹ بھی کرتا تھا۔ اس کی بیوی سلائی کر کے جو پیسے کماتی تھی وہ بھی اس سے چھین لیتا تھا۔ سلیم نے اپنی بیوی پر مظالم کی انتہا کر دی تو عائشہ نے اس سے طلاق لے لی۔ مگر طلاق یافتہ ہونے کا طعنہ اس کے لیے وبال جان بن گیا۔ محلے والے اسے بد کردار سمجھتے اور باپ کے گھر میں اسے ذلیل و خوار کیا جاتا۔ کیونکہ یہ دو بیٹوں کے ساتھ طلاق لے کر ان کے گھر آ بیٹھی تھی۔ عائشہ نے ان نامساعد حالات کا سامنا دلیری سے کرنے فیصلہ کیا۔ اس نے دل میں آگے بڑھنے کا ارادہ کیا اور مزدوری کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی حاصل کرنے لگی۔ اس طرح اس نے نہ صرف اپنے بیٹوں کی اچھی تربیت کی۔ بلکہ وہ دونوں زندگی میں بہت کامیاب وکیل اور انجنیئر بنے۔ دونوں بیٹوں نے ماں کا بھرپور خیال رکھا اور اپنی ماں کو حج پر بھیج دیا۔[۱۲]

افسانہ "ریشماں" ایسی عورت کی کہانی ہے جو فیشن پرست ماڈرن عورتوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ ریشماں جو خود کو ہمیشہ دوسروں سے منفرد سمجھتی آئی ہے وہ نئے زمانے کی ڈگر پر چلنا چاہتی ہے۔ خوش قسمتی سے ریشماں کا شوہر کمال انگلستان کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتا ہے۔ وہ ایسا شوہر پا کر بہت خوش ہوتی

ہے۔ مگر سسرال آکر اسے پتا چلتا ہے کہ اس کا شوہر مشرقی اقدار و روایات کا دلدادہ ہے۔ ریشماں کو اپنے شوہر کی عادتیں سخت ناپسند ہیں وہ اپنے شوہر کو نائٹ سرکل میں لے جاکر خود کو ماڈرن ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ آخر کار اس کی روز روز کی فرمائشوں سے تنگ آکر کمال اس کے ساتھ نائٹ کلب جانے پر رضامند ہو جاتا ہے۔ ریشماں بے حد مسرور تھی کہ اس کا شوہر جدید تراش خراش کے پینٹ کوٹ میں ملبوس بالکل انگریز لگتا ہے اور وہ کلب میں سب سے بہترین ناچ رہا ہے۔ کلب کی ہر لڑکی کی نظر کمال پر تھی۔ ریشماں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کمال اس قدر آسانی سے نئی روش اختیار کرلے گا۔ کلب میں بہت سی عورتوں میں کیلی بھی شامل تھی جو آکسفورڈ میں کمال کی کلاس فیلو تھی۔ کیلی نے کمال کو دعوت دی کہ وہ اس کے ساتھ رقص کرے۔ کلب میں اس بات کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا لہٰذا کمال کیلی کے ساتھ رقص کرنے لگا۔ یہ سب دیکھ کر ریشماں کے دل کو دھچکا لگتا ہے کہ اپنے شوہر کو یہاں تک لانے کی ذمہ دار وہ خود ہے۔ اس کو شدید غصہ آتا ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دوسرے دن کمال یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ ریشماں نے جدید مغربی لباس کے بجائے سادہ ساڑھی زیب تن کر رکھی ہے اور وہ کھل کر اس نئی روش پر تنقید کر رہی ہے۔[۱۳]

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے افسانے جو خواتین کی اصلاح کے حوالے سے تحریر کیے گئے۔ ان میں متنوع اقسام کی تجاویز پیش کی گئیں۔ جن کے ذریعے خواتین کو ایک راستہ متعین کرکے دیا گیا جس پر چل کر وہ اپنا مقصد حاصل کر سکتی ہیں۔ اور ایک کامیاب زندگی بھی گزار سکتی ہیں۔ افسانہ "پہلی تاریخ" شادی شدہ خواتین کے لیے ایک سبق آموز تحریر ہے۔ افسانہ تین کرداروں ساس، بہو اور بیٹے پر مشتمل ہے۔ افسانے میں صفیہ کا کردار مثالی عورت کا کردار ہے۔ صفیہ پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہے۔ جو شادی ہونے کے بعد بھی اپنی نوکری برقرار رکھتی ہے۔ اس کی ساس بے حد خوش ہوتی ہے کہ اب گھر میں بیٹے کی تنخواہ کے ساتھ ساتھ بہو کی تنخواہ بھی آئے گی۔ مہینے کی پہلی تاریخ کا وہ بے چینی سے انتظار کرتی ہے۔ اس کے خیال میں اس کی بہو ساری تنخواہ سیدھا لاکر اس کے ہاتھ پہ رکھ دے گی۔ مگر وہ

CS CamScanner

یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ اس کی بہو تنخواہ سے متعلق کوئی بات نہیں کرتی۔ ساس کو شدید غصہ آتا ہے وہ صفیہ سے تنخواہ کی بابت دریافت کرتی ہے کہ اس نے تنخواہ کیوں نہیں دی؟ تو صفیہ مختصر لفظوں میں یہ کہہ دیتی ہے کہ چونکہ ابھی اس کی بہن بھائی چھوٹے ہیں۔ اس کے والدین ان کے بھی اخراجات برداشت کر رہے ہیں۔ انہوں نے صفیہ کی شادی پر کچھ قرض بھی لیا تھا۔ تا کہ صفیہ کے سسرال والوں کی زمانے کے سامنے سبکی نہ ہو۔ اس لیے صفیہ اب اس قرض کو اتارنے کے لیے والدین کی بھرپور مدد کرے گی۔ اور جب تک قرضہ اتر نہیں جاتا۔ اپنی ساری تنخواہ والدین کو دیا کرے گی۔ صفیہ کی ساس اس کی باتوں پر اطمینان سے غور کرتی ہے تو اس کو صفیہ بے قصور نظر آتی ہے۔ ساس خواہ مخواہ ہی اس پر غصہ دکھا رہی ہوتی ہے۔ صفیہ کے اس انتہائی ذمہ دارانہ رویے کو اس کی ساس بے حد سراہتی ہے۔ یہ افسانہ دوسری عورتوں کے لیے مثال ہے کہ وہ شادی کے بعد بھی سسرال میں رہ کر والدین کی مالی امداد کر سکتی ہیں۔ ۱۴

افسانہ "بوبو جان" ایک باہمت باشعور عورت کے کردار کو ظاہر کرتا ہے جو اپنے بچوں کو ان کی زندگی گزارنے کا ہر حق دیتی ہے۔ بوبو جان نہ صرف سلجھی ہوئی عورت ہے بلکہ وہ زمانے کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اپنے بیٹوں کی بہترین پرورش کرتی ہے اور جب وہ دونوں شہر منتقل ہونے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو بوبو جان انھیں خوشی خوشی شہر روانہ کرتی ہے اور کچھ عرصے بعد وہ جب اپنے بیٹے اور بہو کو ملنے کے لیے شہر آتی ہے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں کہ ان کی بہو بھی نوکری کرنے لگی ہے۔ مگر جب انھیں پتا چلتا ہے کہ بہو اپنی تعلیم کو کام میں لانا چاہتی ہے تو انھیں خوشی ہوتی ہے۔ ان ہی دنوں بوبو جان کو چھوٹے بیٹے کا خط ملتا ہے جس میں اس نے اپنا نکتہ نظر واضح کیا ہوتا ہے کہ اس نے اپنی پسند سے شادی کر لی ہے اور وہ بہت اچھا خاندان ہے۔ بوبو جان چونکہ سلجھی ہوئی ماں ہے۔ وہ بیٹے کی اس خواہش کا احترام کرتی ہیں اور اپنی نئی بہو کو دیکھنے کے لیے خوشی خوشی روانہ ہوتی ہیں۔ ۱۵

CS CamScanner

بوبو جان جیسے کردار مثالی عورتوں کے کردار ہیں جو عورت کی اعلیٰ ظرفی ظاہر کرتے ہیں۔

دوسری طرف افسانہ "نوابن" میں نوابن کا کردار عورت کی مظلومیت، ان تھک محنت اور بے بسی کو ظاہر کرتا ہے۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک مسلسل محنت کرتی نوابن ایک عورت کی زندگی کا استعارہ ہے۔ نوابن وہ عورت ہے جو ماں باپ کے گھر کا بوجھ ہے۔ سسرال میں نوکرانی اور بڑھاپے میں بہوؤں کے لیے ناکارہ اور فضول ترین شے۔ نوابن کا ایک کردار عورت کی زندگی کے ہر مرحلے کو واضح کرتا ہے۔ افسانے میں نوابن باپ کے گھر سے سسرال میں قدم رکھتے ہی نشئی شوہر کے ہاتھ چڑھ جاتی ہے اور پھر زندگی کی گاڑی چلانے کے لیے خود محنت مشقت کرنا شروع کر دیتی ہے۔ جب وہ بڑھاپے کو پہنچتی ہے تو اس کے بیٹے اور بہو اس کو گھر کا بوجھ قرار دے دیتے ہیں کہ اب وہ کوئی کام کر کے پیسے کمانے کے قابل نہیں ہے ہم پر ایک بوجھ بن گئی ہے۔ مفت کی دو روٹیاں روز کھا لیتی ہے۔ نوابن معاشرے کی بے حسی کی علامت ہے۔ جہاں عورت بے بس و لاچار ہے اور معاشرہ طاقتور ہے۔۱۶

افسانہ "تیرگی کے پاسبان" بھی معاشرے میں عورت کے ساتھ ہونے والے ظلم کا سچا عکاس ہے۔ آئے دن ہمارے اخبارات عورت پر ہونے والے مظالم کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کرتے ہیں۔ اس موضوع کو منتخب کرتے ہوئے افسانہ نگار نے آئے روز عورت کی مسخ شدہ لاش ملنے کے واقعات کو پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ ایک ایسے معاشرے کی تصویر کشی کی ہے۔ جہاں عورتوں کی ایسی ناقابل بیان لاشیں ملتی ہیں کہ انسان لرز کر رہ جائے اور قاتل ہمیشہ نامعلوم ہی رہتا ہے۔ افسانہ نگار نے کہانی کی ابتدا ہی لڑکی کی مسخ لاش ملنے سے کی ہے۔ جس کے بارے میں پولیس تفتیش کر رہی ہے۔ لاش دیکھنے والے ایک امیر آدمی کے ذہن میں کئی عورتوں کے کردار گزرتے ہیں جن کی لاشیں وقت کی دھول میں کھو گئیں۔ ان کا قاتل نامعلوم ہی رہا۔ شاداں جو خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ اس کی لاش کو مسخ کر کے پھینک دیا گیا تھا۔ شہر کی ایک حسین طوائف افشاں کو جب زمیندار خرید لاتا ہے تو دوسرا زمیندار حسد سے لوٹ جاتا ہے کچھ دنوں بعد افشاں کی مسخ شدہ لاش ملتی ہے۔ امیر آدمی خیالات کے تسلسل میں

سوچتا ہے کہ اس کے دونوں بیٹے شہر کی سب سے حسین لڑکی شہلا کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے اور ان کا مستقبل خطرے میں پڑ گیا تھا۔ شہلا اچانک سے لا پتہ ہو گئی کچھ دنوں بعد امیر آدمی کی کوٹھی کے پیچھے کھلے میدان سے ایک لڑکی کی مسخ شدہ لاش ملتی ہے۔ امیر آدمی منہ میں یہ جملہ بڑبڑاتا ہوا جاتا ہے کہ اس کے بیٹے کبھی شہلا سے نہیں مل سکیں گے۔ یہ الفاظ کافی معنی خیز ہیں کہ شہلا پھر کسی نامعلوم قاتل کی پھینکی ہوئی لاش بن چکی ہیں۔ تو کچھ دنوں میں قصہ پارینہ بن جائے گی۔ پھر اس لاش کے لیے نامعلوم قاتلوں کے خلاف رپورٹ درج کی جائے گی اور نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا۔ شواہد نہ ہونے کی بنا پر کیس کی فائل بند ہو جائے گی اور عورت کی مظلومیت جوں کی توں برقرار رہے گی۔ ۱۷

افسانہ "ایک سوال" معاشرے کے باپ بھائیوں سے ایک سوال ہے کہ ان کی غیرت اور حمیت کہاں جا کے سو گئی ہے۔ اب وہ اپنی بیٹیوں کی کمائی پر مکان اور بینک بیلنس بناتے پھرتے ہیں۔ انھیں اس بات کی پرواہ بھی نہیں کہ ان کے گھرانے کی لڑکی کن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنے کے بعد اپنی عزت نفس مار کر کماتی ہے۔ وہ تو بس ان کی کمائی پر خوش ہوتے ہیں اور پیسے دیکھ کر سب عزت بھول جاتے ہیں۔ اس افسانے میں نسیم کا کردار ایک ایسی لڑکی کے طور پر سامنے لایا گیا ہے جو پیسے کی خاطر ایک بدنام کمپنی میں ملازمت کرتے خود بھی بدنام ہو چکی ہے۔ مگر اس کے باپ اور بھائی اس کے کمائی پر عیش کر رہے ہیں اور اس کے انجام سے بے خبر آنکھیں بند کر کے صرف پیسے کے لیے خاموش ہیں۔ ان کی بیٹی کی زندگی برباد ہو رہی ہے مگر انھیں پرواہ نہیں ہے اور وہ اپنے مادی فوائد میں الجھے ہیں۔ ۱۸

۴۔۳۔۱:۔ بچوں کی پرورش:۔

افسانہ "بچے کی نفسیات" میں دو بہنیں اپنے بچوں کے رویے سے سخت پریشان اور نالاں ہیں۔ افسانہ نگار نے چھوٹے چھوٹے نکات سے خواتین پر واضح کر دیا کہ وہ بچوں کو مکمل توجہ دیں اور ان کو نظر انداز کرنے سے گریز کریں ورنہ وہ نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جائیں گی۔ افسانے میں زہرہ اپنے بچوں کے حوالے سے کافی فکر مند نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اپنی بہن سے اپنے بچے کے مسائل پر بحث کرتے

CamScanner

ہوئے بتاتی ہے کہ اس کا بیٹا پڑھائی اور سکول میں بہت اچھا تھا۔ ہر کوئی اسے پسند کرتا تھا مگر چونکہ اسے چھوٹا بچہ زیادہ ذہین اور تیز تھا۔ اس لیے سکول اور گھر میں ہر جگہ چھوٹے بچے کی تعریفیں ہونے لگیں۔ یہ سب دیکھ کر بڑا بھائی الگ تھلگ اور چپ چاپ رہنے لگا۔ وہ چھوٹی چھوٹی بات پر غصے میں آنے لگتا ہے اور اپنے سب چھوٹے بہن بھائیوں کو مارتا رہتا ہے۔ زہرہ کی بہن نے سب مسائل غور سے سننے کے بعد کہا کہ ان حالات وواقعات کے پیچھے اکثر سب قصور ماں باپ کا ہوتا ہے۔ جو ایک اولاد کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں۔ ۱۹؎

یہ افسانہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے اور موضوع کے لحاظ سے منفرد ہے۔ مگر اس افسانے پر مقصدیت اتنی غالب ہے کہ مکالمے لیکچر معلوم ہوتے ہیں جس کو پڑھ کر قاری اکتانے لگتا ہے۔ یہاں نذیر احمد کے طویل مکالموں کا انداز غالب ہے۔ افسانہ "میں اکیلی رہ گئی" بھی موضوع کے لحاظ سے بچوں کی تعلیم وپرورش کے حوالے سے ہے۔ افسانے میں ناہید کا کردار ضدی اور خودسر عورت کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ دراصل ناہید کی بچپن سے پرورش غلط انداز میں کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ میکے سسرال ہر جگہ بے جا ضد اور غصہ دکھاتی اور خودسر سے خودسر ہوتی چلی گئی اور شوہر سے محروم ہو کر اکیلی رہ گئی۔ ۲۰؎

افسانہ "گھر سے دور" ہندوستانی معاشرے میں بچوں کو مغربی اقدار کے مطابق پالنے اور آگے بڑھانے سے متعلق تحریر کیا گیا۔ یہ افسانہ ایسے والدین کے لیے ایک تازیانہ ہے جو اپنے بچوں کو جدید بنانے کے لیے انگریزی سکولوں میں بھیجتے رہتے ہیں اور انھیں اخلاقی طور پر تباہ کر دیتے ہیں۔ افسانے میں شہناز کا کردار ایک ضدی اور خودسر لڑکی کے روپ میں ابھر کر آتا ہے۔ جس کی بچپن اور جوانی کی تمام تعلیم کانونٹ اور انگریزی سکولوں سے ہوئی ہے۔ ایک ہوائی جہاز کی کمپنی یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ ہر صوبے سے منتخب کر کے ایک لڑکی کو لندن کی مفت سیر کرائے گی۔ خوش قسمتی سے شہناز اپنے صوبے سے منتخب کر لی گئی۔ مگر جب وہ ہندوستان سے لندن گئی تو پھر لوٹ کر نہیں آئی۔ اس نے اپنے والدین کو

تار بھیجا جس میں اس نے لکھا کہ اسے لندن بہت پسند آیا ہے۔ وہ اس کو بالکل اپنے گھر کی طرح لگتا ہے۔ وہ یہاں لندن میں ایک آدمی جان سن کے ساتھ رہ رہی ہے وہ اس کا بہترین دوست ہے۔ شہناز کے دادا نے اس سارے مسئلے میں شہناز کو بے قصور ٹھہراتے ہوئے والدین سے کہا کہ جب شہناز نے بسم اللہ کہنے کے بجائے بابا بلیک شیپ زبانی یاد کی تھی اور کلمہ طیبہ کے بجائے نرسری رائمس پڑھتی تھی۔ اس وقت اگر اسے دینی ماحول اور دینی تعلیمات سے بہرہ مند کیا جاتا تو شہناز لندن میں رہنے کے بجائے ہندوستان آنے کو ترجیح دیتی۔ ۲۱ے

اس طرح قاری کو ترغیب کی گئی کو وہ اپنی بچیوں کو پرورش عمدہ اسلامی طریقے کے مطابق کریں۔

۵۔۳۔۱۔ غربت:۔

پاکستانی معاشرہ دو طبقات (امیر و غریب) میں واضح تقسیم نظر آتا ہے۔ امیری غریبی کے فرق نے اس معاشرے کو تفریق میں ڈال دیا ہے۔ افسانہ "پاگل" اسی فرق کا واضح عکاس ہے۔ جو پاکستانی معاشرے میں عدم توازن کی عمدہ مثال ہے افسانے میں بملا غریب لڑکی کے طور پر سامنے آتی ہے جو پڑھنے کی بے حد مشتاق ہے۔ مگر وہ اپنی غربت و افلاس کی وجہ سے کسی اچھے سکول میں داخلہ نہیں لے سکتی تھی۔ اس کے مقابلے میں امیر شخص کی بیٹیاں پڑھائی سے دور بھاگتی ہیں۔ مگر وہ ان پر اپنا پیسہ پانی کی طرح بہا رہا ہے۔ در اصل افسانہ نگار نے اس جانب سوچنے کی دعوت دی ہے۔ کہ اگر امیروں کا یہی پیسہ ذہین غریب بچوں پر خرچ کیا جائے تو معاشرہ بہت ترقی کر سکتا ہے۔ اور پاکستان دنیا کی دوسری ترقی یافتہ اقوام کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ ۲۲ے

افسانہ "جوانا مرگ" ایک نوجوان احمد کا قصہ ہے جو انتہائی غربت کی حالت میں زندگی گزار رہا ہے۔ وہ اور اس کے گھر والے دو دن سے فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ جب اس کو سرکس سے پیش کش کی جاتی ہے کہ اگر وہ سرکس میں ان کا مطلوبہ تماشا دکھائے تو بدلے میں اس کو اچھی خاصی رقم دی

جائے گی۔ سرکس میں احمد نے ۱۰۰ (سو) فٹ کی بلندی سے اپنے کپڑوں کو آگ لگا کر پانی کی ٹینکی میں کودنا تھا۔ اس کے عوض سرکس والے اس کو ۲۰۰ روپے کی رقم دینے والے تھے۔ مگر جب وہ سوفٹ کی بلندی سے آگ لگا کر نیچے کودا تو ٹینکی تک پہنچنے سے پہلے ہی جھلس چکا تھا۔ وہ پانی کی ٹینکی میں گرنے کے بجائے باہر گر کر فوت ہو چکا تھا۔ سرکس میں تماشا دیکھنے ولے تبصرے کرتے ہوئے گزر رہے تھے کہ انسان پیسے کی ہوس میں کیا کچھ کر گزرتا ہے۔ بھوک کا احساس انسان سے ہر طرح کی سوچ سمجھ چھین لیتا ہے اور وہ اپنی بھوک مٹانے کے لیے ہر مشکل کو عبور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ ۲۳

پاکستانی معاشرے میں غربت کا عفریت منہ کھولے کھڑا ہے۔ اور نچلی سطح پر زندگی گزارنے والے انسان تیزی سے اس کا تر لقمہ بنتے چلے جارہے ہیں۔ اس معاشرے میں فن اور فنکار کی کوئی قدر نہیں ہے۔ افسانہ "تصویر" ایک قلاش مصور کی زندگی کی عکاسی ہے۔ جس کے گھر میں بوڑھی غریب بیوہ ماں ہے۔ گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے اور نہ ہی ماں کے علاج کے لیے پیسے ہیں۔ شہر میں جب ایک تصویری مقابلے پر انعام کا اعلان ہوتا ہے تو یہ فنکار ایسی شاہکار تصویر بناتا ہے۔ جو اس کے اعلیٰ فن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے کچے گھر میں ٹمٹماتے دیے کی لو بجھ جاتی ہے۔ مگر وہ تصویر مکمل کر کے ہی دم لیتا ہے۔ اس ساری رات اس کی ماں درد سے کراہتی رہتی ہے۔ وہ دوا کے لیے کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ وہ صرف اپنی ماں کو تسلی دیتا ہے۔ اس کو یقین ہے کہ اس کی تصویر اول انعام حاصل کرے گی۔ مقابلے میں اس کی تصویر تمام بڑے مصوروں کے فن پاروں کو مات دیتے ہوئے اول انعام حاصل کر ہی لیتی ہے۔ ہر طرف سے لوگ اس کو مبارکباد دیتے ہیں۔ مگر وہ مبارک بادوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گھر کی جانب دوڑتا ہے۔ مگر گھر میں ماں کو ساکت حالت میں دیکھ کر وہ شاہکار تصویر یاد آجاتی ہے۔ جس میں اس نے ایک جہاز کو زندگی اور موت کی کشمکش میں ڈوبتا اور ابھرتا ہوا دکھایا ہے اس کو لگا کہ اس کی ماں کی زندگی کا جہاز بھی ڈوب گیا ہے۔ ۲۴

افسانہ "چل اے مجبور دل" ہمارے ارد گرد معاشرے میں رہنے والے سفید پوش انسانوں کی کہانی ہے۔ افسانے میں سکینہ کا کردار ایک مضبوط عورت کا کردار ہے۔ جو ایک چھوٹے سے مکان میں اپنی بہو اور پوتے کے ساتھ مقیم ہے لیکن وہ جب اپنے پوتے کو بھوک سے بے حال دیکھتی ہے اور اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تو وہ باہر گلیوں میں نکل کر مانگنا شروع کر دیتی ہے اور جب اس کی بہو سوال کرتی ہے کہ یہ سب کھانا اور چیزیں کہاں سے آرہی ہیں؟ تو اس کی ساس جھوٹ بول دیتی ہے کہ اس کو ایک گھر میں صفائی کرنے اور برتن دھونے کی نوکری مل گئی ہے۔ لیکن اس کی بہو کو شک ہوتا ہے کہ یہ کسی ایک گھر سے آیا ہوا کھانا نہیں ہے۔ مگر ساس خاموشی سے سب چھپا لیتی ہے اور اس کو کھانا کھلاتی ہے۔ ساس ہر روز مانگ کر کھانا لاتی اور اس کا پیٹ بھرتی۔ ایک دن مالک مکان نے انھیں گھر سے نکال دیا۔ راہ چلتے ہوئے ساس ایک راہگیر کے سامنے رک گئی اور اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا کہ میرا جوان بیٹا مر گیا۔ ہم بے گھر اور دربدر ہیں۔ بہو یہ سب سن کر چکرا جاتی ہے۔ مگر جب وہ ساس کی طرف دیکھتی ہے۔ تو اس کی ساس دوسرے راہ گیر کے سامنے یہی الفاظ دہرا رہی ہوتی ہے۔ غربت نے ساس کو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور کر دیا ہے اور وہ مانگ مانگ کر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی ہے۔ [۲۵]

غربت کی وجہ سے انسان کی سیرت کے تمام پہلوؤں کو نظر انداز کرنا ہمارے معاشرے کا وطیرہ ہے۔ اس معاشرے میں لوگ جب کسی انسان کی دولت کو دیکھتے ہیں تو اس کی خامیوں کو بھول جاتے ہیں۔ افسانہ "چاند سے چاند تک" میں شمس کا کردار انتہائی غریب لڑکے طور پر سامنے آیا ہے۔ چاند شمس کے ماموں کی بیٹی ہے۔ شمس ماموں کے گھر چاند کے لیے رشتہ بھجواتا ہے۔ مگر اس کا رشتہ محض اس لیے ٹھکرا دیا جاتا ہے کہ شمس غریب ہے۔ وقت گزرتا گیا اور شمس نے محنت کر کے خاندان کے پہلے سی پی ایس آفیسر ہونے کا شرف حاصل کر لیا۔ اب کی دفعہ اس کے ماموں خود چاند کا رشتہ اس کے لیے لے کے آئے ہیں۔ شمس سوچتا ہے کہ آخر دولت سے انسان ہر چیز خرید سکتا ہے۔ دولت کی بدولت انسان اپنی محبت بھی خرید سکتا ہے۔ [۲۶]

بعض اوقات دولت کی قلت انسان کی تمناؤں کا خون بن جاتی ہے۔ افسانہ "پچھلی رات کا میلا چاند" غریب انسان کی تمناؤں اور آرزوؤں کی کہانی ہے۔ نثار ایک دفتر میں کلرک تھا اور انتہائی قلیل تنخواہ پر کام کر رہا تھا۔ وہ نوجوان ہونے کے باوجود محض پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے ایک روکھی پھیکی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ شہر سے پیسے کما کر گاؤں میں اپنی بیوہ ماں کو بھیجا کرتا تھا تاکہ ان کی غربت کچھ کم ہو سکے۔ جب اس کے ارد گرد لوگ اپنے معاشقوں کا ذکر کرتے تو اس کے بدن میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوتیں۔ مگر وہ اپنے حالات کا سوچ کر اپنے جذبات دبا لیتا۔ ایک دن وہ دفتر سے گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ سامنے والے گھر میں ایک عورت اپنا سامان منتقل کر رہی تھی۔ اس کا نام نسرین تھا۔ نسرین ایک آوارہ اور اکیلی عورت تھی جس کا کام نئے شکار کو پھانسنا تھا۔ نثار کا میل جول نسرین سے بڑھنے لگا تھا۔ نسرین بغیر آستین کے چست کپڑے پہنتی تھی۔ جس سے اس کے جسمانی خدوخال واضح ہوتے تھے۔ نثار تنخواہ ملنے پر اپنی ماں کو پیسے بھجوانے کے بجائے نسرین پر خرچ کرنے لگا۔ نثار کی ماں کا خط آیا تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ اس کی بہن جوان ہے۔ جہیز کے لیے پیسے ہوں تبھی لڑکے والے آتے ہیں اور اب ماں کی نظر بھی کمزور ہو چکی تھی۔ وہ کپڑے سلائی نہیں کر سکتی۔ اس لیے اب اس مہینے نثار زیادہ پیسے ان کو بھیجے۔ مگر نثار نے اس خط کو ایک طرف ڈال دیا اور پیسے نسرین پر خرچ کرتا رہا۔ ایک دن نسرین نے وہ خط پڑھ لیا۔ شام کو نثار گھر آیا تو اس کے دروازے کے پاس نسرین کا خط ملا جس میں اس نے اپنی تمام حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ بھی اس کی بہن کی طرح غربت کی ستائی ہوئی ہے اور جسم فروشی پر مجبور ہو گئی ہے۔ اب وہ نہیں چاہتی کہ کوئی اور لڑکی نسرین جیسی بنے۔ اس نے نثار سے دوستی محض اس لیے کی تھی کہ اس کے ذریعے کسی امیر شکار کو پھانس سکے۔ اس لیے وہ جا رہی تھی اور جاتے ہوئے بہت سے پیسے اور تحفے نثار کی بہن کی شادی کے لیے چھوڑ گئی۔ ۲۷

افسانہ "کنگن" شاجو نامی عورت کی کہانی جو اپنے شوہر کو بچانے کے لیے دوائی کے پیسے مانگنے اس سیٹھ کے پاس جاتی ہے۔ جہاں اس کا شوہر کام کرتا ہے۔ سیٹھ پیسوں کے عوض شاجو سے ایک رات

مانگتا ہے۔ مگر شاجو سیٹھ کی اس پیشکش کو ٹھکرا کر واپس آجاتی ہے اور سوچتی ہے کہ دنیا میں سے انسانیت ختم ہو گئی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے قدموں میں بیٹھی یہی سوچتی رہتی ہے۔ اس کا بھائی اس کے شوہر کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی بیوی کے کنگن اس کی جیب میں تھے۔ وہ اپنی بہن کی کسمپرسی اور بہنوئی کی لاچارگی دیکھ کر چپ چاپ چلا جاتا ہے۔ آدھے گھنٹے بعد وہ دوائی کے ساتھ پھل اور کچھ پیسے شاجو کو دے کر چلا جاتا ہے۔ جب وہ اپنے گھر کی جانب جاتا ہے تو اس کی جیب خالی ہوتی ہے۔ ۲۸ ایسے افسانے معاشرے کے اس رخ کو پیش کرتے ہیں جہاں بہن بھائیوں کا ایک دوسرے کے لیے قربانی کا جذبہ عام ملتا ہے۔

غریب انسان صرف امیروں کی ہوس کا شکار نہیں بنتا بلکہ اکثر اوقات وہ معاشرے کے لیے خطرناک بھی بن جاتا ہے۔ اور پھر وہ اپنے طرز عمل سے تمام معاشرے کو متاثر کرتا ہے۔ افسانہ "اندر کا الاؤ" ایک غریب نوجوان طالبعلم کی زندگی کی کہانی ہے۔ جو اپنی غربت کے باعث تعلیم جاری نہیں رکھ سکا اور غلط لوگوں کی محبت میں پڑ کر وہ ایک غنڈہ بن گیا۔ لوگوں کا قتل عام کرنا اس کے لیے ایک معمولی کھیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کالج میں وہ ہمیشہ اپنی غربت دور کرنے کے طریقے سوچا کرتا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایک ظالم زمیندار کا مطیع کارندہ بن کر سب کو اپنی دہشت سے مسحور کر لے گا۔ مگر جب وہ اپنی گولیوں سے کراچی میں دہشت گردی پھیلا رہا ہوتا ہے تب ہی ان دنوں اسے ایک میگزین میں کچھ تحریریں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ ان تحریروں کے ساتھ لاشوں کی تصویریں دیکھ کر وہ محسوس کرتا ہے جیسے ان لاشوں میں ایک لاش اسی کی بھی ہے۔ باقی لاشیں اس کے ماں، باپ، بہن، بھائیوں کی ہیں۔ اس کے اندر الاؤ جلنا شروع ہوا۔ دراصل یہ الاؤ تبدیلی کا استعارہ ہے۔ جو اس کو واپس نیک زندگی کی طرف راغب کر رہا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ کس طرح اس نے ایک آدمی ہو کر آدم کے بیٹوں کو قتل عام کیا ہے۔ اس کو لگا کہ روئے زمین پر وہ ہر ظلم میں برابر کا شریک ہے۔ کشمیر میں، یروشلم میں، بنگلہ دیش میں، اور کراچی میں ہر جگہ۔ وہی ظالم ہے جو اپنے ہی بہن بھائیوں کے گلے کاٹ رہا ہے۔ وہ حالات سدھارنے کا

عہد کرتا ہے۔۲۹؎ غربت ہی انسان کو تمام برے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ ہر جائز ناجائز کام سوچے سمجھے بغیر کرتا چلا جاتا ہے اور اس غربت کی واضح تصویر ان افسانوں کے ذریعے پیش کی گئی ہے۔

افسانہ "رجاء" غربت کی ماری ایک ایسی ہی لڑکی ہے۔ جس کا باپ دھماکے سے متاثر تھا وہ نفسیاتی مریض بن گیا تھا۔ ہر وقت گھر کے برتن کھٹکھٹاتا رہتا تھا۔ جب تک شور سے کان کے پردے نہ پھٹنے لگ جاتے۔ بم دھماکے میں اس کے دونوں بازو کٹ گئے تھے۔ غربت نے اس گھرانے کو اتنا لاچار کر دیا تھا کہ رجاء کا بھائی عادل مختلف علاقوں میں بم دھماکے کرنے پر رضامندی ظاہر کرتا ہے۔ رجاء اپنے باپ کو لے کر بستی بستی گھومتی کہ شاید اس کا باپ کچھ بہتر ہو جائے۔ مگر ہر بستی میں وہی خون، ظلم اور موت کی کہانی رقصاں ہوتی۔ رجاء اپنے حالات سدھارنے میں ناکام ہے اور اس کا بھائی غربت ختم کرنے کے چکر میں زندگی کی بازی ہار گیا۔ ماہنامہ "عصمت" کے ان افسانوں کو سیاسی و سماجی حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ یہ ماہنامہ وقت کی ہر تبدیلی کے ساتھ ساتھ نئے حالات کو بیان کرتا جا رہا ہے اور معاشرے کے تقریباً تمام موضوعات کو ان افسانوں میں تحریر کیا گیا ہے۔

٦۔٣۔١۔ سماجی اور معاشرتی افسانے:۔

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے افسانے بیوہ عورت اور اس کی لاچارگی کے متعلق تحریر کیے گئے۔ افسانہ "دست گیری" بیوہ عورت کی زندگی کی لاچارگی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مقصدی اور اصلاحی بھی ہے۔ افسانہ دو بیوہ عورتوں کے ارد گرد گھومتا ہے جو ایک ساتھ ساحل سمندر پر خودکشی کرنے آتی ہیں۔ ان میں سے ایک غریب بیوہ اور دوسری امیر بیوہ ہے۔ غریب عورت کا بیوہ ہونے کے بعد کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ وہ بالکل دوسروں کی دست نگر بن کر رہ گئی ہے۔ اس کا دل بہت حساس ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے محنت مزدوری کرنے لگتے ہیں۔ مگر پھر بھی اکثر فاقے کی زندگی گزارتے ہیں۔ اس عورت کو سڑک پر مزدوری کرنے والا ہر بچہ اپنا لگتا ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اس معاشرے میں غریب، ان پڑھ اور بے سہارا بیوہ کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اس لیے وہ سمندر پر خود

کشی کرنے آجاتی ہے۔ غریب عورت کی ملاقات امیر عورت سے ہوتی ہے وہ بھی وہاں خودکشی کرنے آتی ہے۔ دونوں عورتوں کی خودکشی کی وجہ الگ الگ ہے۔ غریب عورت کے پاس اپنے بچوں کو کھلانے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ جبکہ امیر عورت کے پاس پیسہ بہت زیادہ ہے، اولاد نہیں ہے۔ لالچی رشتہ دار دولت کے حصول کے لیے اس کی چاپلوسی کرتے ہیں۔ وہ ان کے دھوکے کو اچھی طرح پہچانتی ہے۔ اس لیے خودکشی کا ارادہ کرتی ہے مگر جب وہ غریب بیوہ سے ملتی ہے۔ تو اس کو اپنی زندگی کا مقصد نظر آنے لگتا ہے۔ اس کو پتہ چلتا ہے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے اس کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے۔ وہ غریب عورت کے بچوں کو اپنا وارث بنانے اور ان کی پرورش کرنے کا بیڑا اٹھالیتی ہے۔ اس افسانے کا ایک مقصد خودکشی کی ممانعت بھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی مقصد کے لیے تخلیق کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر غریبوں کے بچوں کو امیروں کی سرپرستی میسر آجائے تو معاشرہ سدھر سکتا ہے۔ [۳۰]

افسانہ "سماج" کا موضوع بھی بیوہ عورت کی زندگی ہے۔ جہاں عورت بیوہ ہوئی وہیں سب نے اس کے سائے سے بھی گھبرانا شروع کر دیا کہ یہ تو بیوہ ہے یقیناً منحوس ہوگی۔ افسانے میں بینا بیوہ عورت کی روپ میں سامنے آتی ہے۔ بیوہ بھی ایسی کہ جس نے شادی کے دو ماہ کے اندر اندر بیوگی کا دکھ اٹھالیا۔ اس کا شوہر عامر اچانک پیٹ میں درد اٹھنے کے بعد وفات پا جاتا ہے۔ بینا کی ساس دن رات اسے منحوس ہونے کے طعنے دیتی ہے کہ اس نے میرا بیٹا کھالیا ہے۔ بینا کی ساس اُسے گھر کی کسی معاملے میں بولنے کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ تاکہ کسی بھی کام پر بینا کا منحوس سایہ نہ پڑے۔ بینا نے جب اپنی نند کی شادی پر اس کو مہندی لگانی چاہی تو اسے برا بھلا کہا گیا کہ یہ اپنا منحوس پرچھاواں نند کی خوشیوں پر ڈال رہی ہے۔ بینا پہلے ہی بہت غمزدہ تھی اس نے خاموشی سے اپنے کمرے میں جا کر نیند کی گولیاں کھالیں۔ کیونکہ وہ اب مزید زندگی کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھی۔ جب اس کی نند کی رخصتی ہو رہی تھی۔ تو وہ اپنی ماں کے ساتھ بینا کو ملنے اس کے کمرے میں آئی تو بینا وہاں مردہ پڑی تھی۔ بینا کی ساس نے گھبرانے کے بجائے خود پر قابو پالیا وہ بڑی چالاک اور دور اندیش عورت تھی۔ وہ عورت جو خدا سے زیادہ سماج سے خوف

کھاتی تھی۔ اس نے بیٹی کو سمجھا بجھا کے چپ کر کے گھر سے رخصت کر دیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ اگر براتیوں کو حقیقت معلوم ہو گئی کہ اس کی بہو کی وفات ہو گئی ہے تو اس کی بیٹی کی رخصتی نہ ہو پائے گی۔ کیونکہ ہمارے معاشرے کی بنائی ہوئی فضول رسموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رخصتی سے پہلے گھر میں کوئی غمی بن جائے تو دلھن منحوس تصور کی جاتی ہے۔ بینا کی ساس نے اس کی نند کی رخصتی ہنسی خوشی کر دی اور دوسرے دن رو رو کر سب لوگوں کو بتایا کہ میری بہو کی وفات ہو گئی ہے۔ دراصل یہ افسانہ مسلمانوں میں مروج فضول رسموں کو بھی موضوع بناتا ہے۔ [۱۳]

ہمارا معاشرہ ایسا معاشرہ ہے جہاں کسی کو بیوہ عورت سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ معاشرے کی نظر میں بیوہ عورت زمین کا بوجھ ہے اور اگر یہ بوجھ کم ہو تو عموماً لوگ خوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیوہ عورت کو منحوس سمجھنے کے ساتھ ساتھ ہمارے ہاں بیٹی کی پیدائش کو بھی معیوب تصور کیا جاتا ہے۔ افسانہ "اعتراف" کا موضوع بیٹیوں کی پیدائش ہے۔ اس موضوع کا احاطہ ممکن نہیں اور نہ ہی اس کی المناکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ افسانے میں ایک ساس اپنے بیٹے کی دوسری شادی صرف اس لیے کرواتی ہے کہ اس کی پہلی بیوی سے صرف بیٹیاں پیدا ہوئی ہیں مگر ان کو بیٹا چاہیے۔ دوسری بیوی کے بطن سے بھی تین بیٹیاں پیدا ہوئی ہیں تو ساس اپنے بیٹے کو تیسری شادی کے لیے رضامند کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جب وہ راضی نہیں ہوتا تو ساس چالاکی سے دوسری بہو انوری کے صندوق سے زیورات اور پیسے چرا لیتی ہے۔ اس پر الزام لگا دیتی ہے کہ یہ سب انوری نے چرائے ہیں۔ اس طرح اپنے بیٹے کا دل بہو سے میلا کر کے جھٹ اس کی تیسری شادی کر دیتی ہے۔ تیسری شادی کے بعد بھی جب بیٹی پیدا ہوتی ہے تو ساس کو بہت ندامت ہوتی ہے۔ وہ جب چارپائی پر پڑ جاتی ہے تو اس کو خیال آتا ہے کہ اس نے اپنی بہوؤں خاص کر انوری کے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔ اب وہ اپنی بہوؤں اور پوتیوں کے سامنے اعتراف کرتی ہے کہ اس نے محض ایک پوتا پانے کے لیے انوری پر چوری کا الزام لگایا۔ اس کے وہ گہنے اور پیسے بھی اس کے

کمرے کے صندوق میں پڑے ہیں۔ اور وہ اپنی بہوؤں کو بھی یہی کہتی ہے کہ کاش میں اپنی پوتیوں کو بیٹوں کے برابر سمجھتی تو آج یہ سب نہ ہوتا۔ ۳۲ ؎

افسانہ "آتش گمنام" ایک عورت جیراں کی کہانی ہے جس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس کی بنا پر اس کا شوہر شیر و دوسری شادی کر لیتا ہے۔ جیراں بہت غمزدہ ہوئی اور اپنے گھر کے پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ وہ بچپن سے لے کر جوانی تک جب بھی غمزدہ ہوتی تھی۔ اسی درخت کے نیچے آکر بیٹھتی تھی۔ اور اپنا سارا دکھ اسے سناتی تھی۔ ایک دن اس نے گاؤں میں سنا کہ شیر و کا بیٹا ہوا ہے۔ وہ پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ اور شیر و کے بیٹے کو اپنا دشمن تصور کرتے ہوئے اس کو ختم کرنے کے منصوبے بنانے لگی۔ کیونکہ صرف اس نوزائیدہ بچے کے حصول کے لیے شیر و نے جیراں پر سوکن لا کے بٹھادی تھی۔ اس رات جیراں نے شیر و کے بیٹے کو گھر سے اٹھالیا اور پٹڑی پر جا کر لٹادیا۔ مگر اس کی خوبصورت آنکھوں کی کشش نے جیراں کو متوجہ کر لیا اور اس نے بچے کو خود سے چمٹا لیا۔ وہ ٹرین میں بیٹھ گئی۔ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ شیر و کے بیٹے کی پیدائش کے بعد درخت کے نیچے آبیٹھی تھی۔ اب اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ شیر و کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا کر پالے گی۔ اس کے اندر رقابت کا جذبہ ختم ہو کر مامتا کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ ۳۳ ؎

اسلام نے ذات پات رنگ و نسل کی تمیز ختم کر کے ایک تقویٰ کو برتری کی بنیاد قرار دیا۔ مگر ہمارا معاشرہ آج بھی رنگ و نسل کو ہی فوقیت دیتا ہے۔ خصوصاً لڑکیوں کا رنگ کالا ہو جائے تو ان کا جینا دشوار کر دیا جاتا ہے۔ افسانہ "رنگت" انسانی احساسات، جذبات اور نفسیات پر مبنی عمدہ تحریر ہے اور ہمارے معاشرے میں بنائے گئے رنگوں کی تفریق پر عمدہ طنز بھی ہے۔ صفیہ اور اس کے خاندان میں گورا رنگ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ صفیہ کے ہاں پہلی بیٹی روزی تھی جو انتہائی گوری تھی۔ اس وجہ سے وہ سب کو بہت پسند تھی۔ ہر شخص کی آنکھ کا تارہ تھی مگر جب روبی پیدا ہوئی تو اس کا رنگ سانولا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کو گھر میں دوسرے درجے کا فرد بن کر زندگی گزارنی پڑی۔ اس کے رنگ کو ہدف تنقید

CS CamScanner

بنایا جاتا۔ خدائی قدرت صفیہ کے ہاں جب تیسری لڑکی ثمینہ نے جنم لیا وہ کالی سیاہ تھی۔ گھر، باہر ہر جگہ ثمینہ کے کالے رنگ کا مذاق اڑایا جاتا۔ وہ بچپن سے ایسے جملے سننے کی عادی ہو گئی تھی کہ کاش یہ پیدا نہ ہوتی۔ اسے تو کوئی بھنگی فقیر بھی بیاہ کر نہ لے جائے گا۔ اس طرح ثمینہ سب سے کٹ کر تنہا رہنے لگی اور شدید بیمار پڑ گئی۔ ثمینہ ہسپتال کی ایمرجنسی وارڈ میں زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ جب روبی نے زبردستی اسے ملنے کی خواہش کی اور وہ وہاں جا کر ڈاکٹر کی منتیں کرنے لگی کہ وہ ثمینہ کو بچا لے۔ ڈاکٹر روبی سے بہت متاثر ہو کر پوچھتا ہے۔ کہ کیا اس کو بہن سے بہت پیار ہے؟ تو وہ چپ کر کے یہی کہتی ہے کہ اگر ثمینہ مر گئی تو وہ گھر میں سب سے کالی بن جائے گی۔ ۳۴

ہم نے خود ساختہ اصولوں کو اپنے سر پر اتنا سوار کر لیا ہے کہ ثمینہ کی جان بچانے کے لیے دعا کرنے کے بجائے محض اس لیے بچانے کی التجائیں کی جا رہی ہیں کہ اس کی وجہ سے روبی کو گھر میں ہدف تنقید بننا پڑتا تھا۔ افسانہ "بخت کے اندھیرے" میں غفران کا کردار بھی رنگ کے حوالے سے تحقیر کا نشانہ بنتا ہے۔ جب اس کا رشتہ ماموں کی بیٹی سے طے ہو رہا ہوتا ہے تو وہ اس سے شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اس کالے حبشی سے تو کوئی بھی شادی نہیں کر سکتا۔ پھر غفران محنت کی بدولت شہر کا مہنگا ترین ڈاکٹر غفران بن جاتا ہے۔ وہ اپنی ماضی کے اس واقعے کو بھولنا چاہتا ہے کہ اس کی رنگت قابل تضحیک ہے مگر وہ بھول نہیں پاتا۔ اسی لیے وہ عورتوں سے ملنے سے کتراتا ہے۔ ایک دن ڈاکٹر غفران کے کلینک میں ایک مریضہ زینت آتی ہے۔ جو انتہائی خوبصورت ہے اور وہ ڈاکٹر غفران کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ دونوں کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مگر شادی کا اظہار کرتے ہی زینت اس کے رنگ کی وجہ سے اس کو ٹھکرا کر چل پڑتی ہے۔ تب ڈاکٹر غفران کے دل میں وہی اندھیرا چھا جاتا ہے اور وہ خود کو کالے حبشی کی صورت میں ٹھکرایا ہوا انسان سمجھتا ہے۔ جو بخت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ جس کی سیرت اور قابلیت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ۳۵

CamScanner

یہاں انسان اپنی انسانیت سے گر کر اسفل ترین سطح پر پہنچ جاتا ہے۔ وہ انسان جسے فرشتوں نے سجدہ کیا اکثر اوقات حیوانوں سے بھی بدتر بن جاتے ہیں۔ افسانہ "مسجود ملائک" معاشرے میں ختم ہوتی ہوئی انسانیت اور وحشت و بربریت کا عمدہ عکاس ہے۔ افسانہ ایک راہ چلتے پاگل انسان سے شروع ہوا ہے۔ جس کو راستے میں ایک ٹوٹی ہوئی گڑیا ملتی ہے وہ ہذیانی انداز میں اس کو محلے کی ایک نالی میں رکھ کر اینٹ سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ اس وجہ سے نالی کا پانی سب گھروں میں پھیل جاتا ہے۔ عورتیں گھروں سے نکل کر ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا کرتی ہیں کہ نالی دوسری نے بند کی ہے۔ اچانک محلے کا ایک بچہ کہتا ہے کہ نالی میں پڑی ہوئی گڑیا اس کی ہے۔ محلے کی ایک عورت خورشید اس بچے محمود کے پیٹ میں اتنی زور سے لات مارتی ہے کہ اس کی آنتیں ابل کر سامنے آجاتی ہیں اور وہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ کیا یہ انسان اس قابل ہیں کہ انھیں فرشتے سجدہ کرتے؟ آج کا انسان انسانیت کی پست سطح پر گر چکا ہے۔ وہ خود اس بات کو بھول گیا ہے کہ کل کو اس نے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جواب بھی دینا ہے۔ ۳۶ ایسے افسانے انسان کی انسانیت پر گہرا طنز ہیں کہ یہ انسان جس کو زمین پر نائب بنایا گیا ہے۔ وہ اس قابل بھی نہیں کہ اسے انسان کہا جائے۔

افسانہ "خزاں دیدہ" بھی انسانیت کے رشتے کے موضوع پر تحریر کیا گیا ہے۔ یہ افسانہ رشتے کے تقدس کی بے اعتباری اور ناپائیداری پر تحریر کیا گیا ہے۔ افسانے میں دو کردار ساس بہو کی صورت میں نمایاں ہوتے ہیں۔ ساس بہو ایک گھر میں رہتی ہیں۔ جبکہ شوہر پردیس میں رہتا ہے۔ ایک دن جب ساس تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔ اس کو بہو کے کمرے سے ہنسنے اور مرد کی ملی جلی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ساس بہو کو بلا کر پوچھتی ہے کہ یہ کون ہے؟ وہ کہتی ہیں کہ یہ اس کے شوہر کے دوست جمشید ہیں۔ ساس کو بے حد طیش آتا ہے۔ مگر بہو خاموشی سے وہاں سے چلی جاتی ہے۔ پھر ساس ان کے کمرے سے ایک آواز سنتی ہے۔ آج رات ڈیڑھ بجے۔۔۔۔۔۔ وہ جملہ پورا نہیں سن پاتی کہ جمشید دوبارہ کہتا ہے میں سچ کہتا ہوں۔ قسم سے آج رات ڈیڑھ بجے۔۔۔۔ ساس اس سے آگے کچھ نہیں سن پاتی اور نیند کی غشی

میں چلی جاتی ہے۔ رات کے دو بجے ساس کی آنکھ کھلتی ہے تو اس کو بہو کے کمرے میں مرد کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ساس انتہائی غصے کے عالم میں پستول نکال کر لے جاتی ہے۔ ان دونوں پر فائر کر دیتی ہے مگر جب سوئچ جلا کر کمرے میں روشنی کرتی ہے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کی چلائی ہوئی گولیوں سے اس کا اپنا بیٹا اور بہو دونوں ہلاک ہو چکے ہیں۔ بوڑھی ساس خزاں کے پتے کی طرح لرز کر رہ جاتی ہے۔ ۳۷؎ اس افسانے میں گھریلو شکوک میں مبتلا ہونے والوں کی کہانی دہرائی گئی ہے جو اکثر اوقات اپنے شک کی وجہ سے اپنا ہی نقصان کر لیتے ہیں۔

کچھ انسان انتہائی شقی القلب ہونے کے ساتھ ساتھ بعض اوقات لالچی بھی ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اس لالچ کی بھینٹ کس کس کو چڑھاتے ہیں ان کو خود بھی پتہ نہیں چلتا۔ افسانہ "جوگن" ایک لالچی سپیرے اور اس کی بیٹی کی کہانی ہے جوگن سپیرے کے ساتھ بستی بستی پھر کر اپنے جسم پر مختلف سانپ لپیٹ کر کرتب دکھاتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ ایک علاقے میں کرتب دکھانے گئے تو جوگن کو رمیش نامی لڑکے سے پیار ہو گیا۔ سپیرے کو یہ سب ناگوار گزرا کیونکہ رمیش اور جوگن کی شادی کی صورت میں لالچی سپیرے کی دولت کا ذریعہ ختم ہو جانا تھا۔ اس نے خاموشی سے ایک چال چلی اور رمیش کو اپنی کٹیا میں بلوایا کہ جوگن اس سے ملنا چاہتی ہے۔ وہاں اس نے رمیش کو زہریلے سانپ سے ڈسوا دیا۔ جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ جوگن پر اس واقعے کا بہت گہرا اثر ہوا اور دوسرے دن جب وہ تماشا دکھا رہی تھی۔ اس نے اچانک بین بجانی بند کر دی۔ تمام سانپ جو اس کے جسم سے لپٹے ہوئے تھے۔ انھوں نے جوگن کو ڈس لیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے موت کے منہ میں چلی گئی۔ بوڑھے سپیرے کی لالچ نے دو زندگیوں کا چراغ گل کر دیا تھا۔ ۳۸؎

افسانہ "پچھتاوا" ایک بوڑھے انسان کی شب و روز کی کہانی ہے۔ جوانی میں جب بھی بوڑھا کوئی غلط کام کرنے لگتا تھا۔ اس کا ضمیر اسے منع کرتا تھا اور اس کو دین کی جانب راغب کرتا تھا۔ وہ بوڑھے کو عورتوں کی جانب بری نگاہ ڈالنے سے باز رکھتا تھا۔ مگر تب بوڑھا ہمیشہ یہی سوچتا تھا کہ ابھی حساب کتاب کا

وقت بہت دور ہے اور اب جب وہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ اس کو ماضی میں کیے گئے تمام گناہ یاد آتے ہیں۔ اس کا ضمیر اس سے بھاگ چکا تھا۔ وہ راتوں کو اللہ کی بارگاہ میں رو رو کر معافی مانگتا تھا اور اپنا ضمیر واپس مانگتا تھا۔ ایک دن بوڑھے کو ادراک ہوتا ہے کہ اس کو اس کا ضمیر واپس مل گیا ہے۔ بوڑھا بہت مسرور ہوتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں کمزور ہو چکے ہیں۔ بصارت نہیں رہی۔ لیکن پھر بھی وہ پنے ضمیر کی بات ماننا چاہتا تھا۔ ضمیر نے اسے جہاد کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کشمیر اور فلسطین میں جہاد کرنے کا حکم دیا۔ بوڑھے نے اپنے اندر ایک پھرتی سی محسوس کی۔ اور رائفل اٹھا کر چل پڑا۔۳۹ ان افسانوں کے ذریعے مسلمان نوجوانوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ جہاد کا عملی طور پر بھی درس دیا گیا۔ یہ افسانہ اپنے موضوع اور عنوان دونوں کے حوالے سے باعث ترغیب ہے۔ اور لوگوں کو گناہ کی زندگی سے نکال کر عمل کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اہم کردار ادا کرتا ہے۔

افسانہ "نیا انسان" کا موضوع اور کہانی دونوں ہی نئے ہیں۔ افسانہ غریب بوڑھے کلرک اور اس کی بیٹی فروزاں کے بارے میں ہے۔ فروزاں گونگی بہری لڑکی ہے۔ اس کا جو بھی رشتہ آتا جب انھیں پتہ چلتا ہے کہ لڑکی گونگی بہری ہے تو وہ رشتے سے انکار کر دیتے۔ بوڑھا کلرک بیٹی کے رشتے کے سلسلے میں سخت پریشان تھا ایک دن اس نے اپنے دفتر میں ساجد نامی شخص سے ملاقات کی۔ جو اس سے ایک خط ٹائپ کرواتا ہے۔ وہ خط در اصل شادی کا ایک پیغام ہوتا ہے چونکہ ساجد دنیا میں اکیلا تھا۔ اس لیے وہ یہ طریقہ ڈھونڈ نکالتا ہے کہ وہ فروزاں کے والد سے یہ پیغام ٹائپ کروائے۔ اس طرح وہ ساجد کے بارے میں بہتر جان سکیں گے۔ بوڑھا کلرک خط ٹائپ کر کے دیتا ہے تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ ساجد یہ خط کہاں بھجوانا چاہتا ہے۔ گھر آ کر جب وہ پیغام ڈاک کے ذریعے اسے ملتا ہے تو وہ بہت حیران ہوتا ہے کہ اتنا خوش اخلاق اور ہنس مکھ نوجوان ان کے گھر پیغام کیسے بھیج سکتا ہے۔ وہ بوڑھا اپنے دل میں سوچتا ہے کہ وہ ساجد کو فروزاں کے متعلق سب تفصیلات فراہم کر دے گا کہ وہ گونگی بہری لڑکی ہے۔ جب وہ ساجد کو یہ بتانے جاتا ہے تو یہ سن کر حیران رہ جاتا ہے کہ ساجد کو سب کچھ معلوم ہے۔ پھر وہ اسے نئے انسان کا

خطاب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ وہ نیا انسان ہے۔ جو عورت کی عزت کرنا جانتا ہے اس کی جوانی کا نہیں اس کی عزت کا پرستار ہے۔ ایسا انسان جو گونگی بہری لڑکی کے ساتھ بھی زندگی کا سفر طے کر سکتا ہے۔ یہی نئے انسان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ۴۰؎

افسانہ "جذامی" بھی انسان کی تلاش پر مبنی ہے۔ افسانہ نگار ایک جذامی بھکاری کو دیکھ کر اندازہ لگاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف کرداروں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک ہی آسمان تلے انسان مختلف زندگیاں گزار رہے ہیں۔ وہ زندگی کے نشیب و فراز پر غور کرتا ہے۔ وہ کسی اکائی کسی یکسانیت کی تلاش میں سرگرداں پھر رہا ہے۔ جذامی شخص سے کوئی بات نہیں کرتا۔ بھیک دے کر لوگ آگے بڑھ جاتے ہیں۔ وہ نیا انسان کب آئے گا جو معاشرے کے اس نظام کو ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ ۴۱؎

ہمارے معاشرے میں لوگ اپنی بیٹیوں کو بہت سا جہیز دینے اور امیر گھروں میں بیاہنے کے خواب دیکھتے ہیں۔ افسانہ "خاک کا مقدر" میں زینی ایسی لڑکی کا کردار ہے۔ جو محل میں ٹھیکیدار کی بیٹی کی شادی کا قیمتی جہیز دیکھ کر احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ وہ اور اس کی سہیلیاں پہروں بیٹھ کر قیمتی جہیز اور امیروں کے گھروں میں شادیوں پر بحث کرتیں۔ زینی کا رشتہ لطیف سے کیا گیا جو ان ہی کی طرح غریب تھا۔ زینی کو ہمیشہ یہ خیال ستاتا رہتا کہ اس کے ماں باپ کے پاس اس کو دینے کے لیے قیمتی جہیز نہیں اور اب اس کو سسرال میں طعنے سننے پڑیں گے مگر اس کا یہ خوف شادی کے بعد رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ لطیف اور اس کے ماں باپ کوئی بھی کام اسے مشورہ لیے بغیر نہیں کرتے تھے۔ تو اسے بہت خوشی محسوس ہوتی ہے زینی کی زندگی خوشگوار ہوگئی۔ ایک سال بعد وہ ایک پیارے بچے کامران کی ماں بن گئی اور اس سارے عرصے میں وہ ٹھیکے دار کی بیٹی اور قیمتی جہیز ہر چیز بھول گئی۔ ایک دن میکے جاتے ہوئے زینی کو ٹھیکے دار کی بیٹی ملتی ہے۔ وہ میک اپ کرنے کے باوجود شدید علیل لگ رہی تھی دراصل وہ اپنے سسرال والوں پر قیمتی جہیز کا رعب ڈالتی تھی مگر جب تعلقات خوشگوار نہ

ہوں تو قیمتی جہیز کوڑے کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ سسرال والوں کو دکھ درد میں شریک بہو کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ امارت جتانے والی ایک کٹھ پتلی کی۔ اس طرح ٹھیکے دار کی بیٹی کو اس کے قیمتی جہیز سمیت واپس بھیج دیا گیا۔ ۴۲؎

ماہنامہ "عصمت" میں پریم چند جیسے بڑے افسانہ نگاروں کے افسانے بھی شائع ہوتے تھے۔ پریم چند کا افسانہ "اکسیر" کا موضوع عورت اور معاشرہ ہے۔ افسانے میں بوٹی کا کردار ایک جوان بیوہ کا ہے۔ افسانے کا پس منظر ایک دیہات اور ایک عورت کی دوسری عورت سے پوشیدہ رقابت ہے۔ بوٹی شوہر کے وفات کے بعد بچت اور محنت کر کے اپنے تین بچوں کو پالتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے موہن کے جوان ہونے پر اس کی شادی محض اس لیے نہیں کرتی کہ وہ خود کو بوٹی سے زیادہ حسین سمجھتی ہے۔ مگر ایک دفعہ جب بوٹی بیمار پڑتی ہے تو وہ لڑکی بوٹی کی دن رات تیمارداری اور خدمت کرتی ہے۔ یہ خدمت اتنی اکسیر ثابت ہوتی ہے کہ اس کو موہن کی دلھن بنا کر لے آتی ہے۔ اس افسانے کا پس منظر گاؤں میں رہنے والی عورت اور اس کی دوسری عورتوں سے پوشیدہ رقابت ہے۔ ایک عورت اور اس کے جذبات کی عمدہ عکاسی اس میں کی گئی ہے۔

انگریزوں کا برعظیم پر تسلط یہاں کے لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے نفرت کا باعث بن گیا۔ انگریز یہاں حکومت کیا کر گئے لوگ ہر وقت ان سے نفرت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ برعظیم میں اس نفرت کا شکار سب سے زیادہ وہ لڑکیاں بنیں جنھوں نے یہاں کے مردوں سے شادیاں کی ہیں۔ افسانہ "تردید" اس کی مذمت میں تحریر کیا گیا کہ ہر شخص ویسا نہیں ہوتا جیسا ہم سوچتے ہیں۔ یہاں برعظیم میں انگریز بیویوں کو بری نگاہ سے دیکھا اور انھیں بے حیا سمجھا جاتا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار افتخار جب لندن پڑھنے جاتا ہے تو وہاں ایلیا نامی لڑکی کے اخلاق سے متاثر ہو کر اس سے شادی کر لیتا ہے۔ اس کا خاندان اس بات پر بہت رنجیدہ ہے۔ اس کو مغرب زدہ ہونے کا طعنہ دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اب وہ اپنی نسلوں کو انگریزوں کے ساتھ پروان چڑھائے گا۔ غرض اس کو ہر طرف سے لعن طعن

اور ملامت کی گئی۔ ایلیا جو افتخار کی بیوی ہے وہ مشرقی طور طریقوں کو سیکھنے کے ساتھ ساتھ اسلامی طور طریقوں کو بھی سیکھ لیتی ہے۔ پاکستان آنے کے بعد وہ نہ صرف اچھی بیوی ثابت ہوتی ہے بلکہ بہت اچھی ماں کے خطاب سے بھی نوازی جاتی ہے۔ وہ اپنی اولاد کی بہترین پرورش کرتی ہے اور ان کے دل میں اسلام کی سچی محبت پیدا کرتی ہے۔ وہ اس بات کی تردید کر دیتی ہے کہ انگریز عورتیں اچھی مائیں یا اچھی بیویاں ثابت نہیں ہوتیں۔ ۴۳؎

اس طرح بہت سے افسانے مغربی کلچر اور روایات اپنانے والوں کی مذمت میں تحریر کیے گئے۔ افسانہ "کوا چلا ہنس کی چال" میں اس کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس افسانے میں نسیم ایک پڑھے لکھے مرد کی صورت سامنے آتا ہے۔ وہ اپنے گھر والوں کی مرضی کے مطابق شاہینہ سے شادی کے لیے راضی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ صرف میٹرک پاس ہونے کے ساتھ ساتھ گاؤں میں رہتی ہے۔ نسیم ایک تعلیم یافتہ اور جدید بیوی کی تلاش میں ہے۔ نسیم کے گھر والے نسیم کی شادی شاہینہ سے کر دیتے ہیں۔ نسیم شاہینہ کو ماڈرن بنانے کے لیے کلبوں میں لے جانا شروع کر دیتا ہے۔ شاہینہ اپنے دل میں نسیم کے ان جدید خیالات کو شکست دینے کا ارادہ کرتی ہے اور وقت بے وقت مرد دوستوں کے ساتھ کلب میں پھرنا شروع کر دیتی ہے۔ پہلے پہل نسیم بہت خوش ہوتا ہے کہ اس کی بیوی نے جدید اطوار سیکھ لیے ہیں۔ مگر جب وہ شوہر اور بچوں سے بے نیاز پھرتی ہے تو نسیم کو احساس ہوتا ہے کہ اس نے کچھ غلط کیا ہے۔ وہ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اپنا تبادلہ دوسرے شہر کرا لیتا ہے۔ شاہینہ بہت خوش تھی کہ اس نے اپنے شوہر کو گمراہ ہونے سے بچا لیا تھا۔ اس افسانے کے ذریعے عورتوں کو صلاح دی گئی کہ وہ اپنے حالات کو سنوارنے کے لیے خود محنت کریں اور اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزاریں۔ ۴۴؎

الغرض یہ اور بہت سے دوسرے افسانوں کے ذریعے جدیدیت کے نام پر اپنائی جانے والی فحاشی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

CamScanner

اُردو افسانے کے تناظر میں ماہنامہ "عصمت" کے افسانے:۔

ماہنامہ "عصمت" کا اجرا ایسے وقت میں ہوا جب سر سید کی علی گڑھ تحریک کے نتائج پوری طرح سرایت کر چکے تھے۔ اس تحریک کے زیر اثر معاشرے کا جمود ٹوٹنا شروع ہو گیا تھا۔ لوگوں میں بیداری اور آگاہی کا نیا دور شروع ہو گیا تھا۔ اُردو ادب اس تحریک سے براہ راست متاثر ہوا اور اس تحریک کے زیر سایہ اصناف ادب نے تیزی سے ترقی کی منازل طے کرنا شروع کیں۔ اُردو افسانہ بھی اس تحریک کے آغاز کے بعد عروج کی جانب گامزن نظر آتا ہے۔ اس تحریک کے بعد اُردو افسانے میں جدید رجحانات کا آغاز دیکھنے میں نظر آتا ہے۔

اُردو افسانے کے اولین دور پر نگاہ ڈالیں تو ایک طرف سجاد حیدر یلدرم، مجنوں گورکھپوری، مہدی افادی، نیاز فتحپوری اور قاضی عبد الغفار جیسے رومانیت پسندوں نے رومانوی اور تخیلاتی افسانے تخلیق کیے۔ ان افسانہ نگاروں کے افسانوی فن پر نگاہ ڈالیں تو فنی پختگی اور اُردو افسانے کے ارتقا کے ابتدائی خدوخال واضح نظر آتے ہیں۔ سجاد حیدر یلدرم کے افسانوں میں رومانیت ہوس اور گناہ کی لذت آشنائی تک نہیں پہنچتی اور ایک پاکیزہ رومانویت کا عکس ان کے افسانوں میں جھلکتا ہے۔ سجاد حیدر یلدرم کے افسانے "خارستان وگلستان"، "صحبت ناجنس"، نکاح ثانی"، "سودائے سنگین"، "ازدواج محبت" اور حکایات لیلیٰ مجنوں" ان کی رومانیت نگاری کے عمدہ ترجمان ہیں۔

مجنوں گورکھپوری کے مجموعہ افسانوی نثر "سمن پوش" کے افسانے "میرے ہو"، "شکست صدا"، "خواب وخیال"، "بیگانہ" اعلیٰ رومانوی افسانوی نثر کو ظاہر کرتے ہیں۔ نیاز فتح پوری کے افسانے "شہاب کی سرگزشت"، "شاعر کا انجام" اور "کیوپڈ و سائیکی" ان کے نمائندہ افسانے قرار دیے جاسکتے ہیں۔ ان افسانوں کا اسلوب، فضا اور ماحول تخیلاتی و رومانوی ہے۔ قاضی عبد الغفار کی تصنیف "لیلیٰ کے خطوط" رومانوی افسانوی نثر میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔ ڈاکٹر سلیم آغا ان کی رومانیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

ان کے ہاں فلسفہ آرائی کو رومان پر برتری حاصل ہے۔۴۵؎

لیکن اس کے باوجود ان کی رومانوی افسانہ نگاری انھیں اپنے دور کے افسانہ نگاروں میں ممتاز بناتی ہے۔ رومانیت کے برعکس دوسری جانب پریم چند اور ان کے مکتبۂ فکر نے معاشرتی موضوعات کو اپنا کر اُردو افسانے کو وسعت عطا کر دی۔ ان لوگوں میں علامہ راشد الخیری، سلطان حیدر جوش اور حامد اللہ افسر وغیرہ اہم تھے۔ ان لوگوں نے معاشرتی اور سماجی موضوعات پر قلم اٹھا کر اُردو افسانے کو وسعت عطا کی۔

بعد میں اُردو افسانے کو عروج عطا کرنے والوں میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، غلام احمد عباس، عصمت چغتائی، منٹو، اوپندر ناتھ اشک، اختر انصاری اور احمد ندیم قاسمی کے نام شامل ہیں۔

کرشن چندر کے افسانوں میں معاشرتی حالات کے زیر اثر محرومیاں واضح نظر آتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں "پیا سا"، "برہم پتر"، "بالکنی"، "کالو بھنگی"، "ان داتا"، "ٹوٹے ہوئے تارے"، "ساجھے کا مردہ"، "کچرا بابا"، "خمیازہ"، "پالنا"، "یرقان"، "غالیچہ"، "ایک ایکسٹرا لڑکی" اہم ہیں۔ یہ افسانے معاشرے میں چلتے پھرتے کرداروں کی عمدہ عکاسی کرتے ہیں۔

اُردو افسانے میں راجندر سنگھ بیدی ایک بہت بڑا نام ہے۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "دانہ و دام" تھا۔ دوسرے مجموعوں میں "گرہن"، "کوکھ جلی"، "اپنے دکھ مجھے دے دو"، "ہاتھ ہمارے قلم ہوئے"، "مکتی بودھ" شامل ہیں۔ ان کے افسانے موضوعات کی وسعت کے ساتھ اعلیٰ فن کے عمدہ نمونے ہیں۔ ان کے ہاں فکر کی بلندی اور سوچ کی گہرائی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

غلام عباس کے افسانے فن، تکنیک اور اسلوب تینوں لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ ان کے افسانے اردگرد کی زندگی کے عمدہ عکاس ہیں۔ ان کے اہم افسانوں میں "اوورکوٹ"، "اس کی بیوی"، "بندروالا"، "آنندی"، "تنکے کا سہارا"، "دو تماشے"، "ناک کاٹنے والے"، "فینسی ہیر کٹنگ سیلون"، "کتبہ"، "جواری"، "بحران" وغیرہ شامل ہیں۔

CS CamScanner

خواتین افسانہ نگاروں میں عصمت چغتائی کے فن نے اُردو افسانے کو ایک عروج پر پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ عصمت چغتائی کا موضوع عورت اور جنس ہے۔ عصمت نے اس حوالے سے کئی کامیاب افسانے لکھے ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں۔

عصمت چغتائی کے افسانوں کا موضوع متوسط طبقے کی لڑکیوں کی کچلی ہوئی جنسیت ہے۔[۴۶]

عصمت چغتائی کے اہم افسانوں میں "لحاف"، "بیگم جان"، "پردے کے پیچھے"، "گیندا"، "جال"، "بھول بھلیاں"، "شادی"، "تاریکی"، "بیڑیاں"، "بہو بیٹیاں"، "جنازے"، "چھوٹی آپا" وغیرہ شامل ہیں۔ عصمت چغتائی کے ہاں موضوعات کا تنوع ہے۔ وہ معاشرے کی تلخ حقیقتوں کو بیان کرنے میں ماہر ہیں۔

احمد ندیم قاسمی کا پہلا افسانوی مجموعہ "چوپال" تھا۔ ان کے افسانوں میں دیہی زندگی کی منظر کشی عام ملتی ہے۔ ان کے افسانوں میں گاؤں کے اجڑے ہوئے تباہ حال اور شکستہ گھر ملتے ہیں۔ ان کے دوسرے افسانوی مجموعے "بگولے" پر نظر ڈالیں تو وہاں بھی دیہی زندگی کی عکاسی عمدہ طریقے پر نظر آتی ہے۔ ان کا اسلوب اور طرز تحریر سادہ لیکن افسانے فنی لحاظ سے بہت بلندی پر ملتے ہیں۔ ان کے اہم افسانوں میں "محدب شیشے میں سے"، "انگڑائی"، "پرواز"، "افتاد"، "طلوع و غروب"، "بڈھا کھوسٹ"، "پرچھائیاں"، "جوانی کی سڑاند"، "رانی"، "میرا دیس"، "سانولا"، "اصول کی بات"، "رئیس خانہ"، "سفید گھوڑا" وغیرہ شامل ہیں۔ سعادت حسن منٹو نے اُردو افسانے میں نہ صرف وسعت پیدا کی بلکہ اُردو افسانے کو نئے موضوعات، نئے فنی زاویوں، نئی تکنیک اور نئے نکتہ نظر سے آشنا کیا۔ منٹو کے افسانوں کا غالب موضوع عورت ہے۔ "عورت" میں بھی عام گھریلو عورت سے لے کر طوائف تک، اور طوائف بھی کم تر درجے کی۔ منٹو کا خاص موضوع ہیں۔ ان کے نمائندہ افسانوں میں "ٹیڑھی لکیر"، "ہتک"، "کالی شلوار"، "خوشیا"، "پہچان"، "دس روپے"، "بلاؤز"، "دھواں"، "سرکنڈوں کے پیچھے"، "اللہ دتا"، "شاداں"، "ڈرپوک"، "بو"، "ٹھنڈا گوشت"، "ننگی آوازیں"، "نیا قانون"،

CamScanner

"موذیل" وغیرہ شامل ہیں۔ منٹو اپنے افسانوں میں تمام اخلاقی پابندیوں کو توڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ ممتاز شیریں لکھتی ہیں۔

> منٹو نے فطری انسان کا دفاع کرتے ہوئے پابندیوں، مروجہ اخلاقی قدروں اور انھیں قائم کرنے والے سماج سے بغاوت کی تھی۔ ۴۷

جدید افسانہ نگاروں میں قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، انور سجاد، اشفاق احمد، بانو قدسیہ اور دوسرے بہت سے افسانہ نگار شامل ہیں۔ ان کے افسانوں پر مجموعی نظر ڈالی جائے تو قرۃ العین حیدر کے افسانوی مجموعے "ستاروں سے آگے" کو جدید اُردو افسانے کا نکتۂ آغاز کہہ سکتے ہیں۔ دوسرا افسانوی مجموعہ "شیشے کے گھر" ہے۔ "شیشے کے گھر" پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر فوزیہ اسلم لکھتی ہیں۔

> "شیشے کے گھر" کے افسانوں میں بڑی حد تک سنجیدگی آگئی ہے۔ اس مجموعے کے افسانے "جہاں پھول کھلتے ہیں" میں مصنفہ کے مخصوص فکر و فن کی نشاندہی ملتی ہے۔ ۴۸

قرۃ العین حیدر کے اہم افسانوں میں "یہ داغ داغ اجالا"، "کیکٹس لینڈ"، "برف باری سے پہلے"، "سر راہے"، "جب طوفان گزر چکا"، "آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا کیا" شامل ہیں۔

انور سجاد کے اہم افسانوں میں "سازشی"، "آج"، "چھٹی کا دن"، "واپسی"، "دیو جانسس"، "روانگی" وغیرہ شامل ہیں۔

ان افسانہ نگاروں کے افسانوں کے تناظر میں ماہنامہ "عصمت" کے افسانوں کو دیکھا جائے تو یہ افسانے ادب کے مرکزی دھارے میں کسی نمایاں مقام کے حامل نظر نہیں آتے۔ اُردو افسانہ قیام پاکستان کے بعد اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ مگر اس عروج میں ماہنامہ "عصمت" کے افسانے کسی نمایاں اہمیت کے حامل نہیں نظر آتے۔ جبکہ اُردو افسانہ ترقی کی نہج پر پہنچ چکا ہے۔ ماہنامہ "عصمت" کے

افسانوں پر جو مقصدیت غالب ہے وہ مقصدیت ان افسانوں کی فنی بالیدگی پر منفی اثر ڈالتی ہے اور ان افسانوں کو فنی پختگی کے لحاظ سے کمزور کرتی ہے۔ یہ گہری مقصدیت ان افسانوں کو ادب میں کسی نمایاں مقام تک پہنچانے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ افسانے اپنے دور کا کوئی بھی نام ور افسانہ نگار نہیں پیدا کر سکے۔

۲۔ ناول:

اُردو ادب میں ناول نگاری کی ابتدا مقصدی اور اصلاحی تحریروں کی صورت میں شروع ہوئی۔ ایسے ناول روکھے پھیکے، طویل مکالموں سے بھرپور اور اکتا دینے والے ہوتے تھے مگر مقصد ہمیشہ مد نظر رکھا جاتا تھا۔ تقسیم پاکستان کے بعد ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والے ناول بہت کم تعداد اور مختصر صورت میں شائع ہوئے اور ان ناولوں پر بھی مقصدیت غالب نظر آتی ہے۔

ظفر جہاں بیگم کا ناول "تین دور" ایک محلے میں بسنے والی عورتوں کی زندگی پر مشتمل کہانی ہے۔ یہ ناول بھی مقصدی اور اصلاحی ہے۔ اس ناول پر کہانی پن سے زیادہ مقصدیت کا رجحان غالب نظر آتا ہے۔ خورشید بیگم ناول کا مرکزی کردار ہے۔ جو اس محلے میں بیاہ کر آتی ہے۔ وہ محلے میں آتے ہی عورتوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھاتی ہے۔ وہ محلے کی بچیوں کو درس و تدریس کے لیے بلاتی ہے اور انھیں گھر کی صفائی، ترتیب اور سلیقے سے ہر چیز مقررہ جگہ پر رکھنے کا درس دیتی ہیں۔ خورشید بیگم کائنات کے نظام کی مثال سے چیزوں کے مقرر اصول کو واضح کرتے ہوئے بچیوں کو بتاتی ہیں کہ سورج، چاند اور ستارے وقت پر نکلتے ہیں۔ اس طرح وہ واضح کرتی ہیں کہ ہر چیز کو مقررہ جگہ پر رکھنا ہی اصل نفاست ہے۔

اس ناول میں دیکھا جائے تو پلاٹ زیادہ واضح نہیں اور پھر خورشید بیگم جب بچیوں کو سمجھاتی ہیں تو ان کے مکالمے طویل سے طویل ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان کا درس ختم نہیں ہوتا۔ وہ ایک بات سے دوسری اور دوسری سے تیسری نکال کر خشک مثالوں سے بات بڑھاتی چلی جاتی ہیں۔ اس سے ناول نگار کا اصلاح کا مقصد تو پورا ہو جاتا ہے۔ مگر کہانی کا پلاٹ اتنا پھیل جاتا ہے کہ سمیٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔

CS CamScanner

ناول میں جہاں جہاں خورشید بیگم کی عملی زندگی دکھائی گئی ہے۔ اس کو واضح کرنے کے لیے ناول نگار نے لمبی تمہیدیں باندھی ہیں۔ جس سے ناول بے جان ہو کر رہ گیا ہے۔ خورشید بیگم عملی طور طریقوں سے بچیوں کو متاثر کرنے کے لیے مختلف تہواروں پر کچھ کر کے دکھاتی ہیں۔ مثلاً محرم کے موقع پر انھوں نے گھر میں مجلس یا خیرات کرنے کے بجائے پیسے براہ راست محلے کے غریبوں میں بانٹ دیے اور بچیوں کو ایک طویل درس میں کہا کہ خیر خیرات کا مطلب صرف کسی کو پیسے دینا نہیں ہے۔ بلکہ کسی غریب کو پڑھا لکھا کر باہنر بنانا بھی اسی میں شمار ہے۔ خورشید بیگم یہاں بھی قرآنی آیات کے حوالے دے دے کر سمجھاتی ہیں کہ اس طرح صدقے خیرات کرنے سے معاشرے میں غربت ختم ہوتی ہے۔

خورشید بیگم کا کردار ایک مثالی عورت کا کردار ہے۔ جو ہر بات کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیتی ہے۔ یہ کردار ایسی عورتوں کی نمائندگی کرتا ہے جو اپنے مسائل پر پریشان ہونے کے بجائے اس کو سلجھانے کے لیے کوشش کرتی ہیں۔

خورشید بیگم کے محلے کی ایک عورت ہرمزی بیگم جب اس کو اپنے مالی مسائل و مشکلات کا بتاتی ہے تو یہاں بھی خورشید بیگم کا ایک طویل بیان شروع ہوتا ہے۔ جس میں وہ ہرمزی بیگم کو اس کے گھر میں ایک پولٹری فارم بنانے کا مشورہ دیتی ہے۔ خورشید بیگم ہرمزی بیگم کو یہ تجویز پیش کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اس طرح گھر میں انڈے آنے کے ساتھ ساتھ ان کو فروخت کر کے مالی مسائل بھی حل کیے جا سکتے ہیں۔ یوں ہر سال مرغیوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ جس سے خوش حالی لائی جا سکتی ہے۔ ہرمزی بیگم ان باتوں پر عمل کرتی ہے۔ اس طرح اس کے دن پھر جاتے ہیں۔ یہاں ناول نگار کا مقصد خواتین کی اصلاح ہے کہ وہ چھوٹا موٹا کام کر کے بھی گھریلو آمدنی میں اضافہ کر سکتی ہیں اور پھر ہرمزی بیگم کی اولاد کا مثالی پن واضح کرتے ہوئے ناول نگار نے یہ مقصد سامنے رکھا کہ گھریلو پیشے اپنا کر گھر کی آمدنی میں اضافہ اور اولاد کی بہتر دیکھ بھال اور پرورش کر سکتی ہیں۔

ناول میں ہرمزی بیگم کے خاندان کی کہانی بیان کی گئی ہے کہ انھوں نے نہ صرف اپنے گھر کے حالات سنوارے بلکہ اس کی بیٹیوں نے دوسرے گھر جا کر کوئی نہ کوئی کام کیا اور اپنے گھر کی آمدنی میں اپنے شوہروں کا ہاتھ بٹایا۔ ایک بیٹی نے مرغیاں پال لیں دوسری نے باغبانی کر کے گھر میں سبزیاں اگا لیں اور روز کا خرچ بچا لیا۔ تیسری نے کپڑے سلائی کر کے شوہر کی آمدنی میں اضافہ کیا۔ اس طرح ہرمزی بیگم اور اس کی بیٹیاں مثالی کرداروں کی صورت میں نمایاں نظر آتی ہیں۔ ۴۹ے

نذر سجاد حیدر کا ناول " نجمہ " پلاٹ اور کردار نگاری کے حوالے سے بہت جاندار ہے۔ یہ ایک رومانی ناول ہے جو نجمہ اور جمیل کی محبت کے گرد گھومتا ہے۔ اس ناول میں جمیلہ کا کردار ایک باہمت، باوفا اور خوبصورت پٹھان کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ جمیل اور نجمہ کی ملاقات ان دنوں ہوئی جب جمیل بیرسٹری کی پریکٹس کے دنوں میں پشاور میں تعینات تھا۔ وہاں اس کو نجمہ سے شدید عشق ہو گیا تھا مگر پریکٹس ختم ہونے کے بعد جب جمیل ممبئی گیا تو اس کے والد نے اسے دوبارہ پشاور نہ آنے دیا اور زبردستی اس کی شادی شکیلہ سے کر دی۔ جمیل نجمہ کے فراق میں تڑپتا رہا مگر اس کے والد نے مطلق پرواہ نہ کی۔

اس ناول میں واقعات کا تانا بانا مضبوطی سے بنا گیا ہے۔ واقعات، حادثات، ایک کے بعد ایک کر کے رونما ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ قاری پر واقعات کی گرفت بہت گہری ہے۔

جمیل نے نجمہ سے ملنے کی جو کوششیں کیں ان کا مفصل احوال نذر سجاد حیدر صاحبہ نے بیان کیا ہے۔ ناول میں واقعات کی جزئیات نگاری بہت مفصل بیان کی گئی ہے۔ مثلاً جمیل پشاور کے علاقے میں ایک ایک گھر جا کر نجمہ کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر نجمہ نہیں ملتی۔ جمیل کو نجمہ کے بارے میں صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ لوگ یہ علاقہ چھوڑ گئے ہیں۔ جب اس واقعے کو بارہ سال کا عرصہ بیت گیا تو ایک دین جمیل نے دفتر کے لیے ایک لڑکی کی ضرورت کا اشتہار دیا۔ انٹرویو کے لیے آنے والی بہت سی لڑکیوں میں سے مس خان کا انتخاب کیا گیا جو شکل وصورت سے نجمہ جیسی تھی۔ مس خان کا چہرہ قدرے علالت زدہ تھا۔ جمیل کو مس خان میں نجمہ کی جھلک دکھائی دیتی تھی اس لیے وہ قدرتی طور پر مس خان کو

CamScanner

پسند کرنے لگا۔ جمیل کے باپ کو یہ وابستگی پسند نہ آئی اور اس نے مس خان کو نکال باہر کیا اور کہا کہ شہر چھوڑ کر چلی جاؤ۔

یہاں ناول کا عروج شروع ہوتا ہے۔ جمیل خاموشی سے باپ کی بات مان لیتا ہے مگر خفیہ طور پر مس خان کو قریبی گاؤں میں رہائش دلواتا ہے۔ ہر مہینے شکار کے بہانے اسے ملنے آتا اور یہ دیکھ کر حیران ہوتا رہتا کہ مس خان دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہیں اور کسی طور صحت یاب نہیں ہورہیں۔ ایک مرتبہ جمیل کے بھتیجے کی بسم اللہ تھی جس کے باعث وہ مس خان کو ملنے نہ جاسکا۔ جب ملنے گیا تو مس خان شدید بیمار تھیں۔ جمیل مس خان کو ہسپتال لے جانا چاہتا تھا مگر مس خان نے زبردستی جمیل کو منع کیا کہ وہ نہیں جاسکتی اور پھر مس خان کی وفات ہوگئی۔ جمیل کو اس کا آخری خط موت کے بعد ملا جس میں اس نے لکھا تھا کہ وہی نجمہ ہے۔ جو شدید بیماری کے باعث وقت سے پہلے بوڑھی ہوگئی تھی۔ جمیل پر غشی کے شدید دورے پڑنے لگے وہ روز اس کی قبر پر جاکر بیٹھنے لگا وہیں ایک دن اس کی وفات ہوگئی۔

اس ناول کے کردار انتہائی جاندار اور کہانی کی بنت بہت مضبوط ہے۔ اسلوب آسان، سادہ اور سلیس ہے۔ ناول نگار کی کہانی پر گرفت بہت گہری ہے واقعات کا تسلسل کہانی کو پر لطف بناتا ہے۔ ۵۰

ناول "میرے دامن میں کچھ پھول کچھ کانٹے" کا موضوع عورت اور اس کی مظلومیت ہے۔ ناول کا مرکزی کردار زارا ہے جو بیرسٹر شہاب کو اپنے گھر کے دروازے پر پڑی ملی تھی پھر انھوں نے زارا کو بیٹی بنا کر پالا۔ بیس سال بعد اچانک بیرسٹر شہاب کے گھر ایک اجنبی پٹھان آیا۔ اس نے یہ انکشاف کیا کہ زارا اس کی بیٹی ہے۔ بیرسٹر شہاب قانونی آدمی تھے۔ انھوں نے کچھ ثبوت طلب کیے تو اس پٹھان نے تمام ثبوت پیش کر دیے۔ زارا کے بچپن کی تصویریں، اس کی پیدائش کا سرٹیفکیٹ اور زارا کی ماں کی تصاویر۔ اس نے ثبوت پیش کرتے ہوئے کہا کہ جب زارا پیدا ہونے والی تھی۔ تو وہ اپنی بیوی کو ایک رشتے دار کے گھر لے کے آیا تھا۔ اس نے زارا کے پیدا ہونے پر کہا کہ اب وہ اس کو گھر میں ٹھہرانے کی قیمت زارا کی صورت میں وصول کرے گا۔ زارا کو پال کے جوان کر کے وہ اس سے شادی کرے گا۔ اس

پر زارا کے باپ کو غصہ آگیا۔ اس نے اپنے رشتے دار کو قتل کر دیا اور اپنی بیٹی زارا کو بیرسٹر شہاب کے گھر ڈال دیا۔ اس کے بعد اس پٹھان نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ اور جیل سے رہا ہونے کے بعد وہ زارا کو لینے نہیں آیا بلکہ اس کے جوان ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ اب وہ اتنے سالوں بعد زارا کو محض اس لیے لینے آیا تھا کہ زارا جوان ہو چکی ہے۔ زارا کے پٹھان باپ نے اس کا رشتہ بیس ہزار میں طے کر دیا تھا۔ اس نے نہ صرف پیسوں کی خاطر رشتہ طے کیا تھا بلکہ بدلے میں زارا کے ہونے والے شوہر سے اس کی بیٹی کا رشتہ اپنے لیے بھی طلب کیا تھا۔

اس ناول کے کردار بہت جاندار ہیں منظر نگاری بہت عمدہ کی گئی ہے۔ واقعات میں تسلسل اور بہاؤ کی کیفیت نظر آتی ہے۔ انسانی رشتوں کی بے رحمی اور بد سلوکی نظر آتی ہے۔ اور کہیں کہیں کرداروں میں لچک اور ہمدردی کا عنصر بھی ظاہر ہوتا ہے۔

کہانی میں واقعات ایک تسلسل سے آگے بڑھتے ہیں۔ بیرسٹر شہاب اس پٹھان کو بیس ہزار دے کر اسٹامپ پر لکھوا لیتے ہیں کہ اب اس کا زارا سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ بیس ہزار روپوں کا سن کر خوشی خوشی مان جاتا ہے۔ بیرسٹر شہاب زارا کو اس کی ماں کے متعلق بتا رہے تھے کہ جب اس پٹھان نے زارا کی ماں کی تصویر دکھائی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ تصویر ان کی گم شدہ بھانجی کی تھی۔ جس کو پچیس سال پہلے اغوا کر لیا گیا تھا اور اس پٹھان نے اس کی ماں کو خریدا تھا۔ وہ زارا کو تمام حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس کا باپ اب بھی لالچ میں اسے ملنے آیا ہے۔ زارا اپنے باپ سے ملنے جاتی ہے اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کو دوبارہ ملنے نہ آئے۔

یہ ناول مواد، ہئیت اور اسلوب کے لحاظ سے آسان اور سیدھا سادہ ہے۔ انسانی نفسیات اور لالچ کا عمدہ عکاس ہے۔ پٹھانوں کی تہذیب اور بیٹیوں کی خرید و فروخت کے طریقوں کو بیان کرنے کے ساتھ کرداروں کے ذریعے ان خامیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بیٹیوں کی خرید و فروخت کی

ممانعت کی گئی ہے۔ عورت پر روا رکھے گئے تمام مظالم کی شدید مخالفت کی گئی اور بتایا گیا کہ بیٹیوں کی خرید وفروخت غیر شرعی ہے۔اھ

۳۔ ڈراما:

ماہنامہ "عصمت" میں تحریر کیے جانے والے ڈرامے چھوٹے چھوٹے یک بابی اور معاشرتی موضوعات پر مشتمل ہیں۔ تمام ڈراموں کے کردار تین سے چار لوگوں پر مشتمل ہیں اور مکالمے مختصر۔ ان ڈراموں کا پس منظر پاکستان کا معاشرہ ہے اور اس میں پھیلے معاشرتی مسائل ہیں۔

ڈراما "مشترک خاندان" کا مرکزی کردار دولت رام ہے جو ایک محب قوم رہبر ہے۔ ایک مرتبہ وہ ایک جوش بھری تقریر کر کے واپس آتا ہے اور اپنے واحد دوست کو اس کی روداد سناتا ہے۔ وہ اپنے دوست کو بتاتا ہے کہ اس نے کنبہ پروری پر ایک مدلل تقریر کی ہے۔ دولت رام اسم بامسمی کردار ہے۔ اپنے نام کی طرح ان کے پاس انتہائی دولت ہے۔ وہ بہت بڑے گھر میں اکیلے رہتے ہیں اور ان کا کوئی رشتہ دار زندہ نہیں تھا۔ اس لیے اکیلے گھر میں رہ کر جذباتی تقریریں کرنا سیکھ گئے تھے۔ لیکن یہ تقریر ان کو مہنگی پڑ گئی تھی۔ کیونکہ اس کی تقریر کے بعد اس کے گھر میں یکے بعد دیگرے کئی لوگ آئے۔ جنھوں نے دولت رام کو اپنا رشتہ دار ظاہر کیا اور ان کے گھر میں رہنا اپنا حق سمجھا۔

پہلا کردار جو دولت رام کے گھر آتا ہے وہ جے نارائن ہے وہ خود کو دولت رام کا پھوپھا ظاہر کر کے اس کے گھر رہنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ دوسرا کردار رام چرن کا ہے جو کہ ایک غیر لڑکا ہے۔ وہ دولت رام کو اپنا سگا چچا ظاہر کرتا ہے۔ تیسرا کردار نتائی کا ہے جس نے مبالغہ آرائی کی حد کر دی وہ دولت رام کو سگا بھائی ظاہر کرتا ہے اور اس کے گھر میں اپنا قیام بالکل جائز سمجھتا ہے۔ کانتی چوتھے کردار کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ وہ ایک آوارہ اور بے غیرت شخص ہے۔ اس نے خود کو دولت رام کا سالا ظاہر کیا در حقیقت دولت رام نے شادی ہی نہیں کی تھی۔ یہ سب لوگ دولت رام کے گھر گھس آئے اور وہاں سے نکلنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ سب دولت رام کی تقریر بار بار دہرا رہے تھے کہ کنبہ پروری اچھی

عادت ہے۔ وہ حیرانی سے سب کو دیکھتا رہتا ہے اس ڈرامے میں کرداروں کے ذریعے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ۵۲؎

ڈراما "بٹن" تین کرداروں ساس، بہو اور بیٹے پر مشتمل ہے۔ یہ ڈراما بعض مقامات پر اپنے اندر مزاح کے پہلو رکھتا ہے اس صبح جب شوہر دفتر کے لیے روانہ ہوا تو دیکھا کہ اس کی شرٹ کا بٹن ٹوٹ گیا تھا۔ جب اس نے بیوی سے کہا کہ بٹن ٹانک دو تو وہ جواباً کہتی ہے کہ میں نے گھر میں بساطی کی دکان نہیں کھول رکھی کہ ہر چیز یہاں موجود ہو۔ بیوی شوہر کو کہتی ہے شام جلدی آ جانا شاپنگ کرنی ہے۔ اس گھر میں سوئی اور دھاگہ بھی نہیں ہے۔ بٹن بھی خرید کے لاؤں گی۔ جب شام وہ بازار جاتے ہیں تو بیوی مہنگا پرفیوم، میک اپ، جیولری، کپڑے سب خرید لیتی ہے۔

ڈرامے کا اگلا منظر انتہائی دلچسپ ہے۔ جہاں بیوی شوہر کو لے کر ایک ریسٹورنٹ میں جاتی ہے اور سوپ کا آرڈر دیتی ہے تو اس کا شوہر اس کی توجہ پیسوں کی جانب مبذول کراتا ہے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ اس کے پاس صرف واپسی کے لیے پیسے ہیں وہ اپنے شوہر کو لے کر ہوٹل سے بھاگتی ہے۔ بیرے اس کو بلاتے رہ جاتے ہیں مگر وہ جلدی جلدی یہ کہہ کر نکل جاتی ہے کہ ان کا ایک قیمتی تھیلا دکان پر رہ گیا ہے۔ وہ باہر نکل کر ٹیکسی میں بیٹھ کر گھر آ جاتے ہیں۔ ساس دریافت کرتی ہے کہ بٹن خریدے ہیں تو وہ کہتی ہے کہ دوسری چیزوں کی شاپنگ کرتے ہوئے پیسے ختم ہو گئے تھے۔ ۵۳؎

ماہنامہ "عصمت" میں قیام پاکستان کے بعد تعلیم کی اہمیت پر نہ صرف مضامین اور ناول لکھے گئے۔ بلکہ ڈراموں کے ذریعے بھی اس موضوع کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ڈراما "سیدہ" کا موضوع بھی عورت اور اس کی تعلیم ہے۔ اس کے کرداروں میں ایک طرف محمدی اور اس کی تین ان پڑھ بیٹیاں ہیں۔ جبکہ محمدی کی نند رشیدہ اور اس کی پڑھی لکھی لیکچرار بیٹی خورشید ہے۔ جو ان ماں بیٹیوں کو تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کرتی رہتی ہیں اور عورتوں کے لیے تعلیم کی اہمیت پر مدلل بحث کرتی ہیں۔

CamScanner

ڈرامے میں محمدی بیگم کا کردار جاہل عورت کا کردار ہے۔ جس کے نزدیک تعلیم یافتہ عورتیں آوارہ ہوتی ہیں اور اپنے گھر بھی صحیح طریقے سے نہیں سنبھال سکتیں۔

خورشید کا کردار سلجھی ہوئی عورت کا کردار ہے اور اس کے مکالمے بڑے جاندار ہیں۔ وہ نرم لفظوں میں سمجھاتی ہے کہ جو تعلیم عورت کو آوارہ بنائے۔ وہ تعلیم نہیں جہالت ہے۔ اصل میں تو ایسی عورتیں تعلیم نسواں کے مخالفین کو یہ موقع فراہم کرتی ہیں کہ وہ کھل کر عورتوں کی تعلیم کی مخالفت کر سکیں۔ عورت اگر تمام دنیا کا علم حاصل کر لے۔ تب بھی گھر والی عورت رہتی ہے ور اس کا پہلا فرض شوہر کو خوش رکھنا، گھر کا عمدہ انتظام اور اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرنا ہے۔

ڈراما "سمجھوتہ" کا موضوع ساس بہو کے جھگڑے ہیں۔ اور اس جھگڑے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ساس ہمیشہ سمجھتی ہے کہ بہو نے اس کا بیٹا چھین لیا ہے۔

ماہنامہ "عصمت" نے افسانوں، ناولوں اور ڈراموں کے ذریعے خواتین کی اصلاح کا جو کام شروع کیا وہ اب تک جاری ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اختر جہاں صاحبہ، "اس کی بہن"، عصمت، مارچ ۱۹۵۰ء، ص:۱۶۶۔

۲۔ سید رضا احمد جعفری، "کلوا ایکہ بان"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۱۶۔

۳۔ محمودہ حق، "اس گھر کو آگ لگ گئی"، عصمت فروری ۱۹۷۲ء، ص:۶۵۔

۴۔ علی احمد شاہدی، "مٹی ہمارا سونا"، عصمت، دسمبر ۱۹۷۳ء، ص:۳۰۹۔

۵۔ قیصر جہاں بیگم، "آنسو"، عصمت، جنوری ۱۹۴۹ء، ص:۳۳۔

۶۔ اختر بیگانہ، "مدھ بھرے نین"، عصمت، اکتوبر ۱۹۹۳ء، ص:۳۳۔

۷۔ وحیدہ نسیم، "روشن راہیں، تاریک منزل"، عصمت، جولائی ۱۹۷۱ء، ص:۲۷۔

۸۔ کنیز فاطمہ، "ہفت اغلاط"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۱۳۔

۹۔ مریم مدنی، "نگار"، عصمت، جولائی ۱۹۶۶ء، ص:۹۷۔

۱۰۔ امتہ الوحی، "ٹی پارٹی"، عصمت، فروری ۱۹۴۹ء، ص:۷۶۔

۱۱۔ ماہ منیر، "بکواس تو نہ تھی"، عصمت، دسمبر ۱۹۶۶ء، ص:۳۶۱۔

۱۲۔ ماہ منیر عروج، "وہ احمق نہ تھی"، عصمت، فروری ۱۹۶۹ء، ص:۱۷۔

۱۳۔ کیفی عظمت، "نئی روش"، عصمت، اکتوبر ۱۹۶۸ء، ص:۲۷۔

۱۴۔ عفت فریدی، "پہلی تاریخ"، عصمت، اپریل ۱۹۸۵ء، ص:۰۷۔

۱۵۔ عائشہ صدیقہ، "بوبو جان"، عصمت، جولائی ۱۹۹۲ء، ص:۲۵۔

۱۶۔ بلقیس بیگم، "نوابن"، عصمت، مارچ ۱۹۹۳ء، ص:۱۱۔

۱۷۔ آثم میرزا، "تیرگی کے پاسبان"، عصمت، نومبر ۱۹۸۸ء، ص:۳۴۔

۱۸۔ ماہ منیر عروج، "ایک سوال"، عصمت، اگست ۱۹۹۳ء، ص:۱۴۲۔

۱۹۔ بدر النساء، "بچے کی نفسیات"، عصمت، اکتوبر ۱۹۶۸ء، ص:۰۹۔

CS CamScanner

۲۰۔ نور جہاں تنویر، "میں اکیلی رہ گئی"، عصمت، مارچ ۱۹۸۲ء، ص:۳۰۔

۲۱۔ وحیدہ نسیم، "گھر سے دور"، عصمت، اپریل ۱۹۶۴ء، ص:۱۹۰۔

۲۲۔ زیب سعید، "پاگل"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۰۳۔

۲۳۔ آمنہ نازلی، "جوانامرگ"، عصمت، اگست ۱۹۴۸ء، ص:۷۲۔

۲۴۔ عبد المعید خان، "تصویر"، عصمت، فروری ۱۹۹۷ء، ص:۳۳۔

۲۵۔ اختر جہاں، "چل اے مجبور دل"، عصمت، جنوری ۲۰۰۶ء، ص:۰۹۔

۲۶۔ سید انصار الہدیٰ، "چاند سے چاند تک"، عصمت، اکتوبر ۱۹۷۱ء، ص:۳۷۔

۲۷۔ آثم میرزا، "پچھلی رات کا میلا چاند"، عصمت، جولائی ۱۹۹۱ء، ص:۲۵۔

۲۸۔ عبد المعید خان، "کنگن"، عصمت، فروری ۱۹۸۲ء، ص:۲۷۔

۲۹۔ آثم میرزا، "اندر کا الاؤ"، عصمت، اپریل ۱۹۹۸ء، ص:۴۶۔

۳۰۔ علی احمد شاہدی، "دستگیری"، عصمت، مارچ ۱۹۷۰ء، ص:۱۴۰۔

۳۱۔ اختر بیگانہ، "سماج"، عصمت، اپریل ۱۹۸۱ء، ص:۱۳۔

۳۲۔ شمیم احمد پرویز،، "اعتراف"، عصمت، مئی ۱۹۷۶ء، ص:۲۴۔

۳۳۔ عصمت رضوان، "آتش گمنام"، عصمت، مارچ ۲۰۰۶ء، ص:۲۳۔

۳۴۔ ڈاکٹر صدیق احمد، "رنگت"، عصمت، نومبر ۲۰۰۴ء، ص:۰۵۔

۳۵۔ زینب گلشن، "بخت کے اندھیرے"، عصمت، دسمبر ۱۹۶۳ء، ص:۳۵۳۔

۳۶۔ طارق احمد، "مسجود ملائک"، عصمت، جولائی ۱۹۷۷ء، ص:۵۷۔

۳۷۔ رضیہ فصیح احمد، "خزاں دیدہ"، عصمت، جون ۱۹۹۴ء، ص:۴۱۔

۳۸۔ شانتی دیوی، "جوگن"، عصمت، جون ۱۹۹۰ء، ص:۱۸۔

۳۹۔ محمد رمضان، "پچھتاوا"، عصمت، فروری ۱۹۸۴ء، ص:۲۴۔

CamScanner

۴۰۔ کوثر چاند پوری، "نیا انسان"، عصمت، جولائی ۱۹۵۸ء، ص:۲۴۸۔

۴۱۔ آثم میرزا، "خاک کا مقدر"، عصمت، جنوری ۱۹۹۳ء، ص:۲۰۔

۴۲۔ پریم چند، "اکسیر"، عصمت، جنوری ۱۹۹۱ء، ص:۴۱۔

۴۳۔ شہناز، "تردید"، عصمت، جون ۱۹۹۴ء، ص:۳۵۔

۴۴۔ سید ابو عاصم، "کوا چلا ہنس کی چال"، عصمت، جون ۱۹۹۴ء، ص:۴۰۔

۴۵۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، "جدید اُردو افسانے کے رجحانات"، (کراچی، انجمن ترقی اُردو، ۲۰۰۰ء) ص:۱۳۸۔

۴۶۔ شمس الرحمن فاروقی، "افسانے کی حمایت میں" (کراچی، سمیع سنز پرنٹرز، ۱۹۸۲ء) ص:۱۵۴۔

۴۷۔ ممتاز شیریں، "منٹو کا تغیر، ارتقا اور فنی تکمیل"، مشمولہ، "اُردو افسانہ روایت اور مسائل"، مرتبہ گوپی چند نارنگ (دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ۲۰۰۴ء) ص:۲۰۹۔

۴۸۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، "اُردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات"، (اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء) ص:۲۷۶۔

۴۹۔ ظفر جہاں بیگم، "تین دور"، عصمت، مارچ تا جولائی ۱۹۶۶ء۔

۵۰۔ نذر سجاد حیدر، "نجمہ"، عصمت، مارچ ۱۹۹۰ء تا جون ۱۹۹۱ء۔

۵۱۔ نظیر بانو زبیری، "میرے دامن میں کچھ پھول، کچھ کانٹے"، عصمت، مئی ۱۹۹۴ء، ص:۳۳۔

۵۲۔ ایس۔ کے۔ صغرا سبز واری، "مشترک خاندان"، عصمت، جون ۱۹۶۱ء، ص:۲۹۷۔

۵۳۔ آمنہ نازلی، "بٹن"، عصمت، جنوری ۱۹۷۰ء، ص:۰۳۔

CamScanner

باب چہارم

ماہنامہ "عصمت" (۱۹۴۸ء تا ۲۰۰۸ء): شعری مشمولات تنقیدی مطالعہ

ماہنامہ "عصمت" اپنی اشاعت کے آغاز سے ہی ایسی نظمیں پیش کر رہا ہے جو فطرتی اور قدرتی موضوعات پر مشتمل ہیں۔ آغاز کے بعد کی نظموں پر نگاہ ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ نظمیں اس قدر آسان زبان میں لکھی گئی ہیں کہ ان کو پڑھ کر کوئی بچہ بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والی نظمیں مقصدی اور اصلاحی ہیں۔ بر عظیم کی تقسیم کے بعد معاشرے کو ایسی شاعری کی ضرورت تھی جو پڑھنے والے کے جذبات پر اثر انداز ہو۔ ان کے اندر ہمت، عزم اور حوصلہ پیدا کرے۔ چنانچہ مختلف موضوعات پر بے شمار نظمیں کہی گئیں۔ ان نظموں کا براہ راست تعلق پاکستانی عورت اور امت مسلمہ سے ہے اور کہیں پاکستانی نوجوانوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے جنھوں نے اس ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سے معروف و غیر معروف شاعر حضرات شاعری کر رہے ہیں۔ انھوں نے متنوع موضوعات کا سہارا لے کر اپنے جذبات و خیالات کو شاعری کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا۔ ان شاعروں میں حامد حسن قادری، مصطفائی خاتون، اثر برہ پوروی، قمر ہاشمی، خورشید آراء بیگم، بیگم بصیر صدیقی، آغائے خاکی قزلباش، حبیب صدیقی، بصیر صدیقی، عقیلہ بیگم، ماہر القادری، سید انیس احمد، مولانا ارشد تھانوی، عزیز بدایونی، رحمن کیانی، جام نوائی بدایونی، عرشیہ علوی، مہر النساء مہر، رفیہ انور امروہوی، صائمہ خیری، بیناز بیری، ماجد الباقری، جہاں آرا چودھری، دعا ڈبائیوی، مریم مدنی، جبریل صدیقی، آمنہ حزیں، نازش رضوی، سکندر جہاں بریلوی، عقیلہ بیگم، نسیمہ صدیقی، عبید اللہ علیم، حنیف سعدی، بشیر فاروق، محمد مرغوب صدیقی، شوق ماہری، جوہر چانڈوی، مشتاق علی ہاشمی، زیب عثمانیہ، حسرت کمال، بشریٰ شمس، مشہود مفتی، صفیہ شمیم ملیح آبادی، عارف لکھنوی، نجمہ انوار الحق، اشرف فتح

پوری، جمیل قریشی، ممتاز صنم، ڈاکٹر محمود الحسن، سرور انبالوی، خورشید بانو شمع، اسلام شبنم، ناصر زیدی ،ناشاد، مسز الطاف حسین، ممتاز مدراسی، غلام السیدین نقوی، حمیدہ خانم، جہانگیر سعیدہ شمیم، وحشت، صفیہ نقوی، ثریا خانم، قاضی عباس حسین، آغا صادق، عبدالعزیز خالد، صائمہ ناز انصاری، آر۔کے۔ درخشاں، حرا شہزاد، فرزانہ پروین، سلیم شاہجہان، انعم مرزا اور محسن بھوپالی شامل ہیں۔

ا۔ ہیئت اور فنی جہات:۔

ماہنامہ "عصمت" میں لکھی جانے والی تمام نظمیں سادہ اور رواں ہیں۔ ان کا اسلوب ایسا ہے کہ کوئی بھی بآسانی انھیں سمجھ سکتا ہے۔ یہ نظمیں اپنی ہیئت اور مواد کے لحاظ سے عمدہ تحریر ہیں۔ اور اپنی منظر کشی اور جزئیات نگاری کی بدولت یہ نظمیں اعلیٰ کہی جاسکتی ہیں۔ ماہنامہ "عصمت" کی یہ نظمیں قوم کو بیدار کرنے کے لیے تحریر کی گئی ہیں۔ چونکہ ان نظموں کا مقصد عورتوں کی اصلاح اور بیداری ہے۔ اس لیے ان کا انداز بیان ایسا تھا کہ کسی کو بھی پڑھنے میں دقت پیش نہ آئے۔ ماہنامہ "عصمت" مستورات کے لیے نکالا گیا تھا اس لیے ہر ممکن کوشش کی گئی کہ اس میں شائع ہونے والی شاعری میں عامیانہ و سوقیانہ پن نہ ہو۔ اور وہ قاری کو حظ مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ کوئی پیغام بھی دے سکے۔

ماہنامہ "عصمت" میں متنوع موضوعات پر منظومات، قطعات، رباعیات اور غزلیات تحریر کی گئیں۔ حمدیہ، نعتیہ، ملی، قومی اور اسلامی ہر موضوع پر نظمیں تحریر کی گئیں۔ یہ نظمیں اپنے اندر وسعت اور دلکشی لیے ہوئے ہیں۔

ماہنامہ "عصمت" کے شعری مشمولات میں منظومات، قطعات، رباعیات اور غزلیات شامل ہیں۔

۲۔ منظومات:۔

ماہنامہ "عصمت" کے پہلے شمارے میں یہ کہا گیا تھا کہ ماہنامہ "عصمت" میں ایسی نظمیں شامل ہوں گی جن کو بچے اور نو عمر لڑکیاں آسانی سے پڑھ سکیں اور گھریلو سطح پر بھی انھیں یہ نظمیں پڑھنے کی آزادی ہو۔ یہ نظمیں سادہ، سلیس اور عام فہم زبان میں لکھی گئی ہوں۔ ان نظموں میں گل و بلبل، زلف و سنبل، ساغر و دل جیسے استعارے نہ ہوں۔ طبقہ نسواں کے لیے چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھی جائیں۔ یہ نظمیں بیس سے زیادہ اشعار پر مشتمل نہ ہوں۔ عنوان سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کی جائے۔[۱]

۱۔۲:۔ حمدیہ منظومات:۔

ماہنامہ "عصمت" میں حمدیہ منظومات کا وسیع ذخیرہ ملتا ہے۔ پاکستان اسلامی معاشرہ ہے اور لاالہٰ کی بنیاد پر حاصل کیا گیا ہے۔ یہاں کے ہر مسلمان کے دل میں اس کی وحدانیت کا سچا اقرار موجود ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں شامل ہونے والے حمدیہ کلام میں بھی مختلف شاعروں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی ہے اور اللہ کو رب اللعالمین تسلیم کرتے ہوئے کہا ہے کہ بیشک وہی کارساز ہے۔ ان سب نظموں کی ہیئت یکساں ہے۔ ان نظموں میں ہیئت کا کوئی نیا تجربہ نظر نہیں آتا۔ شعرا نے سیدھے سادے انداز میں اللہ تعالیٰ سے اپنے عشق کا اظہار کیا ہے۔ صائمہ خیری کہتی ہیں کہ

اے خدائے پاک میرے اے میرے پروردگار
تو فقط یہ جانتا ہے میں ہوں کتنی بے قرار
جب سکونِ جاں کسی پہلو نہیں پاتی ہوں میں
ہاتھ پھیلائے ہوئے تیری طرف آتی ہوں میں
میں سوالِ عاجزی ہوں تیری رحمت بے شمار
اے خدائے پاک تیری رحمت بے شمار[۲]

اللہ تعالیٰ کی بابرکت ذات ہر جگہ موجود ہے۔ کائنات میں کوئی جا ایسی نہیں جہاں وہ موجود نہیں۔ ہر طرف اسی کے جلوے اور اسی کی تابانی ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کی حمد وثنا بیان کرتی ہے۔ ماہر القادری کہتے ہیں۔

ہر سمت تیرے ہی جلوے ہیں، ہر دل میں تیرا کاشانہ ہے
یہ دنیا ہو یا وہ دنیا، تیرا ہی تجلی خانہ ہے
تو مالک! میں بندہ ہوں ترا، ہر حال میں ہوں راضی بہ رضا
ہے ربط مسرت سے بھی مجھے، غم سے بھی میرا یارانہ ہے [۳]

ان نظموں کا مقصد اللہ عزوجل کی بڑائی اور پاکی بیان کرنا ہے اس کی ذات، صفات اور کمالات کو پیش کرنا ہے۔ انسان کے اندر اتنی طاقت نہیں کہ وہ اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کر سکے۔ اسلام شبنم اپنی حمد میں دعائیہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہیں۔

تیری نوازش وعطا تیرے کرم کی ہے دلیل
دیتا ہے بے طلب سدا بندوں کا تو بن کے وکیل
امت ترے رسولؐ کی آپس میں ہے ستیزہ کار
دل کی کدورتیں مٹیں پیدا کر ایسی کچھ سبیل [۴]

۲۔۲۔ نعتیہ منظومات:۔

اللہ تعالیٰ نے بھٹکتی ہوئی انسانیت پر رحم کھا کر ایک رسولؐ ان میں بھیجے جنھوں نے اپنی تعلیمات سے انسان کو تہذیب وتمدن سکھایا۔ ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑی سعادت عشق رسولؐ ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں شعرا نے رسولؐ سے محبت کا اظہار مختلف پیرایوں میں کیا ہے اور اپنے نعتیہ کلام کے ذریعے حضور نبی کریم ﷺ سے عشق ظاہر کیا ہے۔ عرشیہ علوی اپنی نعت میں نبی کریمؐ سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں کہ

مدینے کے آقا مجھے دیکھ لیجیے
غریبوں کے داتا مجھے دیکھ لیجیے
تڑپتا ہے دل اور محروم آنکھیں
شہنشاہ والا مجھے دیکھ لیجیے ۵

نبی کریمؐ کے دنیا میں تشریف لانے سے ہر طرف چھائی جہالت اور کفر کے اندھیرے چھٹ گئے۔ ہر طرف اجالا ہو گیا۔ اسلام کے نور سے جگ منور ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے اس جہالت کو ختم کیا اور اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر دنیا میں حکومت واقتدار کی اجازت دی۔ مینا زبیری کہتی ہیں کہ

آمنہ کے بطن سے اک نور پیدا ہو گیا
ظلمتیں سب مٹ گئیں کافور اندھیرا ہو گیا
منہدم باطل کی اب ساری عمارت ہو گئی
فرش خاکی پہ صداقت کی حکومت ہو گئی ۶

ایک مسلمان کی تڑپ اور سچی آرزو یہی ہے کہ اس کو مدینے کی ایک جھلک نظر آئے تاکہ وہ اپنے محبوب کا دیدار کر سکے۔ مدینہ مسلمانوں کے جذبات کی آماجگاہ ہے۔ جہاں سر جھکاتے ہی تسکین اور راحت میسر آتی ہے۔ رفیہ انور امروہوی سرکار مدینہؐ سے مخاطب ہو کر فرماتی ہیں کہ

میرا سر ہو اور آستانہ نبیؐ کا
مرے پا ہوں اور راہ گزار مدینہ ۷

نبی کریمؐ پر درود و سلام بھیجنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والی نعتیہ نظمیں بھی صل علیٰ کے ورد سے معمور ہیں۔ ماہر القادری کہتے ہیں کہ

لب پہ صل علیٰ اور آنسو رواں
یاد طیبہ نے پھر دل میں لیں چٹکیاں

یہ بھی ماہر آنہی کا ہے الطف و کرم
وصف ختم الرسلؐ اور میری زباں ۸

ماہنامہ "عصمت" میں نعتیہ کلام کے ذریعے حضور نبی کریمؐ کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی واقعہ معراج پر بھی شعرا نے لکھا۔ شعرا حضرات نے اس واقعے کو اپنی نعتوں میں متنوع طریقہ اظہار سے بیان کیا ہے۔ نازش رضوی کہتی ہیں کہ

نہ ہو معراج تو پھر اور کیا ہو
جہاں پر مصطفیؐ ہوں اور خدا ہو
میر سر پر ہے سایہ پنجتن کا
کسی ظالم سے نازش خوف کیا ہو ۹

حضورؐ کی شان بابرکت میں نعت لکھنا کسی اعزاز سے کم نہیں ہے۔ شاعر اس حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کاش وہ عقیدت مندانہ طریقے سے نبی کریمؐ کی شان میں نعت پیش کر سکیں۔

یہی سرمایۂ ہستی ہے یا خط جلی لکھوں
ڈبو کر آب زم زم میں قلم نعت نبیؐ لکھوں
محمدؐ ہی تو بس اک وجۂ تخلیق دو عالم ہیں
انھیں اوّل بھی لکھوں، جب نبیؐ آخری لکھوں ۱۰

اللہ تعالیٰ کی ذات سے عشق کے لیے ضروری ہے کہ نبی کریمؐ کی ذات بابرکت سے الفت و محبت اور عقیدت رکھی جائے۔ نبی کریمؐ کی ذات سے عشق اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی سیڑھی ہے۔ ڈاکٹر محمود الحسن اپنی نعت میں تشبیہات و استعارات کا خوبصورتی سے استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

خدا کرے کہ یہ نکتہ سمجھ سکے تو بھی
تلاشِ رحمتِ یزداں ہے جستجوئے رسولؐ
خدا کرے کہ وہ اک بحر بیکراں ہو جائے

چھلک رہی ہے جو آنکھوں میں آبجوئے رسولؐ ۱۱؎

رسول کریمؐ کی ذات کریمؐ سے عشق اور محبت انسان کو کامیابی کی اعلیٰ منازل تک پہنچاتا ہے۔ آپؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دونوں جہان کی کامیابیاں سمیٹی جا سکتی ہیں۔ ناصر زیدی کہتے ہیں۔

نعت نبیؐ کو جب سے وظیفہ بنالیا

سوئے ہوئے نصیب کو گویا جگالیا

پیچھے رہے سفر میں تذبذب سے ہم سفر

ہم نے تو ایک جست میں منزل کو جالیا ۱۲؎

۳۔۲۔ اسلامی منظومات:۔

ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والی زیادہ تر نظمیں مذہبی اور اسلامی ہیں۔ جن کو تحریر کرنے کا مقصد معاشرے میں پھیلتی ہوئی گمراہی اور گناہ کو ختم کرنا تھا۔ نظم "پیام آخرت" مسلمانوں کو آخرت کی جانب متوجہ کرتی ہے۔

موت دو زندگیوں میں ہے خلیج مائل

ہے ادھر زندگی ناقص، تو ادھر ہے کامل

ہے یہ دارالعمل اور دوسری ہے دار جزا

عارضی زیست ہے یہ اور وہاں رہنا ہے سدا ۱۳؎

ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والی بہت سی نظمیں اسلامی تہوار، عقائد اور معاشرے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسلامی نظام معاشرت میں رمضان المبارک کے مہینے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر بھی نظمیں کہی گئیں۔ جہاں آرا چودھری اپنی نظم "ماہ سعید" میں کہتی ہیں کہ

رحمتِ حق ساتھ لے کر آگیا ماہ سعید

کیوں نہ خوش ہو کر منائیں کل مسلمان روز عید

CamScanner

اس مہینے میں یہاں تشریف لائے تھے رسولؐ

اس مہینے میں دعائیں دل کی ہوتی ہیں قبول ۱۴؎

اسلامی تاریخ میں واقعہ کربلا کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت امام حسینؓ سے عقیدت کا اظہار کرنے کے لیے جہاں آرا چودھری نے ایک طویل نظم "شہید کربلا سیدنا حسین" کے عنوان سے تحریر کی جس میں واقعہ کربلا اور امام حسینؓ کی شہادت کے واقعے پر نگاہ ڈالی گئی ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ

قرۃ العین نبیؐ شیر خدا کے نور عین

سیدہ خاتون جنت کے جگر گوشہ حسین

فاطمی گلشن اجڑ کر رہ گیا گونا گہاں

سیدہ کے لال نے پائی حیات جاوداں ۱۵؎

۴۔۲۔ مرد مومن:

ماہنامہ "عصمت" میں مرد مومن کو اسلامی معاشرے کی اساس اور پاکستانی معاشرے کی بنیاد قرار دیتے ہوئے بہت سی نظمیں تحریر کی گئیں۔ مرد مومن جس نے حقیقت میں اسلامی معاشرے کو سدھارنا ہے۔ مسلمان مرد کو حرکت و عمل اور جدوجہد کی اشد ضرورت ہے۔ اس لیے ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والی منظومات جن کا موضوع مرد مومن ہے۔ ان میں بار بار یہی بات دہرائی گئی ہے کہ مرد مومن نے اس معاشرے کو بقا بخشنی ہے۔ حبیب صدیقی مرد مومن کو مشکل حالات میں تدبیر سے نکلنے کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

تدبیر بغیر اے انسانو! تقدیر بنانا مشکل ہے

تدبیر سے مقصد پاؤ گے، تقدیر سے پانا مشکل ہے

اس قوم کی ایسی ہے حالت، اک نعرہ لگانا مشکل ہے

پڑھ سورۂ ابراہیم ذرا، کر اس پر عمل اے مرد خدا

پھر تو نہ کہے گا دوزخ کو، فردوس بنانا مشکل ہے ۱۶ے

ان نظموں کا مقصد مرد مومن کے دل میں ان کے اسلاف کی روایات و بہادری کو پیدا کرنا تھا۔ سید انیس احمد اپنی نظم "اے مشرق کے پھول" میں مسلمان نوجوانوں کو استعارۃً پھول کہا ہے۔ اور ان کو اسلاف کی روایات یاد کرانے کے ساتھ ساتھ حرکت و عمل اور خودی کا درس بھی دیا ہے۔ وہ اپنی نظم میں کہتے ہیں کہ

کھول آنکھیں خود کو دیکھ ذرا، اے فردوس مشرق کے پھول

تو دنیا بھر کے پھولوں سے شاداب و حسیں ہے یہ مت بھول

اے مشرق کے پھول

تو خوش ہے دست گلچیں میں، خوں روئے نہ کیوں دل مالی کا

کن آنکھوں سے دیکھے منظر ہائے گلشن کی پامالی کا

نادان نہ بن، خود کو نہ گرا، تو چھوڑ نہ خودداری کا اصول

اے مشرق کے پھول ۱۷ے

مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی وجہ اسلام سے دوری ہے۔ مسلمان اسلامی تعلیمات کو بھول چکے ہیں۔ ان کے اندر سجدۂ شوق کم ہو گیا ہے۔ رفیہ انور اپنی نظم "بہاروں سے کہہ دو" میں مسلمانوں سے مخاطب ہو کر یہی کہہ رہی ہیں کہ اگر مسلمانوں نے اپنا طرز عمل بدلنے کی کوشش نہ کی تو وہ دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

ابھی دل پریشاں ابھی آنکھ نم ہے

مسلمانِ عالم پہ جور و ستم ہے

ابھی سونی سونی سی یہ انجمن ہے

عجب کشاکش میں دیارِ وطن ہے

ابھی خوف باقی چمن در چمن ہے

بہاروں سے کہہ دو ابھی لوٹ جاؤ ۱۸

ان نظموں کے ذریعے مسلمان قوم کو ان کے اسلاف کے واقعات و کارنامے بیان کر کے باحوصلہ بننے کا درس دیا ہے۔ مسلمانوں کو بتایا گیا کہ کس طرح مسلمانوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کو فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کی اور اب مسلمانوں کو ویسے ہی طرز عمل کی ضرورت ہے۔ مشہود مفتی مسلمانوں کو ان کے اباواجداد کے کارناموں سے آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

تو ہے اے مسلم وہ تیغ بے نیام
قیصر و کسریٰ بھی تھے جس کے غلام
پست درجہ یوں نہ رہتا آج تو
کاش کرتا جذب دل کا احترام
جس نے کی ہے سروری وحیدری
آج ہے مشہودؔ وہ مومن غلام ۱۹

ثریا خانم اپنی نظم میں مرد مومن کو شاہین سے بلند تر اور قدسیوں سے بھی اعلیٰ اور برتر کہتی ہیں۔ مرد مومن کو کائنات کی وجۂ تخلیق بتاتے ہوئے کہتی ہیں کہ

تو موسیٰ صفت ہے، تو عیسیٰ نفس ہے
ازل سے تیری خو ہے پیغمبرانہ
بلندی میں شاہیں سے تو ہے آگے
تیرا قدسیوں سے ہے اونچا ٹھکانہ ۲۰

۵۔۲۔ بیداریٔ نسواں پر منظومات:۔

ماہنامہ "عصمت" میں سب سے زیادہ منظومات عورت کی بیداری اور حقوق نسواں کی حمایت میں لکھی گئی ہیں۔ عورت کی بیداری اور حقوق کی جنگ لڑنے کے لیے اس ماہنامے کا اجرا کیا گیا۔ اس لیے

CamScanner

قیام پاکستان کے بعد بھی ان نظموں کے ذریعے عورت کو نہ صرف اس کے حقوق سے آگاہ کیا گیا بلکہ اِس کو تمام حقوق دلانے کی ہر ممکن کوشش بھی کی گئی۔ آغائے خاکی قزلباش عورت کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

میری معصوم بہنوں قوم کی عصمت ہو تم
دین کے ایوان کی زیبائش و زینت ہو تم
تمہاری گود سے نکلی ہوئی قومیں ہیں یہ
مرد کی ہمسر ہو تم ظاہر میں گو عورت ہو تم
سچ تو یہ ہے مذہب اسلام کی حرمت ہو تم
فرض ہے تم پر کہ دیکھو قوم یہ رسوا نہ ہو
نونہالانِ وطن میں فتنہ خو پیدا نہ ہو ۲۱

ان منظومات کا مقصد عورت کو یہ ہمت دلانا ہے کہ جب تک وہ اپنے حق کے لیے آواز نہیں اٹھائے گی۔ زمانہ اسے روندتا چلا جائے گا۔ عقیلہ بیگم اپنی نظم "اٹھ دختر اسلام" میں عورتوں کو تحریک دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ وہ اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کریں ورنہ ان کی خاموشی انھیں تباہ و برباد کر دے گی۔ وہ کہتی ہیں کہ

اٹھ دختر اسلام یہ چپ کام نہ دے گی
اللہ کا نام لے۔ یہ چپ کام نہ دے گی
خود ہوش نہیں اپنا تجھے وائے تغافل
پھر غیر کو الزام یہ چپ کام نہ آئے گی ۲۲

عورت باوفا پیکر ہستی ہے۔ زندگی کی تلخ حقیقتوں کا سامنا بڑی تن دہی سے کرتی ہے اور ہر مشکل سے گزرتی چلی جاتی ہے۔ مولانا ارشد تھانوی عورت کے اس پہلو پر نظم "غریب بیوی" میں کہتے ہیں کہ

زندگی کی تلخیوں پر مسکرا دیتی ہے تو
رنج کو ہم معنیٔ راحت بنا دیتی ہے تو
کرتی ہے پہلو بہ پہلو طے طریق زندگی
واقعی معنوں میں ہے اس کی رفیق زندگی ۲۳؎

کچھ عورتوں نے مذہب کی لگائی ہوئی پابندیوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ماہنامہ "عصمت" میں اس طرزِ عمل پر شدید تنقید کی گئی۔ عزیز بدایونی کہتے ہیں کہ

تہذیبِ نو کو تم نے گلے سے لگا لیا
ماضی کی تابناک روایت کا خوں کیا
اب وسعتِ نظر ہے کہاں، اف حیا کہاں
اسلام کو سمجھ لیا پارینہ داستاں
"عورت حیا کا نام ہے" باقی حیا رہے
اے دختران ملت اسلام ہوشیار ۲۴؎

سورۂ احزاب میں پردے کے احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ رحمٰن کیانی نے اس سورۃ کو منظوم کر کے عورت کو پردے کی اہمیت سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی نظم میں کہا گیا۔

لاتبرج کی حدیں اپنی جگہ تھیں موجود
حسن بے پرواہ سر رہگذر آ ہی گیا
بوالہوس جن کے خریدار ہوا کرتے ہیں
ناپ کر ساق و سریں دام ادا کرتے ہیں ۲۵؎

عورت کی عزت و عصمت پر متنوع اقسام کی نظمیں لکھی گئیں۔ جن کا مقصد عورت کی قربانیوں اور ہمت کو سلام پیش کرنا ہے۔ دعا ڈبائیوی کہتی ہیں کہ

شرم و حیا فطرت میں اس کی، مہر و وفا عادت میں اس کی

پریم نگر کی رہنے والی شکل سے روشن خوش اقبالی

خودداری سے کام ہمیشہ، دل داری دل جوئی پیشہ

درد والم کی سہنے والی، غم میں ہمیشہ خوش رہنے والی

خانۂ دل کی زینت عورت

باعفت، باعصمت عورت ۲۶؎

شعرا نے اپنی نظموں میں عورت کی اہمیت بتانے کے لیے مختلف تشبیہات و استعارات کا استعمال کیا۔ سکندر حیا بریلوی اپنی نظم میں عورت کی تعریف کرتے ہوئے عظیم مقتدر خواتین کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت خدیجۃ الکبریٰ اور فاطمہ کی صورت میں ہو یا ملکہ سبا اور آسیہ کی صورت میں ہر رنگ میں عظیم ہے۔ عورت کی عظمت نظم "عورت نہیں، تو کچھ بھی نہیں کائنات میں" اس طرح بیان کرتے ہیں۔

عورت کا ذکر آیۂ قرآن میں دیکھیے

بنت نبی کو دین کے عنواں میں دیکھیے

ملکہ سبا کو تخت سلماں میں دیکھیے

کم ہے کسی سے ذات وصفات میں

عورت نہیں، تو کچھ بھی نہیں کائنات میں ۲۷؎

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سی نظمیں ایسی تحریر کی گئیں۔ جن کے ذریعے عورتوں کو بیداری دی گئی کہ اگر انھوں نے اپنی اور اپنی قوم کی قسمت بدلنی ہے تو اس کے لیے انھیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی ہوگی۔ آغائے خاکی قزلباش عورت سے مخاطب ہیں۔

آکہ پھر قوم کی تقدیر بدلنی ہے تجھے

خواب اغیار کی تعبیر بدلنی ہے تجھے

اپنے ہر بچے میں طارق کا جگر پیدا کر

CamScanner

اس کو بچہ نہ سمجھ قوم کا شہباز ہے یہ [۲۸]

ماہنامہ "عصمت" میں عورت کے متعلق کہا گیا کہ یہ عورت ہی ہے۔ جو ہر روپ میں دھرتی کا مان ہے۔ نسیمہ صدیقی اپنی نظم "غیرت نسواں" میں کہتی ہیں کہ

تو بیٹی ہے! تو خواہر ہے تو سارے جگ کی ماتا بھی
تو حالی کے دیس کی ہے زینت، ہاجرہ بھی ہے زلیخا بھی
کیوں تجھ پہ مقالے ہوتے ہیں کیا اپنی روش تو بھولی ہے
ہے قوم بھی تو! اور ملک بھی تو! نسلوں کی بنی ہے رہبر بھی [۲۹]

ان نظموں کا مقصد عورتوں میں ان کے حقوق کے حوالے سے آگاہی پیدا کرنا ہے۔ عورت جس کا حق مرد نے غاصبانہ طور پر چھین رکھا ہے۔ عقیلہ بیگم نے "حقوق نسواں" کے عنوان سے اپنی نظم میں عورتوں کے جذبات کی عمدہ ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے کہ

پہلو میں دل نہیں ہے رگوں میں لہو نہیں
ہم عورتوں کو کوئی حق آرزو نہیں
مردوں کے بچے پال کے کھانا پکائیں ہم!
سب عمر قید خانہ میں اپنی گنوائیں ہم [۳۰]

ماہنامہ "عصمت" میں جہاں عورتوں کے حق کے حوالے سے آواز اٹھائی گئی۔ وہیں عورتوں کو آزادی کے غلط استعمال سے منع کیا گیا اور کہا گیا کہ جہاں کہیں عورتوں کو تھوڑی سی آزادی میسر آجاتی ہے یہ فوراً خود پسند، مغرور اور روشن خیال بن جاتی ہیں۔ زیب عثمانیہ کہتی ہیں کہ

مہر و الفت کی ہے شوہر سے طلبگار مدام
چاہتی ہے اپنی محبت کا احترام مدام
عزت نفس لٹی آبروئے ذات گئی
اس کے سر میں جو سمائی تھی نہ وہ بات گئی [۳۱]

ماہنامہ "عصمت" میں بیوہ عورت اور اس کی لاچارگی پر بھی بہت سی نظمیں تحریر کی گئیں۔ ہندوستانی معاشرے میں عورت کی بے چارگی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ نظم "بیوہ کی فریاد" میں بیوہ عرتوں کے احساسات کی عمدہ ترجمانی کی گئی ہے۔

اے خدا مجبور ہوں عورت ہوں اور بیوہ ہوں میں
رحم کر مجھ پر جلاتی ہے مجھے فرقت کی آگ
ایک دن وہ تھا کہ گلشن کا میں گویا پھول تھی
آج لیکن سب کی نظروں میں ہوں میں چولہے کی آگ
ساس نے گھر سے نکالا غیروں نے چھیڑا مجھے
باپ، ماں، بھائی مجھے دیکھ کر اب ہوتے ہیں آگ ۳۲؎

اس طرح ان منظومات کے ذریعے عورت کی مظلومیت کو اجاگر کر کے اس کے حقوق کے لیے آواز بلند کی گئی۔ بقول ممتاز

زیست کی آب و تاب عورت ہے
زندگی کی کتاب عورت ہے
رزم میں، بزم میں، گلستاں میں
ہر جگہ کامیاب عورت ہے ۳۳؎

اس طرح ان نظموں کے ذریعے عورت کی مظلومیت کو اجاگر کیا گیا اور عورت کے حق کے لیے آواز بلند کی گئی۔

CS CamScanner

۶۔۲۔ قومی و ملی منظومات:۔

ماہنامہ "عصمت" کے ذریعے مسلمانوں کو قیام پاکستان کے بعد ہونے والی قتل و غارت گری کی جھلکیاں منظوم صورت میں دکھائی گئی ہیں تاکہ وہ اپنی قوم کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھیں۔ نور جہاں بیگم اپنی نظم "۱۹۴۷ء کے شہداء کی یاد میں" لکھتی ہیں کہ

خاک پر دم توڑتی ہر التجائے زندگی
گل بداماں خوں سے اپنے تھی قبائے زندگی
فطرتِ شیطاں خجل تھی یہ مظالم دیکھ کر
تھے وہ انساں جن کو، چھپتے تھے بہائم دیکھ کر [۳۴]

یہ لرزہ خیز واقعات سنانے کا مقصد ہی وطن کے نوجوانوں کو عملی طور پر وطن کی حفاظت اور ترقی کے لیے آگے بڑھنے کا جذبہ دینا ہے۔ شعرا نے نوجوان نسل سے امیدیں باندھی کہ انھوں نے آگے چل کر وطن کو ناقابل تسخیر بنانا ہے۔ مہر النساء مہر کہتی ہیں کہ

نظر اٹھا نہ سکے گا کوئی وطن کی طرف
ہر ایک فرد وطن کا جو صف شکن ہو گا
رہیں گے دیس میں ہم لوگ ایک دل ہو کر
خدا کے فضل سے پر امن پھر وطن ہو گا [۳۵]

جبریل صدیقی اپنی نظم میں مسلمان نوجوانوں کے جذبات کی عمدہ عکاسی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

مجاہدینِ وطن سرفروش و جرأت مند
ہمالہ کیا ہے؟ کہ سورج پہ ڈالتے ہیں کمند
یہ قتل گاہ کو سمجھے ہیں خدا کی آغوش

ملا ثبوت براہیم کے ہیں یہ فرزند ۳۶؎

ماہنامہ "عصمت" ایک ملی اور اصلاحی رسالہ ہے۔ اس رسالے میں شائع ہونے والی نظموں میں ملت اور قوم کا ذکر محبت بھرے انداز میں کر کے وطن کو آگے بڑھانے کا درس دیا ہے۔ جام نوائی نوجوانوں کو امن و آشتی کا پیغام دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

لبالب بادۂ حق دوستی سے جام ہے اپنا

محبت، پیار، امن و آشتی پیغام ہے اپنا

جہاں ہوں، جس جگہ ہوں، ہر زمیں پر آسماں ہم ہیں

رہ حق کے مجاہد، دینِ حق کے پاسباں ہم ہیں ۳۷؎

ماہنامہ "عصمت" کے ذریعے مسلمانوں کو بتایا گیا کہ مسلمان کا مقام کیا ہے؟ مسلمان نوجوان موت سے نہیں گھبراتا۔ بلکہ چیتے کی تیزی سے میدان میں اترتا ہے اور شیر کی سی بہادری دکھا کر لڑتا ہے۔ نظم "وطن کے نوجوان" نوجوانوں کے لیے عزم و ہمت کا پیغام ہے کہ انھیں وطن کی مثبت تعمیر میں اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ شاعرہ مسز الطاف حسین کہتی ہیں کہ

زمانہ تیری راہ میں کر کے کچھ ہی رکاوٹیں

حوادثاتِ دہر سے پڑیں ہیں کتنی مشکلیں

مصیبتیں ہزار ہوں تجھے ان سے ڈر ہے کیا

اسوۂ رسولؐ کی دکھادے سچی شان

وطن کے نوجوان اٹھ! وطن کے نوجوان ۳۸؎

سکندر جہاں بریلوی کی نظم "نوجوانوں سے" نوجوان نسل کے لیے ایک تازیانہ ہے۔ اس میں انھوں نے پاکستان کے مسائل سامنے رکھتے ہوئے مسلمان نوجوانوں کو کہا ہے کہ وہ ان مسائل کو سدھارنے کی کوشش کریں اور اپنے حالات پر غور کریں۔ وہ کہتے ہیں

اے طالبانِ علم اور اے نوجواں سپوت

کچھ تم سے عرض کرنا ہے مجھ کو وطن کے پوت

جنت بناؤ تم اس ارضِ پاک کو

آنکھوں سے اپنے ملتے رہو اس خاک کو ۳۹؎

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سی نظمیں وطن کی محبت کے حوالے سے شائع کی گئیں۔ ان نظموں میں شعرا نے مختلف طریقوں سے وطن سے اپنی جذباتی وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ ان نظموں میں شعرا نے وطن کی تعریف اور اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ممتاز مدراسی اپنی نظم میں وطن کے حوالے سے اپنے جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

اے ارضِ مقدس تیرے فرزند ہیں بیدار

باندھے ہوئے وہ سر سے کفن مرنے کو تیار

ہم پرچم اسلام لیے بڑھنے لگے ہیں

اور جوشِ شہادت سے ہوئے جاتے ہیں سرشار ۴۰؎

ان شعرا کے نزدیک نوجوان نسل وطن کو آگے بڑھانے کے لیے ہر قسم کی قربانی دیں گے اور ہر قسم کا کام کریں گے۔ خورشید آرا بیگم اپنی نظم "ملکی صنعت" میں نوجوانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ

چلائیں گے چرخہ بنائیں گے کھدر

حریر و بریشم سے کھدر ہے بہتر

ہو کھدر لباسِ مسلمانِ دختر

بناتی ہیں دنیا کو تصویرِ حیرت

وقارِ حکومت ہے صنعت کی علامت ۴۱؎

ماہنامہ "عصمت" کے ذریعے مسلمان قوم کو متحد کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ نظموں کے ذریعے کہا گیا کہ مسلمان قوم کو متحد ہو کر آگے بڑھنے کی اشد ضرورت ہے۔ سید مشتاق علی ہاشمی

شعرا کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک ایسے وطن کی خواہش کرتے ہیں جہاں چاروں طرف محبت ہی محبت بکھری ہو اور کوئی بھی کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچائے۔

نئی دنیا کوئی ایسی بسائے
جہاں ہر سو محبت مسکرائے
یہاں اولادِ آدم بس رہی ہے
یہاں سب ایک ہیں اپنے پرائے
نہ جانے کس لیے ہم بٹ گئے ہیں
نہ جانے دشمنی کیا رنگ لائے
خود اپنے بھائیوں کو مارتے ہیں
کوئی آدم کو کیسے منہ دکھائے ۴۲؎

ان نظموں کے ذریعے جس وطن کا تصور پیش کیا گیا ایسا وطن صرف تصورات میں ہی بسایا جا سکتا ہے۔ حقیقت میں پاکستان اور اس کے باسیوں پر نظر ڈالیں تو زمانے بھر کا ہر عیب ان میں نظر آئے گا۔ رشوت، ڈکیتی، لوٹ مار، قتل، بم دھماکے، ہر جرم یہاں ہوتا ہے۔ لوگ جانتے بوجھتے ہوئے بھی خاموش رہتے ہیں۔ ماہنامہ "عصمت" میں اس حوالے سے کہی گئی نظمیں بڑی پر اثر ہیں۔ ان نظموں سے معاشرے کی اصلاح کا کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو ایسے کاموں سے منع کیا ہے جن سے انتشار پھیلتا ہو۔

کیا ہو گیا ہے، کیسے ہیں میرے وطن کے لوگ
دولت ملے تو چلتے ہیں اترا کے تن کے لوگ
انسان سادہ لوح کو دنیا میں آج کل
کیا کیا فریب دیتے ہیں سودائی بن کے لوگ ۴۳؎

مہر النساء مہر اپنی نظم "کیا لطف اٹھائیں مغرب میں" دیارِ غیر جانے والوں کے جذبات کی عمدہ ترجمانی کی گئی ہے۔

پردیس لکھا تھا قسمت میں، مجبور تھے ہم آئے، لیکن
مشرق میں پلے مشرق میں بڑھے، دل کیسے لگائیں مغرب میں
خود اپنے جواں بچوں کو یہاں، ماں باپ نہیں رکھتے گھر میں
تعلیم وہ کیا پاسکتے ہیں، کیا عیش اٹھائیں مغرب میں ۴۴ے

۷۔۲۔ فطرت پر منظومات:۔

ماہنامہ "عصمت" میں اللہ کی قدرت اور فطرت پر متنوع منظومات تحریر کی گئیں۔ ان نظموں میں اللہ تعالیٰ کی صناعی و قدرت بدرجہ اتم موجود ہے۔ نظم "بدلی" میں بادلوں کی تصویر کشی اور منظر نگاری بہت عمدہ ہے۔ شاعر بادلوں کے گھِر آنے اور گھٹاؤں کے چھا جانے کا منظر خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں۔ بادل کے گھِر آنے سے ہر شے نکھر جاتی ہے ہر چیز پر خوبصورتی چھا جاتی ہے۔ شاعر بارش کو تبدیلی کا پیغام کہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

کہاں وہ موسم گل، جس نے پھولوں کی قبا بدلی
چمن کے چپچہے بدلے تو غنچوں کی صدا بدلی
بدل ڈالے طرارے آہوؤں نے کوہ و صحرا میں
چمن میں بلبلِ مجبور نے اپنی نوا بدلی ۴۵ے

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سی نظمیں قدرت کی دلکشی و رعنائی کو بیان کرنے کے لیے تخلیق کی گئیں۔ مظاہر قدرت پر نظمیں تحریر کی گئیں۔ جیسے نظم "آفتاب" میں سورج کی اہمیت، تشبیہات اور استعارات کے ذریعے بیان کی گئی ہے۔

اے آفتاب منبع ضو جہاں ہے تو
نورِ نگاہِ ہستی، کون و مکاں ہے تو
رونق پذیر تجھ سے ہیں سیارے اور قمر

قائم تیرے وجود سے دنیائے بحر و بر ۴۶؎

شاعری میں شام کو بہت رومان پرور کہا جاتا ہے۔ شام کا منظر انسان کو مبہوت کر دیتا ہے۔ خورشید آرا بیگم اپنی ایک نظم "سینڈس پٹ کی ایک شام" میں شام اور اس کی جزئیات کے مناظر کی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ شاعرہ نے اس شام کی انتہائی عمدہ منظر کشی کرتے ہوئے کہا ہے

شراب ناب میں ڈوبا ہے شام کا منظر
ہجوم حسن سے بوجھل خیال کے شاہ پر
دو متضاد فضاؤں کو پہلوؤں میں لیے
کھڑا ہے "پٹ" سر مغرور کو اٹھائے ہوئے
صباحتوں کی ہے بارش ملاحتوں کا وفور
ملا رہی ہے فضا زعفران میں کافور ۴۷؎

ماہنامہ "عصمت" کے تحت قدرتی موضوعات پر وہ نظمیں تحریر کی گئیں۔ جن کا ہماری معاشرت و ثقافت سے بہت گہرا تعلق ہے۔ ماجد الباقری اپنی نظم "ہوا" میں ہوا کی تاثیر، خوبصورتی اور ہوا کی افادیت بیان کرتے ہیں اور منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

سورج کا کھیت پکنے لگا، لے گئی ہوا
بادل ہر اک طرف سے اٹھا لے گئی ہوا
پتوں سے رنگ، پھول سے خوشبو نظر سے نور
موسم کے ساتھ کہتے ہو کیا لے گئی ہوا
پتا تھا کبھی اب تو اضافہ ہوں خاک میں
جس سمت چاہا اڑا لے گئی ہوا ۴۸؎

نجمہ انوار الحق نے اپنی نظم "راوی کے کنارے" میں دریائے راوی کے اردگرد کے مناظر کو جزئیات کی تفصیل سمیت بیان کیا ہے۔ یہ نظم تشبیہات و استعارات اور منظر نگاری کے لحاظ سے اعلیٰ فنی نظم کہی جاسکتی ہے۔

پھولوں کی چمکتی ہوئی رنگین قبا ہے
ہر اک کلی مائل انداز حیا ہے
سبزہ بھی کنارے پہ مگن سویا ہے
ماضی کی کسی یاد میں کھویا ہے
پرکیف مناظر ہیں، طرب بیز ہوائیں
خوشبوئیں لٹاتی ہیں فسوں خیز ہوائیں ۴۹؎

قدرتی موضوعات میں گھٹا اور بدلی کے موضوعات پر اچھی اچھی نظمیں تحریر کی گئی ہیں۔ ماہنامہ ''عصمت'' میں گھٹا اور بدلی کے موضوع پر بہت اعلیٰ نظمیں کہی گئی ہیں۔ سعیدہ شمیم اپنی نظم ''سرمئی گھٹا'' میں گھٹا اور بادلوں گھر آنے کے منظر کو یوں بیان کرتی ہیں۔

گھٹا یہ سرمئی گھر گھر کے آرہی ہے آج
لباسِ ابر کو پہنے بہار آرہی ہے آج
ہنسی گلوں کے لبوں پر بھی آرہی ہے آج
گھٹا یہ سرمئی گھر گھر کے آرہی ہے آج ۵۰؎

۸۔۲۔ علامہ راشد الخیری پر منظومات:۔

مصورِ غم علامہ راشد الخیری ماہنامہ "عصمت" کے بانی ہیں۔ ان کی وفات کے بعد ہر سال ان کی برسی کے موقع پر ماہنامہ "عصمت" فروری میں کچھ خصوصی مضامین اور نظمیں شامل کرتا تھا۔ جس

میں علامہ راشد الخیری کے تصورات و نظریات پر اور عورت کے لیے ان کی کی گئی جد وجہد پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔

کروں کیا ترے وصف راشد بیاں
قلم میرا کوتاہ ہے عاجز زباں
قمر ہی نہیں بلکہ لعل و گہر
منور ہوئے اور تاباں رہے ۵۱؎

علامہ راشد الخیری نے تعلیم نسواں کے لیے آواز بلند کی۔ جام نوائی علامہ راشد الخیری کی زندگی کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ

شمع بہبودیٔ نسواں کی جلائی کس نے
راہ اس صنف کو منزل کی دکھائی کس نے
منزلت "جوہر" و "عصمت" کی بڑھائی کس نے
تربیت گاہ "بنات" اٹھ کے بنائی کس نے
سالک جادۂ خدمت سحر و شام تھے وہ
"راشد الخیری مغفور" ہی اے جام تھے وہ ۵۲؎

علامہ راشد الخیری نے دکھی اور بیوہ عورت کو اس کے حقوق دلانے کے لیے ان تھک کوشش کی۔ علامہ راشد الخیری نے ان بدعات کا سختی سے رد کیا جو یہاں کے مسلمانوں نے اپنالی ہیں۔ مہر النسا مہر کہتی ہیں

دلِ غمگین کے مخلص ترجمان تھے راشد الخیری
جہاں میں بے زبانوں کی زبان تھے راشد الخیری
جہاں میں منزل تعلیم نسواں ڈھونڈلی آخر
کہ مظلوموں کے میر کارواں تھے راشد الخیری
وہ تنہا طبقہ نسواں کے حق میں سب سے لڑتے تھے

CS CamScanner

دکھی عورت پہ کتنے مہربان تھے راشد الخیری ۵۳؎

۹۔۲۔ آزاد منظومات:۔

اُردو شاعری میں آزاد نظم نگاری کے بعد ماہنامہ "عصمت" میں بھی آزاد نظمیں تحریر کی گئیں۔ ان نظموں میں شعرا نے معاشرے کے تلخ حقائق اور زندگی کی مشکلات کو بیان کیا ہے۔ انعم مرزا کہتی ہیں کہ

تاریکیوں کے جنگل میں
بھٹک رہی ہیں خواہشیں
انھیں خواہشوں کے بار تلے
دب گیا ہے آدمی ۵۴؎

ان منظومات کے ذریعے بتایا گیا کہ نئے دور کا انسان کسی نئے زمانے کا منتظر ہے۔ ایسا زمانہ جہاں امن و آشتی ہو گی۔ حرا شہزاد کی نظم "آج اور کل" آج کے انسان کی تنہائی کا المیہ ہے۔ اپنی نظم میں وہ کہتی ہیں کہ

آج اور کل
آج میں بے بس تنہا ہوں
کل تم بھی تنہا رہ جاؤ گے
آج وقت تمہارے ساتھ ہے لیکن
کل تم پیچھے رہ جاؤ گے ۵۵؎

فرزانہ پروین اپنی نظم "ماں آجاؤ تم" میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے کہتی ہیں کہ

ماں کی دعا
جنت کی ہوا ہے

CamScanner

کہتے ہیں لوگ

سنتی ہوں میں

ماں آجاؤ تم

میرے پاس کہ میں

تنہا ہوں

میں ۵۶ے

عورت کی مظلومیت اور بے بسی کو مد نظر رکھتے ہوئے آغا صادق اپنی آزاد نظم "دیکھ عورت کا یہ کردار بلند" میں عورت کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

قرن ہا قرن سے مظلوم رہی ہے لیکن

اب یہ مظلوم نہیں رہ سکتی

حق و انصاف کا خون اب نہ گوارا ہو گا ۵۷ے

نظم "بارش کا پہلا قطرہ" امید اور رجائی لہجے کی غماض ہے۔ اس نظم میں شاعرہ نے بہت عمدہ طریقے سے امید دلائی ہے۔ بارش کا پہلا قطرہ امید کا استعارہ ہے۔

سوکھی زمین نے بارش کی آمد پر

خیر مقدم کہتے ہوئے

اسے اپنے جلتے ہوئے سینے سے چمٹا لیا

سوکھی زمین کے لیے بارش کی آمد

مژدہ نوید حیات تھی ۵۸ے

۱۰۔۲۔ متفرق منظومات:۔

ماہنامہ "عصمت" میں متنوع موضوعات پر نظمیں تحریر کی گئیں۔ ان موضوعات کا تعلق کہیں شاعر کے ذاتی خیالات و تصورات سے تھا تو کہیں معاشرے میں ہونے والا جبر و ستم انھیں مجبور کرتا

کہ وہ اپنی شاعری میں غریب طبقے کی نمائندگی بھی کریں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال کے مزار پر حاضری کے بعد خورشید آرا بیگم نے اپنے جذبات نظم "اقبالؒ کے مزار پر" میں خوبصورت تشبیہات و استعارات کی مدد سے بیان کیے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ

قبر کی گہرائیوں میں شعریت مدفون ہے
یا زمین میں عظمت انسانیت مکنون ہے
اوڑھ لی ہے فلسفہ نے یاردائے خشت وسنگ
خاک کو بھی بھا گیا ہے یا خودی کا حسن ورنگ
بن گیا زندہ حقیقت، تیرا تخیل بلند
ہو گئے تشکیل پاکستان سے مسلم ارجمند ۵۹

ماہنامہ "عصمت" میں ادبی تحریکوں کے زیر اثر کئی نظمیں تحریر کی گئیں۔ حقیقت پسندی کے تحت مزدور اور محنت کش طبقے پر بہت سی نظمیں تحریر کی گئیں۔ بصیر صدیقی مزدوروں کی حمایت کرتے ہوئے اپنی نظم میں لکھتے ہیں کہ

ہیں سلوں کو برف کی ڈھو ڈھو کے لاتے ہیں سر پہ آہ
جس کا ایک قطرہ بھی ان کے منہ میں جانا ہے حرام
ایک انساں دوسرے کی کر رہا ہے بندگی
حاکم و محکوم دونوں اپنی رکھتے ہیں غرض ۶۰

مزدور کی شان دنیا میں سب سے نرالی ہے۔ وہ چند پیسے کمانے کے لیے سارا دن دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ یہ مزدور طبقہ ہی وطن کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرتا ہے اور اس کے باوجود اپنے اصل حق سے محروم رہتا ہے۔ اشرف فتح پوری اپنی نظم "مزدور" میں کہتے ہیں کہ

بانکا ہے، سجیلا ہے، طرح دار ہے مزدور
مفلس ہے مگر صاحبِ کردار ہے مزدور

CS CamScanner

حالت زمانہ پہ نظر رہتی ہے اس کی

خوابیدہ نہیں آج کا بیدار ہے مزدور ۶۱؎

پاکستانی معاشرے میں طبقاتی کشمکش اور معاشرتی تفاوت نمایاں نظر آتا ہے۔ جہاں ایک طبقہ غریب تر اور دوسرا امیر ترین ہے۔ یہاں مزدوروں کا استحصال کوئی بری بات نہیں سمجھی جاتی۔ غلام السیدین نقوی اپنی نظم میں کہتے ہیں کہ

عظمتیں ثابت ہوئیں اسلام کی قرآن سے

دیکھنا سرمایہ داری کو ضرر ہونے کو ہے

جاگ کے، مظلومیت کے ست گام

منزلیں آنے کو ہیں وقت سفر ہونے کو ہے ۶۲؎

رومان نگاری کی تحریک کے زیر اثر بھی بہت سی نظمیں تحریر کی گئیں۔ مریم مدنی اپنی نظم "فریاد" میں لکھتی ہیں کہ

جینے کو تو ہم بھی جی لیتے اور ہونٹوں کو اپنے سی لیتے

غیرت کی قسم مجبور تھے ہم، بس اپنی اعانت کر بیٹھے

جینے کو تو جی لیتے ہیں سبھی، مرنا بھی تو کچھ آسان نہیں

جینے کا سہارا جو مل گیا، بندوں کی اطاعت کر بیٹھے ۶۳؎

قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں اُردو زبان کو وہ حیثیت حاصل نہ ہو سکی جو اسے حاصل ہونی چاہیے تھی۔ لوگ اُردو کو پڑھنا اور لکھنا عار سمجھتے ہیں۔ لوگ یہ بات اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں کہ وہ اُردو بولیں یا اُردو میں کچھ تحریر کریں۔ اس کی مذمت میں خورشید بانو شمع اپنی نظم "اُردو" میں کہتی ہیں کہ

اے مری جان غزل میری زبان اُردو

ایک دنیائے معانی ہے جہانِ اُردو

بولنا ننگ ہے تو لکھنا ہے مصیبت جن کو

کیسے اپنے ہیں؟ گھٹاتے ہیں جو شانِ اُردو
لاکھ طوفان بلاخیز مقابل آئے
حق نے اونچا ہی رکھا نام ونشانِ اُردو ؎۶۴

ماہنامہ "عصمت" میں کچھ نظمیں عوامی موضوعات پر بھی شائع ہوئیں۔ جیسے کہ قاضی عباس حسین کی نظم "دھوبن پر عتاب" میں وہ لکھتے ہیں کہ کس طرح دھوبن سارے کپڑے خراب کر کے لے آتی ہے اور جب اسے اس بابت کچھ دریافت کیا جائے تو الٹے سیدھے جواب دیتی ہے اور اپنا قصور ماننے سے صاف انکاری ہو جاتی ہے۔

لٹھا چھو گیا اور ہو گئی ململ عنقا
بلکہ یوں سمجھو، نفع بازوں نے ہے بھر رکھا
ایک تو پہلے ہی کپڑے پہ آفت آئی
اس پہ دھوبن نے اک اور قیامت ڈھائی
قہر درویش ہے ہم پہ ہر ستم دھوبن کا
ڈھلنے والا ہے شرافت کے گلے کا منکا ؎۶۵

زمانہ تیزی سے بدل رہا ہے۔ زمانے کی اقدار وروایات کی تبدیلی انسانوں پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ پہلے ہم صرف سنا کرتے تھے اب ہر چیز ہمارے پاس موجود ہے۔ انسان کو اس بدلتے وقت کا ساتھ دینا ہے۔ آر۔ کے۔ درخشاں لکھتی ہیں کہ

نئی زندگی ہے، نیا ہے زمانہ
مطابق زمانے کے خود کو بنانا
تصور میں دورِ گزشتہ نہ لانا
نہ یادِ وطن میں اب آنسو بہانا
نئی زندگی ہے، نیا ہے زمانہ

الغرض زندگی کا کوئی موضوع ایسا نہیں رہا ہوگا جس پر ماہنامہ "عصمت" میں نظمیں نہ تحریر کی گئی ہوں۔ ماہنامہ "عصمت" کے اجرا کے وقت اس میں غزل کی اشاعت کی ممانعت کی گئی۔ تقسیم پاکستان کے بعد ۱۹۸۰ء تک ماہنامہ "عصمت" میں غزل کی اشاعت نظر نہیں آتی۔ آمنہ حزیں نے اپنی نظم "غزل کیسے ـــــــــ لکھوں؟" میں اس بات کا کھلم کھلا اظہار کیا ہے کہ ماہنامہ "عصمت" غزلیات شائع نہیں کرتا۔ تو پھر اس میں لکھنے والے شعرا غزل کیسے لکھ سکتے ہیں۔ ان کے ذہن میں نظموں کے ہی عنوان رہتے ہیں۔

دل میں آنے نہیں پاتا، کسی فرخ کا خیال
منہ دکھاتی نہیں، چلمن سے کوئی زہرہ جمال
آج ہاتھوں میں انھیں حافظ و خیام کے جام
مشک بو، کیف فزا، عشرت مہ چاردہ سال
ایسے ماحول میں جب ذہن کا ہے حال زبوں
مجھ کو بتلاؤ ـــــــ غزل کیسے لکھوں؟ ۶۷؎

۳۔ رباعیات:۔

ماہنامہ "عصمت" میں بہت سی رباعیات متنوع موضوعات پر تحریر کی گئیں۔ ان میں سب سے نمایاں موضوع عورت ہے۔ عورت کی مظلومیت کی عکاسی ان رباعیات میں ملتی ہے۔ عورت کائنات کی سب سے خوبصورت اور لازوال حقیقت ہے۔ حامد حسن قادری عورت کے بارے میں کہتے ہیں کہ

بیوی کے ہے دم سے گھر گلستان بہشت
بیوی کا خلوص ساز و سامان بہشت
ہونٹوں کا تبسم اس کے، موج کوثر
چہرہ کی بشاشت، گل خنداں بہشت ۶۸؎

CamScanner

دوسری رباعی میں کہتے ہیں کہ

صورت میں جو دیکھے مہ پارہ ہے
سیرت میں مثال مریم وسارہ ہے
عورت ہی کی ممنون ہے ساری دنیا
تہذیب وتمدن کا وہ گہوارہ ہے ۶۹؎

عورت کی آزادی اور حق کے لیے رباعیات میں بھی آواز اٹھائی گئی اور یہ نعرہ لگایا گیا کہ اب عورت آزاد ہو کر رہے گی۔ مرد اسے زیادہ دیر تک محکوم بنا کر نہیں رکھ سکتا۔ بقول شاعر وحشت

کیا سمجھے ہو آزاد نہ ہوگی عورت
دنیا میں کبھی شاد نہ ہوگی عورت
اس عالم بیداد و جفا میں اک دن
کیا مائل فریاد نہ ہوگی عورت

ایک دوسری رباعی میں کہتے ہیں کہ

اجڑی ہوئی دنیا کو بسادے عورت
بگڑی ہوئی تقدیر بنادے عورت
جس شمع سے روشن ہو حیات جاوید
چاہے تو وہی شمع بجھادے عورت ۷۰؎

ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والی کچھ رباعیات وطن کی محبت اور قوم وملت کے زوال کے حوالے سے بھی تحریر کی گئیں۔ رشید آرا بیگم اپنی رباعیات میں کہتی ہیں کہ

آج بھی دل کو یقین آتا نہیں
گر گئی تلوار۔۔۔ بازو کٹ گیا
روح قائد دیکھ تیری قوم کا

قافلہ یہ ٹولیوں میں بٹ گیا

دوسری رباعی میں وہ وطن سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ

یہ دھڑکتا ہے دل پاکستان کا

اس سے قائم ہے حیات ملک و قوم

جوہری قوت وطن کی ہے یہ شہر

اس کی ہستی ہے ثبات ملک و قوم [۱]

حمیدہ خانم اپنی رباعی میں قائداعظم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ

مسمار عمارت کو بنایا تو نے

سوئی ہوئی ملت کو جگایا تو نے

حق بات یہ ہے کشتیٔ دیں کو قائد

غرقابیٔ طوفاں سے بچایا تو نے [۲]

کچھ رباعیات موضوعات کے اعتبار سے مختلف سماجی برائیوں کی مذمت میں تحریر کی گئی ہیں۔

مثلاً سادگی سے شادی کرنے پر زور دینے کے لیے مشتاق علی ہاشمی کہتے ہیں کہ

فاطمہؓ نور، علیؓ نگینہ ہے

ان کی شادی خودی کا زینہ ہے

سادگی سے نبی نے بیاہ دیا

یہی اسلام کا قرینہ ہے

دوسری رباعی میں کہتے ہیں کہ

فخر سے اپنا سر اٹھا کے چلو

دین اسلام کو رچا کے چلو

فاطمہ اور علی کی شادی کو

مشعلِ راہ تم بنا کے چلو

مشتاق علی ہاشمی نے اپنی اگلی دو رباعیوں میں دلھا والوں کی ذہنیت پر طنز اور جہیز کی شدید مذمت کی ہے۔ دلھا والے دلھن کے ساتھ جو بھاری بھر کم جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں اس کی شدید نفی کی گئی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ لوگ اپنے بیٹوں کی شادی کو ایک کاروبار بنالیتے ہیں۔ جیسے بعض لوگ جہیز میں لڑکی کے ساتھ کار کا آنا بھی ضروری سمجھتے ہیں جو نہایت غلط طرز عمل ہے۔

شادی بیٹے کی ہے، کہ ہے بیوپار
مانگتے ہو جہیز میں تم کار
کیا یہی دین نے سکھایا ہے
بن گئے ہو تم ایک ساہو کار

اس طرح جہیز کی لعنت کو معاشرے سے ختم کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ

بے سبب تم نے بوجھ اٹھایا ہے
گھر کو امپوریم بنایا ہے
قرض لے لے کے دے رہے ہو جہیز
ہندو تہذیب کو رچایا ہے ۴۳ے

۴۔ غزلیات:۔

ماہنامہ "عصمت" میں نظمیں تو کثرت سے شائع ہوئیں اور پہلے ہی شمارے میں نظموں کی اشاعت نظر آتی ہے۔ مگر اُردو شاعری میں غزل کے غالب رجحان کے باوجود ۱۹۸۰ء تک ماہنامہ "عصمت" میں غزل کا وجود نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے شمارے میں ہی شاعری کے قواعد بتاتے ہوئے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ شاعری جس میں عاشق و محبوب اور گل و بلبل کے تذکرے ہوں قابل اشاعت نہیں ہو گی۔ اس کی پابندی بہت سالوں تک ہوتی رہی مگر بعد میں ایک آدھ غزل کسی نہ

کسی شمارے میں شائع ہوتی رہی ہے۔ ان غزلیات کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان میں متنوع موضوعات، احساس وواردات قلب، داخلی اور خارجی ہر طرح کی شاعری ملتی ہے۔ ان شعرا کا اسلوب سادہ، سلیس اور رواں ہے۔ عشق و عاشقی کے خالص موضوعات عام ملتے ہیں۔ بحریں کہیں طویل اور کہیں مختصر استعمال کی گئی ہیں۔ عبید اللہ علیم اپنی غزل میں کہتے ہیں کہ

کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی سو میں نے جیون وار دیا
میں کیسا زندہ آدمی تھا ایک شخص نے مجھ کو مار دیا
اک سبز شاخ گلاب کی تھی اک دنیا اپنے خواب کی تھی
وہ ایک بہار جو آئی نہیں اس کے لیے سب کچھ ہار دیا [۷۴]

حنیف سعدی اپنی غزل میں عشق و محبت کے جذبات کا برملا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

آتش غم نے کیا دیا ہم کو
کر گئی خاک کیمیا ہم کو
قرب منزل کا آسرا دے کر
راستے میں بٹھا دیا ہم کو [۷۵]

بشیر فراق کی غزل میں روایتی عشق و محبت کا اظہار نظر آتا ہے ان کی شاعری سچے احساسات و جذبات کی شاعری ہے۔ یہ اپنی غزلوں میں جس طرح واردات عشق کا اظہار کرتے ہیں ان سے ان کی داخلی کیفیات کا عکس نظر آتا ہے۔

شب فراق وہ جب یاد آنے لگتے ہیں
پلک پلک پہ گہر جگمگانے لگتے ہیں
زباں سے درد کا افسانہ کیا سنائیں تم کو
دلوں کے حال تو چہرے بتانے لگتے ہیں
تری نگاہ نے لمحوں میں کر دیا اس کو

وہ بات کہنے میں جس کو زمانے لگتے ہیں ۷۶؎

اُردو غزل میں محبوب کی بے وفائی اور سنگدلی کے قصے عام ملتے ہیں۔ ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والی غزلیات میں بھی محبوب کی وعدہ خلافی کے تذکرے اور بے وفائی کے قصے عام ملتے ہیں۔ حسرت کمال کہتے ہیں

مجھے تم نہ یاد کرو کبھی تمہیں میں بھلا نہ سکوں کبھی
تمہیں ناز اپنے شعور پر مجھے فخر اپنے شعار پر
اب اسے کمالِ وفا کہوں کہ جنوں کی سادہ دلی کہوں
نہ مال کی کوئی فکر ہے نہ یقین وعدۂ یار پر ۷۷؎

ممتاز صنم کی غزل اُردو شاعری میں حقیقت نگاری کی عمدہ مثال ہے۔ پاکستانی معاشرے میں پھیلی غربت اور بدحالی کا ذکر اور تڑپتی ہوئی انسانیت کا اعلیٰ پیمانے پر ادراک ہوتا ہے۔ وہ کہتی ہیں

ہم نے ہر سمت سے چلتے ہوئے پتھر دیکھے
چارہ سازوں کے بھی بدلتے تیور دیکھے
لٹتے گھر، جلتی ہوئی لاشیں، بلکتے بچے
ہم نے اس شہر میں ایسے بھی تو منظر دیکھے
بھوک افلاس کی بستی سے جو گزرے ہیں کبھی
زرد چہرے، صنم کے آنکھوں میں سمندر دیکھے ۷۸؎

مہرالنساء مہر کی غزل میں تصوف اور معرفت کے پہلو عام دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی نظمیں ہوں یا غزلیں ربّ کائنات کا عشق ان کی شاعری کا نمایاں پہلو نظر آتا ہے۔ وہ اپنی غزل میں کہتی ہیں کہ

اس نے نظر سے کیے سب کے ہوش گم
ساقی وہ جس کے ہاتھ جام وسبو
ہر شے میں تو ہی نظر آتا ہے چار سو

صحرا بہ صحرا ہم کو تیری ہے جستجو ۷۹؎

مہر النساء مہر اپنی ایک دوسری غزل میں دیہات کے مناظر کی عمدہ تصویر کشی کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ دیہاتوں کی فضا شہری ماحول کے گھٹن اور حبس سے پاک ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہیں

چلو کہ گھٹتا ہے دم شہر کی ہواؤں میں
حسین نظارے ہیں، دلکش فضا ہے گاؤں میں
بہار آئی تو یہ خوف چھا گیا دل پر
کہ بجلیاں نہ چھپی ہوں کہیں گھٹاؤں میں ۸۰؎

سرور انبالوی کی غزل میں متنوع موضوعات ملتے ہیں ان کی غزل میں حقیقت نگاری کے عناصر کے ساتھ ساتھ تصوف اور سلوک و معرفت کا تذکرہ بھی ملتا ہے وہ کہتے ہیں۔

اس کی تلاش دار تک لے آئی ہے مجھے
میرے لبوں پہ لفظ وہاں بھی دعا کا تھا
بھوکا بلک بلک کے سر راہ مر گیا
محلوں میں شور بھی تو عجب انتہا کا تھا
حل کر سکے نہ اس کو فقیہان مدرسہ
کچھ مسئلہ عجب فنا و بقا کا تھا ۸۱؎

ماہنامہ "عصمت" میں شائع ہونے والی زیادہ تر شاعری عورت اور معاشرے میں اس کے کردار کے گرد گھومتی ہے۔اس شاعری نے عورت کی اصلاح میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

CamScanner

حوالہ جات

۱۔ اڈیٹر، "عصمت میں نظمیں کیسی ہوں گی"، عصمت، جون ۱۹۰۸ء، ص:۵۲۔

۲۔ صائمہ خیری، "تیری رحمت بے شمار"، عصمت، جون ۱۹۷۰ء، ص:۳۲۷۔

۳۔ ماہر القادری، "حمد"، عصمت، اپریل، ۱۹۶۶، ص:۱۱۴۔

۴۔ اسلام شبنم، "بحضور ربّ جلیل"، عصمت، جولائی ۱۹۹۱ء، ص:۰۵۔

۵۔ عرشیہ علوی، "نعت"، عصمت، فروری ۱۹۷۰، ص:۸۲۔

۶۔ مینا زبیری، "ولادت باسعادت"، عصمت، مارچ ۱۹۷۶ء، ص:۱۱۵۔

۷۔ رفیہ انور امروہوی، "آرزوئے حضوری"، عصمت، مئی ۱۹۷۳ء، ص:۲۳۹۔

۸۔ ماہر القادری، "نعت"، عصمت، اپریل ۱۹۶۲، ص:۱۸۴۔

۹۔ نازش رضوی، "نذرانہ نعت"، عصمت، مئی ۱۹۸۶ء، ص:۲۱۔

۱۰۔ عارف لکھنوی، "نعت"، عصمت، فروری ۱۹۹۲، ص:۲۷۔

۱۱۔ ڈاکٹر محمود الحسن، "نعت"، عصمت، مارچ ۱۹۹۱ء، ص:۰۵۔

۱۲۔ ناصر زیدی، "نعت رسول مقبولؐ"، عصمت، اپریل ۱۹۸۸ء، ص:۰۶۔

۱۳۔ بیگم بصیر صدیقی، "پیام آخرت"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۰۷۔

۱۴۔ جہاں آرا چودھری، "ماہ سعید"، عصمت، مئی ۱۹۶۶ء، ص ۵۰۔

۱۵۔ جہاں آرا چودھری، "شہید کربلا سیدنا حسین"، عصمت، جون ۱۹۶۱، ص:۲۸۸۔

۱۶۔ حبیب صدیقی، "مسلمانوں سے"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۳۲۔

۱۷۔ سید انیس احمد، "اے مشرق کے پھول"، عصمت، اگست ۱۹۶۷ء، ص:۱۰۴۔

۱۸۔ رفیہ انور امروہوی، "بہاروں سے کہہ دو"، عصمت، مئی ۱۹۷۰ء، ص:۲۸۰۔

۱۹۔ مشہود مفتی، "مسلم سے"، عصمت، جولائی ۱۹۹۳ء، ص:۵۳۔

CamScanner

۲۰۔ ثریا خانم سحر، "ترانہ"، عصمت، اگست ۱۹۵۶ء، ص:۱۰۱۔

۲۱۔ آغائے خاکی قزلباش، "قومی بہنوں سے"، عصمت، مئی ۱۹۴۹ء، ص:۲۱۸۔

۲۲۔ عقیلہ بیگم، "اٹھ دختر اسلام"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۵۲۔

۲۳۔ مولانا ارشد تھانوی، "غریب بیوی"، عصمت، فروری ۱۹۶۳ء، ص:۸۹۔

۲۴۔ عزیز بدایونی، "اے دختران ملت اسلام"، عصمت، جنوری ۱۹۷۰ء، ص:۱۷۔

۲۵۔ رحمان کیانی، "قرآن اور نئی عورت"، عصمت، جنوری ۱۹۷۰ء، ص:۲۵۔

۲۶۔ دعا ڈبائیوی، "عورت"، عصمت، جولائی ۱۹۶۶ء، ص:۴۷۔

۲۷۔ سکندر حیا بریلوی، "عورت نہیں تو کچھ بھی نہیں کائنات میں"، عصمت، جولائی ۱۹۸۱ء، ص:۲۸۔

۲۸۔ آغائے خاکی قزلباش، "عورت سے"، عصمت، مئی ۱۹۸۸ء، ص:۷۰۔

۲۹۔ نسیمہ صدیقی، "غیرت نسواں"، عصمت، ستمبر ۱۹۸۷ء، ص:۲۳۔

۳۰۔ عقیلہ بیگم، "حقوق نسواں"، عصمت، مئی ۱۹۸۸ء، ص:۳۱۔

۳۱۔ زیب عثمانیہ، "خود پسند عورت"، عصمت، مارچ ۱۹۹۳ء، ص:۳۹۔

۳۲۔ ناشاد، "بیوہ کی فریاد"، عصمت، اگست ۱۹۹۱ء، ص:۵۶۔

۳۳۔ ممتاز، "عورت"، عصمت، مئی ۱۹۵۸ء، ص:۱۶۸۔

۳۴۔ نور جہاں بیگم، "۴۷ کے شہداء کی یاد میں"، عصمت، مارچ ۱۹۵۳ء، ص:۱۵۳۔

۳۵۔ مہر النساء مہر، "امیدیں"، عصمت، مارچ ۱۹۷۰ء، ص:۱۴۱۔

۳۶۔ جبریل صدیقی، "مجاہدین وطن"، عصمت، اپریل ۱۹۶۶ء، ص:۱۸۸۔

۳۷۔ جام نوائی، "مجاہدان ملت کارجز"، عصمت، اکتوبر ۱۹۶۸ء، ص:۳۴۔

۳۸۔ مسز الطاف حسین، "وطن کے نوجوان"، عصمت، جون ۱۹۵۲ء، ص:۲۹۲۔

۳۹۔ سکندر جہاں بریلوی، "نوجوانوں سے"، عصمت، جنوری ۱۹۷۶ء، ص:۴۱۔

CamScanner

۴۰۔ ممتاز مدراسی، "اے ارض مقدس"، عصمت، مارچ ۱۹۷۲ء، ص:۱۱۱۔

۴۱۔ خورشید آرا بیگم، "ملکی صنعت"، عصمت، دسمبر ۱۹۴۸ء، ص:۲۶۷۔

۴۲۔ سید مشتاق علی ہاشمی، "خواہش ناکام"، عصمت، اپریل ۲۰۰۴ء، ص:۲۴۔

۴۳۔ مہر النساء مہر، "کیسے کیسے لوگ"، عصمت، مارچ ۲۰۰۸ء، ص ۴۰۔

۴۴۔ مہر النساء مہر، "کیا لطف اٹھائیں مغرب میں"، عصمت، نومبر ۱۹۷۸ء، ص:۱۱۔

۴۵۔ مصطفائی خاتون، "بدلی"، عصمت، جنوری، ۱۹۴۸ء، ص:۳۱۔

۴۶۔ اثر بره پوروی، "آفتاب"، عصمت، جنوری ۱۹۴۸ء، ص:۳۷۔

۴۷۔ خورشید آرا بیگم، "سینڈس پٹ کی ایک شام"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۲۶۲۔

۴۸۔ ماجد الباقری، "ہوا"، عصمت، مارچ ۱۹۷۶ء، ص:۱۲۷۔

۴۹۔ نجمہ انوار الحق، "راوی کے کنارے"، عصمت، اپریل ۱۹۹۲ء، ص:۳۰۔

۵۰۔ سعیدہ شمیم، "سرمئی گھٹا"، عصمت، اگست ۱۹۴۸ء، ص:۱۶۔

۵۱۔ قمر ہاشمی، "مصور غم مرحوم"، عصمت، فروری ۱۹۴۹ء، ص:۵۲۔

۵۲۔ جام نوائی بدایونی، "علامہ راشد الخیری مغفور"، عصمت، فروری ۱۹۷۰ء، ص:۷۵۔

۵۳۔ مہر النساء مہر، "مصور غم کی یاد میں"، عصمت، فروری ۱۹۷۶ء، ص:۷۶۔

۵۴۔ انعم مرزا، "آدمی"، عصمت، اپریل ۲۰۰۶ء، ص:۵۶۔

۵۵۔ حرا شہزاد، "آج اور کل"، عصمت، مارچ ۲۰۰۸ء ص:۰۵۔

۵۶۔ فرزانہ پروین، "ماں آجاؤ تم"، عصمت، مارچ ۲۰۰۸ء، ص:۵۰۔

۵۷۔ آغا صادق، "دیکھ عورت کا یہ کردار بلند"، عصمت، جولائی ۱۹۶۰ء، ص:۳۶۔

۵۸۔ بیگم اختر جہاں، "بارش کا پہلا قطرہ"، عصمت، اپریل مئی ۲۰۰۸ء، ص:۵۶۔

۵۹۔ خورشید آرا بیگم، "اقبالؒ کے مزار پر"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص:۱۹۹۔

۶۰۔ بصیر صدیقی، "غریبوں کی گرمی"، عصمت، جون ۱۹۴۹ء، ص: ۲۵۲۔

۶۱۔ اشرف فتح پوری، "مزدور"، عصمت، جنوری ۱۹۹۲ء، ص: ۲۳۔

۶۲۔ غلام السیدین نقوی، "پیام سحر"، عصمت، اپریل ۱۹۷۱ء، ص: ۳۵۔

۶۳۔ مریم مدنی، "فریاد"، عصمت، جون ۱۹۶۱ء، ص: ۳۰۸۔

۶۴۔ خورشید بانو شمع، "اردو"، عصمت، فروری ۱۹۸۲ء، ص: ۳۶۔

۶۵۔ قاضی عباس حسین، "دھوبن پر عتاب"، عصمت، مارچ ۱۹۶۳ء، ص: ۱۶۶۔

۶۶۔ آر۔ کے۔ درخشاں، "دورِ نو"، عصمت، فروری ۱۹۹۱ء، ص: ۴۰۔

۶۷۔ آمنہ حزیں، "غزل کیسے۔۔۔ لکھوں؟"، عصمت، جنوری ۱۹۶۲ء، ص: ۲۳۔

۶۸۔ حامد حسن قادری، "عورت"، عصمت، اپریل، ۱۹۴۹ء، ص: ۱۶۵۔

۶۹۔ حامد حسن قادری، ایضاً۔

۷۰۔ وحشت، "عورت"، عصمت، نومبر ۱۹۴۸ء، ص: ۲۳۶۔

۷۱۔ خورشید آرا بیگم، "واردات قلب"، عصمت، مئی ۱۹۷۳ء، ص: ۲۲۲۔

۷۲۔ حمیدہ خانم، "رباعیات"، عصمت، ستمبر ۱۹۴۸ء، ص: ۱۲۱۔

۷۳۔ مشتاق علی ہاشمی، "ہمارے رسم ورواج"، عصمت، مئی ۱۹۹۳ء، ص: ۴۵۔

۷۴۔ عبید اللہ علیم، "غزل"، عصمت، اکتوبر ۱۹۸۷ء، ص: ۴۱۔

۷۵۔ حنیف سعدی، "غزل"، عصمت، فروری ۱۹۸۹ء، ص: ۴۱۔

۷۶۔ بشیر فاروق، "غزل"، پلاٹینیم جوبلی نمبر، عصمت، ۹۸۳ء، ص: ۳۶۔

۷۷۔ حسرت کمال، "غزل"، عصمت، جولائی ۱۹۹۳ء، ص: ۲۴۔

۷۸۔ ممتاز صنم، "غزل"، عصمت، جنوری ۱۹۹۱ء، ص ۳۲۔

۷۹۔ مہر النساء مہر، "غزل"، عصمت، فروری ۱۹۸۲ء، ص: ۳۶۔

CamScanner

۸۰۔ مہر النساء مہر، "غزل"، عصمت، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص: ۴۴۔

۸۱۔ سرور انبالوی، "غزل"، عصمت، اپریل ۱۹۹۸ء، ص: ۰۹۔

کتابیات

بنیادی ماخذ:

(ماہنامہ "عصمت" ۱۹۰۸ء تا ۲۰۰۸ء)

ثانوی ماخذ:

۱۔ رازق الخیری، عصمت کی کہانی، دہلی، عصمت بک ڈپو، ۱۹۴۶ء۔

۲۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، جدید اُردو افسانے کے رحجانات، کراچی، انجمن ترقی اُردو، ۲۰۰۰ء۔

۳۔ شمس الرحمن فاروقی، افسانے کی حمایت میں، کراچی، سمیع سنز پرنٹرز، ۱۹۸۲ء

۴۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اُردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء۔

۵۔ ممتاز شیریں، "منٹو کا تغیر، ارتقا اور فنی تکمیل"، مشمولہ، اُردو افسانہ روایت اور مسائل، مرتبہ گوپی چند نارنگ، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ۲۰۰۴ء۔

☆☆☆☆☆

CamScanner

تعارف:
ڈاکٹر نعیمہ بی بی
تعلیم
ایم اے:
(پنجاب یونیورسٹی)
ایم فل:
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
پی ایچ ڈی اردو:
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
پوسٹ ڈاک فیلوشپ (جاری):
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
موجودہ مصروفیات:
استاد شعبہ اردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
ماہنامہ ''عصمت'' جون 1908ء میں مخزن پریس دہلی سے شائع ہونا شروع ہوا۔ دنیائے ادب
میں کسی ماہنامے کو یہ اعزاز حاصل نہیں جس نے اپنی عمر کے ۱۰۰ سال پورے کیے ہوں اس کے
اور بعد بھی وہ اسی ادبی شان سے نکلتا ہو جیسے روز اول نکالا گیا تھا۔ اس ماہنامے کو بہت سارے
اعزاز حاصل ہیں ۔ اس کتاب میں اس ماہنامے کا تعارف و تفصیل پیش کی گئی ہے
ماہنامہ ''عصمت'' کی اشاعت سے ہندوستانی معاشرے میں تبدیلی کا آغاز نظر آیا۔ اس کے پڑھنے
والوں کے گھروں میں انقلاب آنا شروع ہوا۔ عورتوں کو ان کے فرائض کا احساس ہونا شروع
ہوا۔ خواتین کی مصیبت پر مردوں کا دل پگھلنے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس رسالے نے خواتین میں تعلیم
نسواں کی ضرورت کا احساس پیدا کیا اور انہیں ایک سلیقہ مند اور باہنر عورت بننے کا درس دیا۔
9 789692 399104
ابو Abu Musa
اپنی کسی بھی پی ڈی ایف کو پرنٹ کروا کر اعلی اور معیاری کتابی شکل دینے کے
لئے ہم سے رابطہ کیجئے۔ ابو موسی پی ڈی ایف پرنٹرز۔ 0308-4591023